دردِ بے کراں

زمر نعیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور آپ سب کی محبتوں کے اعتماد کے ساتھ میں اپنی دوسری کتاب ''دردِ بے کراں'' کے سلسلے میں آپ سے مخاطب ہوں۔

علی میاں پبلی کیشنز کے زیر اشاعت یہ میری دوسری کتاب ہے۔ میرا پہلا ناول ''روشنی میرا استعارہ'' پہلے ہی قارئین سے پسندیدگی کی سند حاصل کر چکا ہے۔ آپ ہی کی پسند اور محبت کے اعتماد کے ساتھ دوسری کتاب ''دردِ بے کراں'' آپ تک پہنچانے کی کوشش جاری ہے۔

یہ کتاب تین مکمل ناولز پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے تینوں ناولز کی کہانیاں یقیناً آپ کے جذبات و احساسات پر ضرور اثر انداز ہوں گی۔

میری ہر بار کوشش رہی ہے کہ میں اپنی کہانیوں میں ہمیشہ احساسات کی گہرائی اور جذبات کی سچائی و ایمانداری کو بیان کروں۔ ایثار، وفا اور محبت کا پیغام دوں۔ معاشرتی رویوں کا مثبت رُخ عیاں کروں۔ گو کہ فی زمانہ رویوں کی تبدیلی نے احساسات و جذبات میں خاصا تغیر پیدا کیا ہے۔ اور زندگی میں اپنے سوا کسی کو کچھ دینے کا خیال بھی عبث لگنے لگا ہے۔ حقیقی خوشیاں بھی جیسے ناپید ہو گئی ہیں۔ آخر ہمیں ہی ان خوشیوں کو تلاش کرنا ہے۔ اپنے گمشدہ سچے احساسات کی کھوج ہمارے لیے ناممکن نہیں ہے۔ بس ضرورت ہے سچی لگن، ایثار، وفا اور محبت کی۔ یہ جذبے ہمارے اردگرد ہی بھٹک رہے ہیں۔ انہیں سمیٹ کر زندگی میں شامل کرنا ہمارا کام ہے۔ میری کوششوں میں میرے ساتھ شامل رہیے گا۔ اپنی نادر آراء سے ضرور نوازیئے گا۔

زمر نعیم

سادگی اور سچائی

زمر نعیم..... عصر حاضر کے لکھنے والوں میں یہ ایک معتبر نام ہے۔ آج جبکہ ڈائجسٹوں کی دنیا میں لکھنے والوں کی ایک لمبی فہرست نظر آتی ہے، اچھا لکھنے والوں کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے۔ زمر نعیم کا شمار البتہ ان رائٹرز میں کیا جا سکتا ہے جن کی تحریریں خود بخود اپنی جگہ بنا لیتی ہیں۔ زمر نعیم کو اپنا مفہوم اپنا نظریہ بہت عام فہم انداز اور سلاست کے ساتھ قارئین تک پہنچا دینے کا ہنر آتا ہے۔ ان کی تحریروں میں ایک ایسی روانی نظر آتی ہے جو دھیرے دھیرے بہتی ندی کی طرح اپنا سفر طے کرتی رہتی ہے۔ مکالموں کی برجستگی ان کا خاص وصف ہے۔ میں نے بحیثیت رائٹر اور پھر بحیثیت ایڈیٹر، زمر نعیم کی تحریروں میں ایک خاص بات بہت شدت سے محسوس کی ہے اور وہ یہ کہ زمر نعیم کی کہانیوں میں ایک امید، اور زندہ رہنے کی ایک امنگ نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کی اعلیٰ مثبت اقدار کا پرچار تو گویا زمر نعیم کی تحریروں کا ''نصب العین'' نظر آتا ہے۔ زمر نعیم کے ناول میں کردار نگاری بہت مضبوط نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا قلم منظر کشی بھی اس کمال کی کرتا ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو اسی منظر میں محسوس کرتا ہے۔ زمر نعیم کے اندازِ تحریر میں، ان کی زبان و بیان میں اس قدر سادگی اور سچائی نظر آتی ہے کہ پڑھتے وقت ذہن پہ بھاری اور مشکل الفاظ کا بوجھ نہیں پڑتا۔ وہ بہت محنت سے اپنے ناول کے تانے بانے بُنتی ہیں اور اردگرد کے کرداروں سے جیتی جاگتی زندگی کا پلاٹ ترتیب دیتی ہیں۔ مجھے یقین ہے زمر نعیم کی تخلیقی صلاحیتوں کا سفر رکے گا نہیں، ابھی انہیں آگے اور آگے جانا ہے۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

فریدہ مسرور

دردِ بے کراں

ایک لڑکی کا عجیب قصہ۔ اسے ایک وجیہہ مرد کی رفاقت کی تمنا تھی.....
ایک محل جیسا بنگلہ اس کا خواب تھا..... شوہر پرستی اس کی گھٹی میں تھی..... اس نے اپنے محبوب شوہر کی ایک ناممکن خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی ممتا کو داؤ پر لگا دیا تھا۔

ماں دنیا کا عظیم رُتبہ ہے اور ممتا کا جذبہ قوی ترین..... جب فطرت کے آگے بند باندھا جائے تو کیا ہوتا ہے.....

اس رات کے بارے میں اس نے کیا کیا سنا تھا، کیسی کیسی دل آویز باتیں، کیسے کیسے اَن چھوئے جذبات ابھی کچھ دیر قبل بھی اس نے اپنے اندر محسوس کیے تھے۔ اس گھر کو دیکھ کر، اپنے عروسی کمرے میں بیٹھ کر اسے اپنے سارے خواب حقیقت کے روپ میں نظر آئے۔

ایک بڑے گھر میں بہو بن کر آنے کا خواب ہر لڑکی کی طرح اس کی آنکھوں میں بھی سجا تھا۔ ایک وجیہہ مرد کی رفاقت اس کی بھی تمنا تھی مگر..... مگر یہاں آ کر اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ خواب، وہ تمنا ایک بڑی قیمت ادا کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھی۔ قیمت بھی ایسی جو فی الوقت اس کے پاس موجود نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تو شاید وہ ''قیمت'' چکانے کا حوصلہ نہ رکھتی۔

اس نے تو سوچا بھی نہ تھا یہ لوگ اسے اس طرح پابند کر کے اپنی خواہشوں، اپنی عنایتوں کی وصولیاں کریں گے۔

وہ پراگندہ سوچوں میں گھری تھی اور ایک اسٹامپ پیپر اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ قیمت تو آخر اسے چکانا ہی تھی۔ اپنے گھر کی کچی گلیوں سے منصور پیلس کی سرسبز و رنگین، پختہ شاہراہ پر قدم رکھنے کی قیمت، ایک متوسط گھرانے کی لڑکی کو اپنے پیلس کی زینت بنانے کا انہوں نے کچھ نہ کچھ تو خراج لینا ہی تھا۔

وہ تو خود کچھ دیر پہلے تک اپنی قسمت پر حیران تھی۔ جس بات کو تصور میں بھی نہ سوچا تھا، منعمہ احمد کے ساتھ وہ ہو گئی تھی۔

وہ منعمہ احمد جس کا حسن اس کی غربت سے ہارا ہوا تھا، جس کی ذہانت و فراست اپنے ہی طبقے کے کسی نوجوان کلرک سے دال روٹی کے جھگڑوں میں خرچ ہو جانی تھی۔ وہ منعمہ احمد، منصور حسن کی بہو بن گئی تھی۔ شہر کی ممتاز ترین ہستیوں میں سے ایک ہستی کی بہو..... ایک اعلیٰ

خاندان کی فرد، ایک وجیہہ اور باوقار انسان کی بیوی!

اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ خوش قسمت تھی۔ زندگی کی تمام آسائشات اسے یہاں میسر آنا تھیں مگر.....

☆=======☆=======☆

کالج کی سالانہ تقریب میں میزبانی کے فرائض انجام دیتی منعمہ احمد، مہمانِ خصوصی منصور حسن کی اہلیہ زبیدہ منصور کو کچھ ایسی بھائی تھی کہ اگلے ہی دن وہ ان کے چھوٹے سے تین کمروں والے گھر میں پہنچ گئی تھیں اور اسی دن اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ منعمہ کی قسمت یوں کھل جائے گی۔ احمد علی تو نہ اقرار کرنے کے قابل تھے اور نہ ہی انکار کے، اتنے بڑے لوگوں میں بیٹی دیتے ڈرتے بھی تھے اور خود کو ان کے معیار سے کم تر بھی خیال کر رہے تھے لیکن منصور حسن کی انکساری اور زبیدہ منصور کا بے انتہا اصرار خدشات مٹا گیا۔

منصور حسن نے ایک بات کہہ کر بات ہی ختم کر دی۔ ''رشتے آسمان پر طے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم آپ کے در پر اپنی جھولی پھیلانے کیوں آتے۔ حیثیتوں کا تفرق انسانوں کا پیدا کردہ ہے، اللہ کا نہیں۔ ہم تمام تفرقات مٹا کر منعمہ کو اپنی بیٹی بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔''

زبیدہ منصور نے بھی تقریباً اسی طرح تسلی و تشفی دے کر انہیں اس رشتے کے بارے میں سوچنے پر راضی کر لیا تھا۔ پھر تھوڑی بہت دیکھ بھال کے بعد ثوبان منصور کے نام کی انگوٹھی منعمہ احمد کی انگلی میں پہنا دی گئی۔

اس کے بعد منعمہ کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھر گئے۔

منصور حسن کا پورا گھرانا اپنی محبت و خلوص سے اسے اپنا گرویدہ کر گیا تھا۔

ٹھیک ایک ماہ بعد وہ منصور پیلس میں دلہن بن کر اُتر آئی تھی۔ پھر خوابوں کے جھولے میں جھولا جھولتے جھولتے ایک دم سے نیچے آ گری تھی۔

چوٹ تو بڑی شدید لگی تھی مگر ہوش و حواس ابھی بحال نہیں ہوئے تھے کہ وہ درد کا اندازہ لگا سکتی۔ وہ شرم و حیا میں لپٹی، ایک اَن دیکھے، من چاہے رفیق سے ملن کی ساعتیں گن گن کر گزار رہی تھی کہ زبیدہ منصور نے تمام طلسمی حصار کھینچ ڈالے تھے۔

''ثنی کی آمد سے پہلے میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

منعمہ نے ساس کے بدلے لہجے پر نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ نہایت سنجیدگی سے اس کے

سامنے بیٹھی تھیں۔

''میری باتوں سے ثنی آگاہ ہے۔ یہ بات میں نہایت مجبوری کے عالم میں کہہ رہی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں مچلتے حیران رنگ انہیں واپس اسی لب و لہجے میں لوٹنے پر مجبور کر گئے۔

منعمہ کا دل اچھل کر حلق تک آ گیا۔ سانس اٹک گئے، وسوسے ڈنگ مارنے لگے۔

''کہیں ثوبان حسن معذور تو نہیں؟'' کسی سہیلی کا کہا جملہ ذہن میں گونجا۔

دوسری آواز کی بازگشت ہوئی۔ ''بھئی یہ اس طبقے کے لوگ ایسے ہی ہمارے گھروں میں نہیں آ جاتے۔ ضرور بیٹے میں کوئی نقص ہو گا یا پھر دوسری شادی کی غرض سے آئے ہوں گے۔ کہیں تمہارے والے کی بھی ''دوسری'' شادی نہ ہو۔''

اس وقت وہ کیسی ان کی باتوں پر ناراض ہوئی تھی۔ ان کے پیچھے پڑ گئی تھی لیکن اب ساس کا پُراسرار لہجہ ان خدشات کو سچ کر رہا تھا۔

''رابعہ میری سب سے بڑی اور اکلوتی بیٹی ہے۔ اس کی خوشیاں میں ساری دولت بیچ کر بھی خرید سکتی ہوں۔ میرے دونوں بیٹے، بہن پر اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں۔ احسان نے صرف رابعہ کے لیے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا تھا۔''

یہ نیا انکشاف تھا۔

اسے الجھن ہونے لگی۔ یہ جو کہنا چاہتی ہیں، جلدی کیوں نہیں کہہ دیتیں۔ اس نے اپنی حنائی انگلیاں آپس میں پھنسائیں اور اپنا اضطراب کنٹرول کیا۔

''رباب اس کی دوسری بیوی ہے۔''

''ج.....ی.....ی۔'' اس کی پھنسی پھنسی سانس خارج ہوئی۔

کہیں میں بھی ثوبان کی دوسری بیوی تو نہیں؟ اس خیال سے ہی اس کا ذہن جھنجنا اٹھا۔

''میں لمبی تمہید باندھ کر تمہیں الجھانا نہیں چاہتی۔ میں تمہیں اصل بات بتا ہی دوں۔''

زبیدہ منصور نے اس کے اضطراب اور الجھن کو محسوس کر کے اس کا سر شفقت سے تھپتھپایا۔

''میری بات غور سے اور تسلی سے سننا۔ رابعہ کی شادی کو پندرہ سال ہو گئے ہیں مگر وہ اب تک ماں نہیں بن سکی۔'' زبیدہ منصور کے لہجے میں نمی در آئی۔

''یہ بات نہیں کہ اس میں ماں بننے کی صلاحیت نہیں مگر شاید! تقدیر کو ہی ایسا منظور نہیں۔'' زبیدہ منصور نے بہت مایوسی سے اپنی بات جاری رکھی۔ بات کا رخ کسی اور طرف پلٹتے دیکھ کر منعمہ کے مچلتے دل کو قدرے سکون ملا۔

''تمہیں اپنی بیٹی سمجھ کر صرف تمہیں یہ بات بتا رہی ہوں، مجھے یقین ہے کہ تم ایک بیٹی کی طرح ہی ایک ماں کے راز کی حفاظت کرو گی۔'' اپنی ساس کی یہ بے بسی منعمہ سے دیکھی نہ گئی۔ ان کی تکلیف محسوس کرتے ہوئے جانے کس جذبے کے تحت منعمہ نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، گویا اپنے اوپر اعتماد کا اظہار اسے پُر اعتماد بنا گیا۔

زبیدہ منصور بدقت گویا ہوئیں۔ ''بصر (رابعہ کا شوہر) میں ہی وہ بات نہیں ہے کہ وہ کسی بچے کا باپ بن سکے۔'' منعمہ ایک بار پھر چونک اٹھی۔ بصر شعور کو اس نے دیکھا تھا وہ اعلیٰ خصوصیات کا حامل ایک وجیہہ مرد تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسی محرومی کا شکار ہوگا۔ ناقابلِ یقین سی بات تھی۔ دکھ سے وہ گنگ سی رہ گئی۔

''ہمارے خاندان میں باہر، میرا مطلب ہے غیروں میں شادیاں نہیں کی جاتیں، تم واحد ہستی ہو جس کا انتخاب کیا گیا ہے۔'' انہوں نے کچھ لمحے توقف کیا پھر اپنی بات آگے بڑھائی۔

''بصر میرے جیٹھ شعور حسن کا بیٹا ہے۔ رابعہ سے اس کی محبت کی وجہ سے یہ رشتہ استوار ہوا تھا۔ بصر اپنی اس ایک خامی کے علاوہ بہت اچھا اور سلجھا ہوا شوہر ہے۔ اپنی ''کمی'' کا اسے پورا احساس ہے اسی لئے ایک مقام پر رابعہ سے شدید محبت کے باوجود وہ اسے زندگی کے اس روشن پہلو کی طرف رخ موڑنے پر مجبور کر چکا ہے جو ہر عورت کا حق ہے۔ مگر..... مگر رابعہ بھی اس کی محبت کے سوا کچھ نہیں چاہتی۔ اسے بصر کے علاوہ کسی اور کی رفاقت گوارا ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بصر نے اکثر ایک بچے کو ایڈوپٹ کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا ہے مگر رابعہ تیار ہی نہیں ہوتی۔ وہ ڈرتی ہے کہتی ہے کسی کے بچے کے ساتھ وہ انصاف نہیں کر پائے گی۔ اپنے بچے سے فطری محبت امڈتی ہے۔ اپنے خون سے کچھ بھی پیارا نہیں ہوتا۔ رابعہ کی بے رنگ زندگی دیکھ کر احسان نے بہن کی محبت میں اپنے ہونے والے بچے کو پیش کیا تھا مگر اس کی بیوی شہوار نے اس بچے کو دنیا میں آنے سے قبل ہی ختم کر ڈالا تھا۔ احسان اور شہوار کے درمیان یہی وجہ تنازعہ بات تھی۔ رباب احسان کی دوسری بیوی ہے، رباب کے سلسلے میں ہم نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جائے۔ کیونکہ ہم بار بار اپنے بیٹے کو کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ شہوار اس کی محبت اس کے بچپن کی مانگ تھی۔ اس سے قطع تعلق اس نے دل پر جبر کر کے کیا تھا۔ میں جانتی ہوں ایک عورت یعنی ایک ماں کے لئے اپنی اولاد کسی اور کو سونپنا کس قدر مشکل کام ہوتا ہے۔ شہوار کے لئے یہ امر مشکل تھا تبھی اس نے اپنی فطرت سے بغاوت کر لی تھی۔ حالانکہ ہم نے اس پر جبر نہیں کیا تھا۔ یہ تو ان دونوں کے

درمیان کا معاملہ تھا اور اس کے لئے اپنی ممتا کا گلا گھونٹنا اسی کا حوصلہ تھا۔ یہ سب دیکھ کر ثوبان نے اپنے دل کی بات عیاں کی تھی۔ اس نے بہن کی محبت کی خاطر بنا سوچے سمجھے قسم کھائی تھی کہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہو جائیں میرا پہلا بچہ رابعہ آپی کی خوشیوں کا سبب ضرور بنے گا۔ مگر میں نے بھی فیصلہ کیا تھا کہ اس کی بیوی کی رضامندی و خوشنودی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ اسی لئے آج میں اسی سلسلے میں تم سے بات کرنے کو یہاں موجود ہوں۔ یہ..... ثنی..... ثوبان ہی کی خواہش ہے۔ میں جانتی ہوں تمہیں یہ سب بہت عجیب لگ رہا ہوگا۔ مگر بیٹا ثنی کا خیال تھا کہ تم سے بات کرنے کا یہی مناسب وقت ہے۔''

زبیدہ منصور کے لہجے کا ٹھہراؤ منعمہ کے حواس ساکت کر رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم یہ سن کر نہ صرف حیران ہو رہی ہوگی بلکہ پریشان بھی ہو شاید۔ بیٹا تم پر کوئی زبردستی، کوئی جبر نہیں ہے۔ تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ تم چاہو تو رابعہ کی بے رنگ زندگی کو خوشیوں کے رنگ دے دو، اس کے جواب میں ہم ساری زندگی تمہارے احسان مند رہیں گے۔''

زبیدہ منصور کا ہر لفظ ہر تاثر منعمہ کے لئے ناقابلِ فہم سا ہو رہا تھا۔

''دیکھو بیٹا! ہم سے بدگمان نہ ہونا۔ ہم نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے قبول کیا ہے۔ بس ثوبان کی قسم نے ہمیں مجبور کر کے تمہارے آگے دامن پھیلانے کا حوصلہ دیا ہے ورنہ تو ہم اس بات کو آگے بڑھانے کا سوچتے بھی نہیں۔ دیکھو اس کی بدولت تمہیں ہماری بے انتہا محبتیں ہی نہیں قدر و منزلت بھی حاصل ہو جائے گی۔ اس ایگریمنٹ کے تحت تمہارا پہلا بچہ رابعہ کا ہوگا۔ وہ تمہارے بچے کو تمہاری کمی محسوس نہیں ہونے دے گی۔ اپنے بھائی کی اولاد اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوگی اور پھر وہ بچہ اس کا وارث بھی تو بنے گا۔ اس حوالے سے تمہارے دل میں کوئی خدشہ نہیں ہونا چاہئے۔''

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں تکے گئی۔ ابھی تو وہ اس جذبے اس احساس سے بالکل عاری تھی جسے جگانے کی کوشش قبل از وقت تھی۔ وہ تو ایک منہ بند کلی تھی جو ابھی کھلنے کی لذت سے بھی ناآشنا تھی۔ وہ کیسے ان احساسات و جذبات کی گہرائیوں کو جانچ سکتی تھی۔ اتنی بڑی بات، اتنا بڑا عہد، وقت سے اقرار وفا کیا ایسا ممکن تھا؟ وہ کچھ بھی مانگتیں بلا خوف و خطر دے ڈالتی لیکن اس کے اختیار میں تو ہوتا۔ اس کے لرزتے ہاتھوں میں کاغذ کا ٹکڑا تھا اور وہ لب چبا رہی تھی، کشمکش سے سوچ رہی تھی کہ جواب دے تو کیا کہے۔ اس رب العظیم کی رضا و منشاء کے بغیر کیا کر سکتی تھی۔ آخر اس نے دل میں ہلچل مچاتے خیالات کو زبان دے ہی ڈالی۔

''آ.....پ نے مجھ سے جو توقع یا امید باندھ لی ہے کیا وہ قبل از وقت نہیں۔ آپ کے خیال میں یہ سب درست ہے۔ پلیز مجھے غلط مت سمجھئے گا مگر ہم اپنے آئندہ پل کی بھی خبر نہیں رکھتے تو کیسے.....اور پھر کون جانتا ہے کہ وہ سب کو عطا کرنے والا کریم یہ فخر، یہ خوشی مجھے بھی عطا کرتا ہے یا.....'' منعمہ نے قدرے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی تھی۔

''بس آگے ایک لفظ بھی نہ بولنا منعمہ۔'' زبیدہ منصور نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے ٹوک کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''خدارا ایسے مت کہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر یقین رکھو، اگر تم نے کسی کی خالی جھولی کو بھرنے کا سوچ لیا ہے تو وہ ضرور کرم کرے گا۔ تمہیں جب دیکھا تھا تو اسی لمحے تمہارے حوالے سے دل میں یقین بھی اتر آیا تھا اور پھر تمہارا نام جان کر تو یہ یقین پختہ ہو گیا تھا۔ تمہارے نام کا مطلب نعمتوں والی ہے۔ توریت میں سورۃ یٰسین کو ہی منعمہ کا عنوان دیا گیا ہے۔ سو مجھے تو اللہ کے فضل پر ایمان ہے کہ تمہارے ذریعے ہی وہ پروردگار عالم میری بیٹی کو بھی خوشیاں عطا کرے گا۔ تم سوچ لو، اچھی طرح غور کر لو، پریشان مت ہونا۔ تمہارا انکار یا اقرار ہر دو صورت میں ہمیں منظور ہوگا۔ تمہارا مقام جو ہے وہ ہمیشہ رہے گا۔''

وہ اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئیں جب کہ منعمہ اس عجیب و غریب صورتِ حال پر گنگ و ششدر بیٹھی رہ گئی۔ ایک چند گھنٹوں کی بنی دلہن سے وہ اتنا بڑا اقرار لینا چاہتی تھیں۔ اس نے اسٹامپ پیپر پر نظر دوڑائی، جس پر واضح لکھا تھا کہ ''پہلے بچے پر اس کا کوئی حق کوئی اختیار نہیں ہوگا، خواہ حالات کیسے بھی ہوں۔'' اس کے دل پر عجیب سی کیفیت وارد ہو رہی تھی۔ اس جذبے سے ناآشنائی کے باوجود اسے لگا جیسے اندر کسی نے اس کا دل مٹھی میں قید کر کے ایک دم چھوڑ دیا ہو۔

وہ تب سے اب تک اسی طرح گم صم بیٹھی تھی۔ اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ کب ثوبان اندر داخل ہوا اور اس کے مقابل آ بیٹھا۔ منعمہ کی نظریں ہراحساس سے عاری تھیں۔

ثوبان نے اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر پریشانی میں اس کا شانہ ہلایا۔ ''آپ ٹھیک تو ہیں؟''

وہ ایک دم چونک اٹھی۔ اپنے مقابل بیٹھے شخص کو دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ کہاں ہے اور کس حیثیت میں ہے۔ بے اختیاری میں اس نے اپنے ہاتھ میں تھما کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا جسے نرمی سے تھام لیا گیا۔

ثوبان نے کاغذ پڑھ کر ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالی۔ ''کیا آپ کو یہ منظور نہیں؟''

لہجے میں اس قدر حلاوت، اس درجے کی نرمی تھی کہ منعمہ سے بولنا مشکل ہو گیا۔ احساس کے جاگتے ہی شرم و حیا نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ کیا جواب دیتی، سب اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے؟''

ثوبان کی نرم گوئی نے اسے بولنے کا حوصلہ بخشا۔ بالآخر وہ دل میں آئی بات کہہ گئی۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ سب قبل از وقت ہے اور پھر اس کا اختیار صرف اللہ کو ہے، میری کیا حیثیت۔'' وہ ضبط سے بولی، لہجہ بھیگ گیا تھا۔ شادی کی پہلی رات ملن کی پہلی ساعت کی ابتدا کتنی عجیب بات سے ہو رہی تھی۔

''خدا کی مرضی جو بھی ہو، آپ کو اپنی مرضی بتانا ہوگی۔ میں جانتا ہوں یہ ایک نامناسب سی بات ہے.....جو آپ سے پوچھی جا رہی ہے۔''

''پھر بھی.....آپ.....'' وہ کہتے کہتے جھجک گئی۔

''ہاں! پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا عہد، میرا اقرار نبھا دیں جو میں نے رابعہ آپی کی خوشیوں کے لیے کیا تھا۔ یہ اختیار مجھے بھی دیا جا سکتا تھا مگر میں سمجھتا ہوں اولاد پر ماں کا حق سب سے زیادہ ہوتا ہے، اسی لیے یہ فیصلہ آپ کو سونپا گیا ہے۔ آپ کی مرضی نہ ہوئی بخدا میں آپ پر زور و جبر نہیں کروں گا۔ احسان بھائی کی یہی غلطی تھی کہ انہوں نے صرف اپنے زعم پر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا جبکہ میں یہ مان آپ پر رکھنا چاہتا ہوں۔ ایک بچہ ہی تو دینا ہوگا رابعہ آپی کو، ان کی خوشیوں کی ضمانت یہی ہے۔

ان کی زندگی اسی میں ہے، وہ اندر ہی اندر گھلتی جا رہی ہیں، ختم کر رہی ہیں خود کو، ہمیں انہیں زندہ رکھنا ہے۔ وہ ہماری ایک ہی بہن ہے۔ کیا آپ میری خاطر، مجھے پانے کے لیے یہ قربانی دے سکتی ہیں؟''

وہ مشرقی لڑکی تھی۔ وفا جس کا شعار تھا۔ وہ شوہر پرستی کی تعلیم لے کر اس گھر میں آئی تھی۔ اس کا شوہر جان بھی مانگتا تب بھی گریز نہ کرتی۔ یہ تو ایک بچہ تھا، ایک نادیدہ بچہ.....جو اس کے گھر کا محافظ ہوتا۔

منعمہ، ثوبان کے پُر اثر لہجے سے پگھل گئی۔ آنکھیں بند کر کے، دل کڑا کر کے آخر اثبات میں گردن ہلا دی۔

ثوبان نے بے اختیار اس کے حنائی ہاتھ تھام لیے۔ ''مجھے یقین تھا، آپ ہی وہ ہستی ہیں جو ہمیں خوشیوں کا پیغام دیں گی۔''

اعتبار کی یہ سند اسے اشکبار کر گئی۔

''امی نے جب اپنی پسند کا اظہار کیا تو مجھے یقین نہیں تھا کہ کوئی لڑکی اس قدر اچھی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے آپ کو صرف دیکھ کر پرکھ لیا تھا۔ اب مجھے نہ صرف یقین ہے بلکہ میں خود گواہ ہوں کہ آپ جیسی لڑکی دنیا میں کوئی نہیں ہوگی۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ سے پہلے میری زندگی میں کوئی نہیں تھی، ہاں یہ عہد ضرور کروں گا کہ اب آپ کے بعد اس دل میں کسی کی بھی گنجائش نہیں ہوگی۔''

''میرے دل میں گردش کرنے والے لہو کی قسم، میرے جذبوں سے بھرے اس دل کی محبت و چاہت صرف آپ کے لیے ہوگی۔''

ثوبان منصور کے لہجے میں محبت کی سچائی تھی، جذبات کی تند خوئی تھی۔ ''مجھے اندیشہ تھا کہ آپ بھی شہوار کی طرح مخالف قدم نہ اٹھالیں مگر آپ نے بہت سمجھداری کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ اب میرا فرض بن گیا ہے کہ سارے زمانے کی خوشیاں آپ پر لٹا دوں، آپ کی ساری خواہشیں پوری کر دوں۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامے وارفتگی سے تکتے گیا۔ ''آپ کو احساس ہے اس ایک ''اقرار'' سے آپ نے مجھے زیر کر لیا ہے۔ بے مول خرید لیا ہے۔ اپنی محبت کا اسیر بنا لیا ہے۔''

بے مول تو نہیں..... اس نے تو انمول ہر جانہ بھرا تھا۔ اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے، اس کو اسیر بنانے کے لیے۔

وہ پھر بھی سر جھکائے اس کی محبت کی برسات میں بھیگتی رہی۔

''یہ لیجیے، سائن کیجیے۔ یہ خوش خبری ہم ابھی امی کو سنائیں گے۔ جانے انہیں رات بھر نیند بھی آئے یا نہیں۔'' ثوبان نے قلم اور کاغذ اس کے سامنے رکھا۔

منعمہ نے اس بار ذرا بھی نہ سوچا اور لرزتے ہاتھوں سے قلم تھام کر دستخط کر دیئے۔

''یہ آپ خود امی جان کو دیں گی۔ آیئے، چلیے ہم ان کے کمرے میں چل رہے ہیں۔''

ثوبان نے کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کی شریکِ سفر نے اسے پہلی ساعت، پہلی ملاقات میں جیت لیا تھا۔

منعمہ کی فطری شرم و حیا مانع آ گئی۔ اس نے بڑی دقت سے ثوبان کا بڑھا ہاتھ تھاما۔ وہ بڑے احترام سے اسے زبیدہ منصور کے کمرے تک لے آیا۔

وہ انہیں اس وقت دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ منصور حسن بھی دروازے پر چلے آئے۔

''امی جان! منعمہ نے آپ کی بات کا احترام کر لیا ہے۔ یہ آپ کو اپنی محبت، اپنے

خلوص، اپنی رضا کا ثبوت دینے آئی ہیں۔''

''کیا واقعی؟'' زبیدہ منصور نے وہیں کھڑے کھڑے اسے گلے لگا لیا۔ اس کی پیشانی و گالوں پر بے اختیار بوسے لیے۔ اس قدر محبت، محبت کا یہ اظہار اسے سرشار کر گیا۔

منصور حسن نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور اندر آنے کو کہا۔ وہ اسے لیے اندر بڑھ گیا۔

''آپ کو اس وقت نہیں آنا چاہیے تھا بیٹا! یہ خبر آپ صبح بھی دے سکتے تھے۔''

''آئی ایم سوری بابا! میں نے شاید آپ کو ڈسٹرب کیا ہے مگر کیا کرتا، میں اس قدر ایکسائیٹڈ ہو گیا تھا، پھر امی کا بھی خیال تھا کہ یہ ساری رات انتظار میں گزاریں گی۔'' وہ کچھ شرمندہ ہوا۔

''نہیں بیٹا! آپ نے ہمیں نہیں، اپنی دلہن، اپنی بیوی کو ڈسٹرب کیا ہے۔''

''تمہارے بابا جان ٹھیک کہتے ہیں شنی! دلہن بننا اتنا آسان مرحلہ نہیں ہوتا۔ دن بھر ایک زاویئے پر خلافِ معمول و مرضی بیٹھنا پڑتا ہے۔ ہماری بیٹی کتنی تھک چکی ہوگی، اس کا تمہیں کیا اندازہ؟''

''رئیلی امی جان! مجھے خیال نہیں آیا مگر آپ فکر نہ کریں، اب میں ان کے آرام کا پورا خیال رکھوں گا۔'' آخری جملہ اس نے قدرے سرگوشی میں کہا۔

منعمہ کے چہرے پر گلابی رنگ بکھر گیا۔ وہ مزید سمٹ کر بیٹھ گئی۔

زبیدہ منصور کچھ دیر بعد دو جڑاؤ کنگن اس کی کلائی میں پہنا رہی تھیں جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ''تم پہلی بار یہاں آئی ہو۔ یہ تحفہ ہے ہماری طرف سے۔''

اس نے ممنونیت و تشکر سے ان کی طرف دیکھا۔ ''امی جان! یہ سب بھی تو آپ کی طرف سے دیئے گئے تحائف ہیں۔ میرے لیے آپ سب کی محبت و چاہت سے بڑھ کر کیا تحفہ ہوگا۔''

''یہ بھی ہماری محبت ہی کا اظہار ہے منعمہ بیٹی! شنی اب انہیں لے جاؤ، آرام کرو جا کر۔'' انہوں نے ایک ایک بوسہ دونوں کی پیشانیوں پر لیا۔

وہ اپنا عروسی لباس سنبھالتی صوفے پر سے اٹھی اور منصور حسن کی طرف بڑھی۔

''جیتی رہو بیٹی، خدا تمہارا دامن خوشیوں سے بھر دے۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آمین!'' زبیدہ منصور نے بلند آواز میں تائید کی۔

پھر تمام وقت وہ ثوبان کی محبتیں سنبھالتی رہی، اس کی چاہتیں محسوس کرتی رہی۔

ذہن میں اٹھنے والے تمام وسوسے اپنی موت آپ مر گئے تھے۔ ثوبان اس کے تصور سے بھی زیادہ چاہنے والا شوہر تھا۔ اسے اپنی خوش قسمتی پر یقین مکمل حاصل ہو گیا۔

صبح آئینے میں وہ اپنا آپ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کسی میک اَپ، کسی آرائش کے بغیر زیادہ حسین بلکہ حسین تر لگ رہی تھی۔ ثوبان کی محبت میں وہ اس قدر نکھر گئی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک سرشاری لیے وہ کمرے میں واپس آ گئی۔

ثوبان سر کے نیچے ہاتھوں کا تکیہ بنائے آنکھیں موندے لیٹا تھا، آہٹ پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور میکانکی انداز میں سیدھا ہو بیٹھا۔ اس پر عجیب سی کیفیت وارد ہو گئی۔ وہ ایک طلسم میں جکڑا گیا تھا۔

منعمہ رات سے کس قدر مختلف لگ رہی تھی۔ اس کے اردگرد روشنی پھیل گئی تھی۔ ایک نور کا ہالہ تھا جو اس کے وجود کو حصار میں لیے ہوئے تھا۔ حسن اور وفا ایک تصویر میں مقید تھے۔

''منعمہ یہ آپ ہیں، آپ؟'' وہ اسے دیکھتا رہا۔

منعمہ جھینپ کر فوراً بیڈ کے سرے پر ٹک گئی۔

''بخدا میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔ آپ تو چاند سے زیادہ اجلی، کرن سے زیادہ نرم، پھولوں سے زیادہ نازک اور میرے تصور سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ بیوٹیشن نے تو آپ کے حسن کو مصنوعی پردوں میں لپیٹ دیا تھا، آپ تو.....''

''ارے، آپ تو شاعری کرنے لگے ہیں۔ میں کیا ہوں، یہ تو آپ کا حسنِ نظر ہے اور آپ کی محبت کا کمال ہے۔''

''یہ شاعری نہیں، حقیقت ہے۔ میرے محسوسات ہیں اور آپ خالصتاً اپنے کمال کو میرے کمال سے تعبیر کر رہی ہیں۔'' ثوبان نے اس کے اُڑتے پھسلتے دوپٹے کا کونا تھاما۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

منعمہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

ثوبان دروازہ کھولنے بڑھ گیا۔

رابعہ آج خود اس کے لیے چائے لائی تھی۔

''آپی، آپ نے زحمت کیوں کی، سکینہ لے آتی۔''

''میرے بھائی! میں تمہارے لیے نہیں، اپنی بھابی کے لیے آئی ہوں۔'' اس نے اٹھ کر آپی کو سلام کیا۔

''جیتی رہو، خدا خوشیاں نصیب کرے، کیسا لگا میرا بھائی؟ پہلے تو بہت نخرے دکھا رہا تھا۔ اب دیکھو باچھیں کھلی جا رہی ہیں، ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار لگ رہا ہے ناں۔'' انہوں نے بھائی کو چھیڑا۔

''پلیز آپی!'' ثوبان نے مزید کچھ کہنے سے روکا۔

''آپی! آپ بیٹھیں۔'' منعمہ نے احترام سے ان کا ہاتھ تھام کر بٹھایا تو وہ خوش ہو گئیں۔

''بیٹھتی ہوں پہلے چائے بنا لوں، ٹھنڈی ہو جائے گی۔'' تینوں نے اکٹھے چائے پی۔

ثوبان چائے پی کر نیم دراز ہو گیا تھا اسی لیے رابعہ آپی نے استفسار کیا۔ ''ثنی! لگتا ہے تم پھر سونے کے موڈ میں ہو؟''

''جی ہاں! موڈ تو ہو رہا ہے، کیوں؟ آپ لوگوں کی مزید کوئی فضول رسم رہ گئی ہے؟''

''جنہیں تم فضول رسمیں کہتے ہو، انہی سے ہماری پہچان ہے۔ خیر، اب تمہارا کسی رسم میں کوئی خاص کردار تو نہیں البتہ بہت سے مہمانوں کو منعمہ سے ملنا ہے مگر ناشتے کے بعد، امی نے پوچھا ہے ناشتہ کمرے میں کرو گے یا ڈائننگ روم میں؟''

''منعمہ آپ بتائیں؟'' ثوبان نے فوراً اس کی رائے لی۔

''جیسے آپ مناسب سمجھیں۔''

''یہ تم دونوں کی آپ، آپ سے کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا، میرا خیال ہے میں ناشتہ کمرے میں ہی بھجوا دوں گی اور منعمہ، تم دس بجے تک تیار رہنا۔ ہماری بیوٹیشن آئے گی۔ اس کے بعد میں تمہیں گیارہ بجے ہال میں لے جاؤں گی۔ کل رات والے مرحلے سے پھر گزرنا ہو گا۔ تمہاری تھکن کے لیے پیشگی معذرت۔'' پھر وہ ثوبان سے مخاطب ہوئی۔ ''ثنی! ساڑھے نو بجے تک ناشتہ بھجوا دوں گی، تب تک تم سونا چاہو تو سو سکتے ہو بلکہ منعمہ تم بھی ایک نیند لے لو، ابھی تو سات بجے ہیں، دو اڑھائی گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔'' رابعہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

منعمہ دروازے تک ساتھ گئی۔

''یہ میک اَپ کی بھی روایت ہی پڑ گئی ہے ورنہ تم تو ایسے ہی ماشاء اللہ غضب ڈھا رہی ہو۔'' رابعہ آپی نے پہلے اس کی ٹھوڑی چھوئی پھر اپنی محبت اس کی پیشانی پر منتقل کر دی۔

''ہاں، یاد آیا تمہارے گھر سے فون آیا تھا۔ تمہاری بہنیں، کزنز وغیرہ آ رہی ہیں دوپہر میں، تمہیں بھی یقیناً اپنے گھر والے یاد آ رہے ہوں گے۔''

''آپ سب کی محبت نے مجھے یاد کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔''

''ہماری یاشنی کی؟'' رابعہ آپی نے شرارت سے پوچھا تو وہ جھینپ کر پیچھے ہٹ گئی۔

منعمہ دروازہ بند کر کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ رابعہ آپی سے مل کر اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ کتنا بڑا دکھ، کتنی بڑی محرومی اپنے اندر دفن کیے بیٹھی ہیں۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟''

''جی!'' وہ چونکی۔ ''میں سوچ رہی تھی آپی، امی جان، بابا جان سب کتنے اچھے ہیں۔ میں ڈرتی تھی، سوچتی تھی کہ آپ سب میں مِس فٹ رہوں گی مگر مجھے تو ذرا بھی غیریت کا احساس نہیں ہوا۔''

''اچھا! آپی، امی جان، بابا جان سب اچھے ہیں اور میں اچھا نہیں ہوں۔''

منعمہ اس کی شرارت نہ سمجھی اس لیے فوراً گھبرا کر بولی۔ ''آپ ہی کی وجہ سے تو سب اچھے ہیں، آپ سب سے اچھے ہیں۔''

ثنی اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو کر ہنس پڑا۔

''اب باتیں ختم، سونے کے بارے میں کیا خیال ہے..... مجھے تو سخت نیند آ رہی ہے۔ آپ اس وقت اپنے انوکھے روپ سے ڈسٹرب نہ کرتیں تو میں یقیناً سو رہا ہوتا۔ اپنے بارے میں آپ سوچیں کیا کریں گی، سوئیں گی یا مجھے جگائیں گی۔'' ثوبان کی سرگوشی اسے چھیڑ کر گزر گئی۔

نیند تو اسے خیر کیا آتی، بس یونہی آرام کرتی رہی۔ اس کے بعد تو واقعی اسے ڈھنگ سے سانس لینے کا موقع بھی نہ ملا۔ اسے دیکھنے اور ملنے والے مہمانوں کا تانتا بندھا تھا۔ ہال کمرے میں وہ مہمانوں کے درمیان بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ ثوبان ایک دو بار آیا بھی تو بس دور سے دیکھ کر پلٹ گیا۔

اس کی کزنز، بہنیں، سہیلیاں بھی وہیں آ کر اس سے ملیں۔

ہلکے گلابی رنگ کے شلوار سوٹ پر ڈھیروں ڈھیر کام بنا ہوا تھا۔ یہ رنگ اس پر بہت کھل رہا تھا۔

سب کو اس کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ دل میں رہے سہے خدشات بھی مٹ گئے۔ ان کے سامنے ہی ساس دو تین بار آ کر صدقہ اتار گئیں۔ نند، جٹھانی آگے پیچھے بار بار اس کی ضروریات دریافت کرنے آتیں اور وہ سر کی ہلکی سی جنبش سے انکار کر ڈالتی۔

شام کو ولیمے کی تقریب کے لیے اسے نئے سرے سے تیار ہونا پڑا۔ وہ کوفت میں مبتلا ہو گئی۔ تھکن سے برا حال تھا مگر مجبوری..... انکار مشکل تھا۔ دوسری بار تیاری کے مرحلے میں وہ

ثوبان سے مل پائی۔ وہ بھی بیوٹیشن شاہین کے سامنے۔

''میں بہت تھک گئی ہوں۔'' اس نے شکایت کی۔

''صرف آج، اس کے بعد آپ خود مختار ہوں گی۔ امی جان اپنی بہوؤں کو سجا سنورا دیکھنے کی آرزومند ہیں۔'' اس کی معصوم شکایت پر ثوبان نے اسے کندھوں سے تھام کر تسلی دی۔

تبھی شاہین نے گلا کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے ثنی بھائی!''

وہ اس کی شرارت سمجھ کر ہنس دیا۔ ''دیکھئے شاہین! میری مسز کو زیادہ تنگ مت کیجیے گا۔ یہ کافی تھک چکی ہیں اور میں انہیں فریش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں۔ آپ کی مسز بہت خوبصورت ہیں۔ مجھے تو بس اپنا نام کرنے کے لیے دو چار ٹچ ہی دینے ہیں۔ ویسے ان کی فریش منٹ تو آپ کی موجودگی میں چھپی ہے۔ آپ بس قریب قریب رہیے گا۔''

شاہین کی تعریف پر منعمہ جھینپ کر بیٹھ گئی۔

پھر تو جس نے دیکھا، حیران رہ گیا۔ اس کے حسن، اس کی مسکراہٹ کا چرچا ہر ایک کی زبان پر تھا۔

اس کے گھر والے بھی اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے۔ جتنے وسوسے، وہم و گمان تھے، سب ختم ہو گئے۔ اپنی بیٹی کے مطمئن روپ کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ پیدا ہی اس محل میں آنے کے لیے ہوئی تھی۔

☆=======☆=======☆

کچھ عرصے بعد ہی سب کی امیدیں بر آئیں۔ ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل ہونے والی تھی۔ منصور پیلس کے تمام افراد نے اسے ہتھیلی کا پھولا بنا کر رکھ لیا۔

ایک آس، ایک امید لیے ہر دن ہر رات یونہی گزرتا جا رہا تھا۔ وہ سب کی محبتیں پا کر کھلتی جا رہی تھی۔ ثوبان کی توجہ اور محبت سب پر بھاری تھی۔ وہ حیران ہوتی، سجدہ شکر ادا کرتی کہ اس کا شوہر اس کا کتنا خیال رکھتا ہے، اتنا پیار کرتا ہے۔

بابا جان، امی جان قدم قدم پر اپنی چاہتوں کے پھول نچھاور کرتے۔

رابعہ صبح شام اپنی مصروفیات چھوڑ کر دوڑی آتیں۔

رباب بھی کسی سے پیچھے نہ تھی۔ اس کے کھانے پینے، سونے جاگنے کا خاص خیال

رکھتی۔ امی جان اپنے تجربات کی روشنی میں اسے ہدایات دیتی رہتیں اور سب سے بڑھ کر ثوبان کو ڈاکٹر کی تمام ہدایات ازبر تھیں۔

رات کو کھانے کے بعد اپنی ہر مصروفیت بھلا کر اسے لے کر لان میں نکل جانا۔ چہل قدمی کرتے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے کو دن بھر کی روداد سناتے۔ ان کے درمیان بچے سے متعلق گفتگو آپی کے حوالے سے ہوتی۔ مہینے میں ایک دو بار ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا بھی ثوبان کی ڈیوٹی تھی۔ کبھی جو اسے چپ اداس دیکھ لیتا تو فوراً اس کے گھر والوں سے ملانے لے جاتا۔

اس روز موسم معمول سے زیادہ سرد تھا مگر اس کی طبیعت میں عجیب سی گھبراہٹ، بے چینی و اضطراب تھا۔ زبیدہ منصور کو تشویش ہوگئی۔ ابھی کل ہی تو ڈاکٹر نے کہا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے لیکن اب اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ لاکھ بہلانے کے باوجود مضطرب تھی۔

اس کی بگڑتی حالت کے پیشِ نظر ثوبان نے فوراً ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ ڈاکٹر شمسہ راحیل نے جلد از جلد ہسپتال پہنچنے کی ہدایت کی۔ ثوبان نے اس کی بگڑتی حالت سے پریشان ہو کر کافی تیز رفتاری سے گاڑی چلائی۔ امی اسے سینے سے لگائے آیاتِ قرآنی پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتی رہیں۔

ڈاکٹر بھی اس کو دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹک گئی۔ ''کل تک تو یہ بالکل ٹھیک تھیں۔ آج اچانک یہ حالت..... کوئی غیر معمولی بات، کوئی واقعہ، حادثہ وغیرہ؟''

جواب میں ثنی نے نفی میں گردن ہلائی۔ پھر گویا ہوا۔ ''نہیں، کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے تو یہ میرے ساتھ لان میں ٹہلتی رہی ہیں، البتہ کچھ سُست تھیں۔ طبیعت کی خرابی کا تو بتایا ہی نہیں۔ آپ تو جانتی ہیں کہ سبھی انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ یہ خود تعاون کرتی ہیں۔ کیا کوئی کامپلی کیشن ہے؟'' ثوبان نے پریشانی سے پوچھا۔

''یس! کیس کامپلی کیٹڈ ہوگیا ہے۔ شاید آپریشن کرنا پڑے۔'' ڈاکٹر نے فکرمندی سے کہا۔ ''ایسی حالت میں ماں یا بچے، دونوں میں سے ایک کی جان کو خطرہ ہوتا ہے۔''

ثوبان کسی ایک کا نقصان بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ماں کی حوصلہ افزا نظروں پر اس نے پیپر سائن کر دیئے۔

''آل دی بیسٹ، دعا کریں۔'' ڈاکٹر اسے تسلی دے کر چلی گئی۔

امی کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ ان کا رواں رواں خدا کے حضور سجدہ ریز ہوگیا۔ آنکھیں بہ صورت دعا برسنے لگیں۔

''اے میرے پروردگار! تُو کریم و مہربان ہے ہماری کسی غلطی، کوتاہی یا گناہ کی سزا ان بچوں کو نہ دینا۔ میرے بیٹے کا گھر سلامت رکھنا۔ برسوں بعد میری بیٹی کی ویران زندگی میں بہار کی آمد ہونی ہے، اسے یہ خوشی دے دے۔ تیری رضا و خوشنودی کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ اے مالک دو جہاں! تُو اپنی اتنی بڑی ملکیت سے میرے خالی دامن میں چند سکے ڈال دے تو میں، میرے بچے مالا مال ہو جائیں۔ اے رحیم و کریم! ہمیں اپنی رحمتوں سے نواز اور ہماری خطاؤں کو درگزر کر دے۔ بے شک تُو بڑا معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔''

وہ بے آواز رونے لگیں۔ ثوبان ماں کی گریہ وزاری دیکھ کر اپنی پریشانی بھول کر ان کی دلجوئی میں لگ گیا۔ ''پلیز امی جان! آپ نے حوصلہ ہار دیا تو میں کیا کروں گا۔ میں آپی اور بھابی جان کو بلاتا ہوں۔ آپ صبر کریں۔ اللہ سے دعا کریں۔''

انہوں نے ایک نظر بیٹے پر ڈالی۔ اس کی صورت دیکھ کر ڈھیروں پیار آ گیا۔ بڑھ کر اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ ''ثنی بچے! مرد ہو کر تم سے حوصلہ نہیں ہو رہا، مجھے سمجھا رہے ہو، خدا سے خیر کی بھیک ہی تو مانگ رہی ہوں، مجھے اس کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ وہ بڑا رحیم ہے، کریم ہے۔ ان شاء اللہ ہماری دعائیں بازیاب ہوں گی۔'' انہوں نے بیٹے کے ساتھ خود کو بھی تسلی دی۔

اس سے پہلے کہ وہ گھر سے کسی کو بلواتا، سب خود آ گئے۔ منصور حسن کسی پارٹی میں مدعو تھے، گھر واپس آئے تو تینوں کو غیر موجود پا کر پریشان ہو گئے، اطلاع ملتے ہی آ گئے۔ ساتھ میں بصر شعور اور رابعہ آپی، ارباب بھی تھیں۔ اب سب ہی اس کے لیے دعا گو تھے۔

آخر ایک مشکل اور طویل آپریشن کے بعد منعمہ نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ ڈاکٹر نے بھی ایک اطمینان بھرا سانس لیا ورنہ ایک مقام پر تو وہ منعمہ کی زندگی سے مایوس ہونے لگی تھی۔

''مبارک ہو ثوبان صاحب! آپ ایک پیارے سے بیٹے کے باپ بن گئے ہیں۔''

''منعمہ کیسی ہیں ڈاکٹر؟'' اس کی بے چینی دیدنی تھی۔

''ارے! باپ بن کر بھی بیوی کی فکر ہے۔'' وہ ہنس پڑی۔ ''شی اِز رائٹ، یو آر ویری لکی، تمہاری دعائیں رائیگاں نہیں گئیں۔'' ڈاکٹر باقی سب کو مبارک باد دینے لگی۔ سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سب کی آنکھوں میں تشکر تھا۔

ثوبان خود کو سنبھالتا ہوا رابعہ اور بصر کی طرف بڑھا۔ ''مبارک ہو آپی، خدا نے آپ کو بیٹا دیا ہے۔''

''کیا؟'' رابعہ اور بصر حیران رہ گئے۔ انہیں اس معاملے سے بے خبر رکھا گیا تھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ نے یہ نعمت تمہیں دی ہے اور تم....."

ثوبان نے ہاتھ کے اشارے سے بصر کو خاموش کر دایا۔ "ہم بہت پہلے ہی اپنے اس بچے کو آپ دونوں کے نام کر چکے ہیں۔"

"امی جان! یہ ثنی کیا کہہ رہا ہے؟" ماں کو دیکھتے ہی رابعہ نے زبان کھولی۔ اسے یقین جو نہیں آ رہا تھا۔ ویسے بھی شہوار والے واقعے کے بعد اس نے اس بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو منعمہ سے محبت کی بنا پر اس کا دھیان رکھتی رہی تھی۔ اس بات کا تو اسے اندازہ ہی نہ تھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم نے اس ننھے مہمان کو نہیں دیکھا۔ وہ جیسا بھی ہوگا، تمہیں قبول کرنا ہوگا۔"

"امی.....! میری جان فدا اس ننھے مہمان پر مگر..... آپ سوچیں کہ منعمہ..... کتنی تکلیف اٹھا کر اس نے اسے جنم دیا ہے اور آپ اس کی مرضی کے بغیر یہ فیصلہ کر رہے ہیں؟ اتنی بڑی بات، اتنا بڑا فیصلہ، پلیز امی جان! ایسا نہ کریں۔" شہوار کا ردِ عمل اس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔

"بیٹی! یہ فیصلہ اسی کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ ثنی نے بتایا تو ہے۔"

"آپی! یہ ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے۔ منعمہ نے تو خود تحریری طور پر آپ کو یہ حق دیا ہے۔ اب آپ ہی اس کی ماں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اسے دیکھنے کا پہلا حق بھی آپ ہی کا ہے، چلیں آئیں۔"

ثوبان کے چہرے پر اپنی اولاد کو کھو دینے کا ذرا بھی ملال نہ تھا۔ وہ محبت و ایثار کی لو سے آنکھیں روشن کیے رابعہ آپی کو اپنے حصار میں لیے آگے بڑھا۔ سب نے اس کی تقلید کی۔

بے بی کیئر روم میں ایک صحت مند، نارمل، پیارا، معصوم فرشتہ سا بچہ نرس کی بانہوں سے رابعہ آپی کی آغوش میں آ سمایا۔

رابعہ نے پہلے بھائی کو تشکر بھری نظروں سے دیکھا جن میں نمی بھی تھی۔ پھر پھولوں جیسے نازک و نرم بچے پر جھک گئی۔

سب نے باری باری اس ننھے فرشتے کو اپنی اپنی محبت کا احساس بخشا۔ آخر میں ثوبان نے اسے سینے سے لگایا تو ایک ٹھنڈک سی اس کے وجود میں اتر گئی۔

ایک انوکھا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔

ایک میٹھی سی چبھن دل میں بس گئی، جیسے دل کو کسی نے مٹھی میں بند کر کے چھوڑ دیا ہو۔

"اے میرے پروردگار! تو کریم و مہربان ہے ہماری کسی غلطی، کوتاہی یا گناہ کی سزا ان بچوں کو نہ دینا۔ میرے بیٹے کا گھر سلامت رکھنا۔ برسوں بعد میری بیٹی کی ویران زندگی میں بہار کی آمد ہونی ہے، اسے یہ خوشی دے دے۔ تیری رضا و خوشنودی کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ اے مالک دو جہاں! تو اپنی اتنی بڑی ملکیت سے میرے خالی دامن میں چند سکے ڈال دے تو میں، میرے بچے مالا مال ہو جائیں۔ اے رحیم و کریم! ہمیں اپنی رحمتوں سے نواز اور ہماری خطاؤں کو درگزر کر دے۔ بے شک تو بڑا معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔"

وہ بے آواز رونے لگیں۔ ثوبان ماں کی گریہ وزاری دیکھ کر اپنی پریشانی بھول کر ان کی دلجوئی میں لگ گیا۔ "پلیز امی جان! آپ نے حوصلہ ہار دیا تو میں کیا کروں گا۔ میں آپی اور بھابی جان کو بلاتا ہوں۔ آپ صبر کریں۔ اللہ سے دعا کریں۔"

انہوں نے ایک نظر بیٹے پر ڈالی۔ اس کی صورت دیکھ کر ڈھیروں پیار آ گیا۔ بڑھ کر اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ "ثنی بچے! مرد ہو کر تم سے حوصلہ نہیں ہو رہا، مجھے سمجھا رہے ہو، خدا سے خیر کی بھیک ہی تو مانگ رہی ہوں، مجھے اس کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ وہ بڑا رحیم ہے، کریم ہے۔ ان شاء اللہ ہماری دعائیں بازیاب ہوں گی۔" انہوں نے بیٹے کے ساتھ خود کو بھی تسلی دی۔

اس سے پہلے کہ وہ گھر سے کسی کو بلواتا، سب خود آ گئے۔ منصور حسن کسی پارٹی میں مدعو تھے، گھر واپس آئے تو تینوں کو غیر موجود پا کر پریشان ہو گئے، اطلاع ملتے ہی آ گئے۔ ساتھ میں بصر شعور اور رابعہ آپی، ارباب بھی تھیں۔ اب سب ہی اس کے لیے دعا گو تھے۔

آخر ایک مشکل اور طویل آپریشن کے بعد منعمہ نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ ڈاکٹر نے بھی ایک اطمینان بھرا سانس لیا ورنہ ایک مقام پر تو وہ منعمہ کی زندگی سے مایوس ہونے لگی تھی۔

"مبارک ہو ثوبان صاحب! آپ ایک پیارے سے بیٹے کے باپ بن گئے ہیں۔"

"منعمہ کیسی ہیں ڈاکٹر؟" اس کی بے چینی دیدنی تھی۔

"ارے! باپ بن کر بھی بیوی کی فکر ہے۔" وہ ہنس پڑی۔ "شی اِز رائٹ، یو آر ویری لکی، تمہاری دعائیں رائیگاں نہیں گئیں۔" ڈاکٹر باقی سب کو مبارک باد دینے لگی۔ سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سب کی آنکھوں میں تشکر تھا۔

ثوبان خود کو سنبھالتا ہوا رابعہ اور بصر کی طرف بڑھا۔ "مبارک ہو آپی، خدا نے آپ کو بیٹا دیا ہے۔"

"کیا؟" رابعہ اور بصر حیران رہ گئے۔ انہیں اس معاملے سے بے خبر رکھا گیا تھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ نے یہ نعمت تمہیں دی ہے اور تم....."

ثوبان نے ہاتھ کے اشارے سے بصر کو خاموش کروایا۔ "ہم بہت پہلے ہی اپنے اس بچے کو آپ دونوں کے نام کر چکے ہیں۔"

"امی جان! یہ ثنی کیا کہہ رہا ہے؟" ماں کو دیکھتے ہی رابعہ نے زبان کھولی۔ اسے یقین جو نہیں آ رہا تھا۔ ویسے بھی شہوار والے واقعے کے بعد اس نے اس بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو منعمہ سے محبت کی بنا پر اس کا دھیان رکھتی رہی تھی۔ اس بات کا تو اسے اندازہ ہی نہ تھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم نے اس ننھے مہمان کو نہیں دیکھا۔ وہ جیسا بھی ہوگا، تمہیں قبول کرنا ہوگا۔"

"امی.....! میری جان فدا اس ننھے مہمان پر مگر..... آپ سوچیں کہ منعمہ..... کتنی تکلیف اٹھا کر اس نے اسے جنم دیا ہے اور آپ اس کی مرضی کے بغیر یہ فیصلہ کر رہے ہیں؟ اتنی بڑی بات، اتنا بڑا فیصلہ، پلیز امی جان! ایسا نہ کریں۔" شہوار کا ردِعمل اس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔

"بیٹی! یہ فیصلہ اسی کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ ثنی نے بتایا تو ہے۔"

"آپی! یہ ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے۔ منعمہ نے تو خود تحریری طور پر آپ کو یہ حق دیا ہے۔ اب آپ ہی اس کی ماں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اسے دیکھنے کا پہلا حق بھی آپ ہی کا ہے، چلیں آئیں۔"

ثوبان کے چہرے پر اپنی اولاد کو کھو دینے کا ذرا بھی ملال نہ تھا۔ وہ محبت و ایثار کی لو سے آنکھیں روشن کیے رابعہ آپی کو اپنے حصار میں لیے آگے بڑھا۔ سب نے اس کی تقلید کی۔

بے بی کیئر روم میں ایک صحت مند، نارمل، پیارا، معصوم فرشتہ سا بچہ نرس کی بانہوں سے رابعہ آپی کی آغوش میں آ سمایا۔

رابعہ نے پہلے بھائی کو تشکر بھری نظروں سے دیکھا جن میں نمی بھی تھی۔ پھر پھولوں جیسے نازک و نرم بچے پر جھک گئی۔

سب نے باری باری اس ننھے فرشتے کو اپنی اپنی محبت کا احساس بخشا۔ آخر میں ثوبان نے اسے سینے سے لگایا تو ایک ٹھنڈک سی اس کے وجود میں اُتر گئی۔

ایک انوکھا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔

ایک میٹھی سی چبھن دل میں بس گئی، جیسے دل کو کسی نے مٹھی میں بند کر کے چھوڑ دیا ہو۔

درد کی لہر سے گھبرا کر اس نے بچہ فوراً امی جان کو تھمایا۔

میرا یہ حال ہے تو منعمہ کی کیا حالت ہوگی؟ سوچ کی لہر اسے جھنجنا گئی۔

اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گیا۔ پھر سیدھا ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچا۔ "منعمہ کیسی ہیں، میں ان سے مل سکتا ہوں؟"

ڈاکٹر نے اسے رشک و توصیف سے دیکھا۔ "بالکل ٹھیک ہیں۔ انہیں روم میں شفٹ کر دیا ہے۔ آپ ملنا چاہتے ہیں تو مل سکتے ہیں۔ آیئے میرے ساتھ۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر ثنی کو ساتھ لیے کمرے میں آ گئی جہاں منعمہ بیڈ پر بے خبر پڑی تھی۔ ثوبان اس کے بے حد کمزور اور زرد وجود کو دیکھ کر متفکر ہوا۔ گلوکوز قطرہ قطرہ اس کے جسم میں پہنچ رہا تھا۔

"شی از ریئلی آل رائٹ؟" اس نے بے اختیاری میں ایک بار پھر تشویش ظاہر کی۔

"یس! بالکل ٹھیک ہیں۔ فکر والی کوئی بات نہیں ہے۔ بس اب انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ کچھ دن میں یہ پہلے والی حالت میں آ جائیں گی۔ آئی مین، صحت کے معاملے میں۔ آپریشن کی وجہ سے بہت احتیاط کرنا ہوگی۔"

"آپ کو کبھی شکایت نہیں ہوگی۔"

"یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ یہ بتائیں بیٹے کو دیکھا؟"

"جی!" ایک ملائم، غیر محسوس مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی۔

"میں نے اپنی زندگی میں بہت کم ایسے کیس ڈیل کیے ہیں۔ آپ کی مسز بہت بریو ہیں۔ میں نے آپریشن کا بتایا تو ذرا نہیں گھبرائیں۔ عجیب سی چمک اور لگن میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھی تھی۔ کوئی بھی ماں اپنے بچے کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے گریز نہیں کرتی مگر منعمہ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ بچے کو بچنا چاہیے، چاہے اس کی جان چلی جائے۔ آپ بہت لکی ہیں ثوبان! شی از ویری نائس وومن، بس اب ان کا بہت خیال رکھیے گا۔" شمسہ راحیل نے اس کے بکھرے احساس کو قدرے سکون بخشا۔

رابعہ آپی اور بصر کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ برسوں پرانی مراد اب بر آئی تھی۔ رابعہ آپی کو بچے کے پاس چھوڑ کر بھی لوٹ آئے۔

گھر آتے ہی ثنی نے ماں سے کہا۔ "امی جان! منعمہ کے گھر اطلاع کر دیں۔"

"اطلاع تو بھجوانی ہے مگر آدھی رات کو وہ لوگ پریشان ہوں گے۔ ان شاء اللہ صبح کسی

کو روانہ کروں گی۔"

"امی جان! منعمہ کتنے عرصے میں ٹھیک ہوں گی؟" وہ ایک بار پھر اپنا بے قرار دل نہ سنبھال سکا۔

ماں نے بغور بیٹے کو دیکھا۔ منعمہ سے اس قدر محبت کا اندازہ انہیں آج ہوا۔ اس کی محبت تو ان سب کے دلوں میں مزید بڑھ گئی۔ اتنی بڑی قربانی جو اس نے دی تھی۔

"بفضلِ خدا بہت جلد، ثنی، میری جان! تم دونوں نے ماں کے جلتے کلیجے کو ٹھنڈک بخش دی ہے۔ ایک سوال اور کروں گی، ایک اور احسان اپنی ماں پر کر دو۔"

"آپ حکم صادر کریں امی!" وہ ہمہ تن گوش ہو گیا جبکہ زبیدہ منصور کشمکش کا شکار ہو گئیں۔ وہ سوچنے لگی تھیں کہ وہ ہمیشہ اسے امتحان میں ڈال دیتی ہیں۔ اس کی سعادت مندی پر انہیں فخر تھا۔

"میں منتظر ہوں امی جان!"

"ثنی..... میرے بیٹے! تم سوچو گے کہ ماں کتنی خود غرض ہے کہ ایک اولاد کی خوشی کے لیے دوسری اولاد کو خوشیوں سے محروم کر رہی ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں امی! یہ سب ہماری بھی خوشی ہے۔ آپ یہ بھول جایئے کہ اس بچے سے ہمارا کچھ تعلق ہے۔ وہ اب آپی کا بچہ ہے۔ آپ پلیز آئندہ اس طرح ذکر نہ کیجیے گا۔" اس نے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔

"ثنی! منعمہ نے لاکھ اپنی رضا و خوشی سے بچے کو رابعہ کے نام کر دیا ہے مگر ماں کا دل بڑا عجیب ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ منعمہ اپنی مامتا سے مجبور ہو کر بچے پر اپنا حق نہ جتانا شروع کر دے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ منعمہ نے ہمیشہ اپنے بچے کو آپی کے حوالے سے یاد کیا ہے۔"

"مجھے علم ہے بیٹا، مگر تب میں اور اب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ منعمہ نے بڑی تکلیف سہہ کر بچے کو جنم دیا ہے۔ اس صورت میں اس کے جذبات مچلنا فطری امر ہو گا اور تم نے دیکھا ہے رابعہ کی خوشی۔ بصر کو عرصے بعد میں نے ہنستے مسکراتے دیکھا ہے۔ اگر ان حالات میں منعمہ نے کچھ کر دیا تو رابعہ شاید یہ صدمہ نہ سہار سکے۔" وہ دل میں آئی باتیں بیان کر رہی تھیں۔

"امی جان! یہ آپ کا وہم ہے۔ منعمہ ایسا ہرگز نہیں کریں گی۔ شادی سے اب تک اس عہد کو انہوں نے دن میں سینکڑوں بار دہرایا ہے۔ پھر اب وہ اپنے عہد سے کیسے مکر سکتی ہیں،

آپ کے پاس تو تحریری ثبوت ہے۔" وہ ماں کے خیال سے متفق نہیں تھا۔

"میں کب کہتی ہوں کہ وہ ایسا کر سکتی ہے مگر ماں کے دل کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ رابعہ کے گھر اور ہمارے گھر میں حد ہی کیا ہے۔ دن رات آمنا سامنا رہے گا۔ یہ جذبہ خود سے اس کے دل میں پیدا نہیں ہوا تھا، ہم نے اس کے دل میں جگایا ہے ثنی! تم نہیں جانتے ایک ماں کے جذبات کبھی بھی رخ بدل سکتے ہیں۔ آتے جاتے بچے کو دیکھ کر وہ خود کو کیسے سنبھال پائے گی اور پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ رابعہ اس کی موجودگی میں خود کو کمتر یا زیر بار سمجھے؟ وہ بچے پر اپنی بھرپور توجہ و محبت نہ لٹا سکے؟"

ماں کی مبہم گفتگو سے اس کا بے قرار دل مزید مچل اٹھا۔ وہ عجیب واہمے بیان کر رہی تھیں جن کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ وہ گومگو کی حالت میں پوچھ بیٹھا۔ "آ..... پ کیا چاہتی ہیں، مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

"ثنی، بچے یہ نہ سمجھنا کہ ماں کی محبت تمہاری طرف سے کم ہے۔ بیٹا! حالات کا تقاضا یہی ہے۔ منعمہ جب تک دوبارہ ماں نہیں بن جاتی، میں سمجھتی ہوں اس کا سامنا رابعہ اور بچے سے نہ ہو تو بہتر ہے۔ اس طرح دونوں میں اپنے اپنے طور پر حالات سے سمجھوتا کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے گا۔"

وہ حیرت کا مجسمہ بنا، منہ اٹھائے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں سنجیدگی کا نرم گرم سا احساس تھا۔ پیشانی پر الجھنوں کی غماز سبز رگیں ابھر آئی تھیں۔

"آپ کا مطلب ہے کہ منعمہ جب تک دوبارہ ماں نہیں بن جاتیں، یہاں نہیں آ سکتیں؟"

"یہی بہتر ہے میری جان، کچھ عرصہ کی تو بات ہے۔" انہوں نے بیٹے کا کندھا تھپتھپایا۔

"تو پھر وہ کہاں جائیں گی؟" وہ الجھ گیا تھا۔ ماں کی مصلحت اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

"فی الحال تو وہ ہاسپٹل سے فارغ ہو کر یہیں آئے گی۔ اس کے بعد تم دونوں اسلام آباد والے گھر میں شفٹ ہو جاؤ۔ میں منصور سے بات کروں گی۔ وہاں کے آفس کا چارج وہ تمہیں سونپ دیں گے۔"

وہ تو سارا پلان کیے ہوئے تھیں مگر وہ سٹپٹا رہا تھا۔

"امی جان! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ سب کو چھوڑ کر کہیں اور جا کر رہوں اور پھر منعمہ کیا سوچیں گی، اتنی بڑی قربانی کے بعد انہی سے خطرہ ہے؟ آپ پلیز

یہ وہم دل سے نکال دیں۔ منعمہ کی گارنٹی میں دیتا ہوں۔ آپ کبھی ان کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں سنیں گی۔ اپنی تسلی کے لیے آپ جیسے چاہیں، ان کے گھر والوں کو اطلاع کر کے مطمئن کر سکتی ہیں مگر آپ ہمیں خود سے جدا کرنے کے بارے میں نہ سوچیں۔''

''ثوبان! بیٹے ماں کی التجا نہیں مان سکتے؟ میں خود کب دونوں کو جدا کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں لیکن رابعہ کو بھی ادھوری خوشی نہیں دینا چاہتی۔ اسے ہر خوف سے آزاد ماں کا بھرپور احساس دینا چاہتی ہوں جس کا حقدار تم دونوں نے اسے بنا دیا ہے۔ یہ آخری التجا مان لو، صرف کچھ عرصے کے لیے۔'' انہوں نے لجاجت سے کہا۔

شاید ان کا نظریہ بھی درست تھا کہ ایک گھر یا ایک جگہ رہ کر ایک احساسِ کمتری اور دوسری احساسِ برتری میں مبتلا نہ ہو جائے۔ یہی خوف انہیں اتنا بڑا قدم اٹھانے پر اکسا رہا تھا۔ وہ کسی کو بھی غیر متوازن نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ اپنے خدشات کا انہیں یہی حل نظر آیا تھا۔

ماں کے آنسو ثوبان کے دل کو تڑپا گئے۔ وہ ان کی کوئی بات رد نہیں کر سکتا تھا۔ انہی کی خاطر تو اس نے اپنا جگر گوشہ بہن کی خالی جھولی میں ڈالا تھا۔

''ٹھیک ہے امی، آپ جیسا چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا لیکن منعمہ سے اس سلسلے میں کسی قسم کی بات نہیں کہنی۔ میں ان سے خود بات کروں گا۔'' وہ ایک دم سنبھل گیا۔

امی نے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔ کئی بار اس کا ماتھا چوما۔ ''مجھے فخر ہے کہ خدا نے مجھے تم جیسا سعادت مند بیٹا عطا کیا۔ اللہ تمہاری زندگی خوشیوں سے بھر دے۔ اپنے معتبر درجات سے تمہیں نوازے۔''

وہ ماں کی دعاؤں پر سب کچھ بھلا کر ہنس دیا۔ ''تھینک یو امی! رات ختم ہونے والی ہے، آپ کچھ دیر تو آرام کر لیں، میں بھی اب سوؤں گا۔''

وہ انہیں ان کے کمرے تک چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ منعمہ کو تمام صورتِ حال سے بچانا بھی تھا اور اسے یہاں سے لے جانا بھی تھا۔ جانتا تھا کہ وہ سب کو چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور اس صورت میں تو بالکل نہیں۔ بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے پہلے دل کو سمجھایا اور پھر منعمہ کو سمجھانے کے لیے اپنے خیالات ترتیب دیئے۔ اس کوشش میں اسے صبح ہو گئی، تب کہیں جا کر روٹھی نیند اس کی آنکھوں میں پلٹ آئی۔

☆=======☆=======☆

صبح ساڑھے چھ سات بجے منعمہ نے آنکھیں کھولیں۔ ماحول غیر مانوس تھا۔ اپنا آپ

بھی عجیب لگ رہا تھا۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اپنا سر دائیں سے بائیں طرف کیا تو اس کے لیے موجود نرس فوراً کرسی سے اٹھ کر قریب آئی۔ نرس کو دیکھتے ہی اسے رات کا حال یاد آنے لگا۔ اپنی تکلیف، ڈاکٹر شمسہ راحیل کی ہدایات اور پھر اپنا حوصلہ..... مسکراہٹ کی لکیر اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

نرس نے جھک کر اس کی نبض دیکھی۔

''میرے گھر والے اور بچہ کہاں ہیں؟''

کمرے میں موجود دوسرے بیڈ پر رابعہ آپی اور ان کے قریب پڑے بے بی کاٹ میں بچہ تھا، دونوں سوئے ہوئے تھے۔ اسی دم ان کی آنکھ بھی کھل گئی۔ منعمہ کی نحیف سی آواز سن کر وہ فکر مندی سے اٹھ کر اس کی قریب آ گئیں۔

''کیسی ہو منعمہ؟'' انہوں نے اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''اچھی ہوں، بیٹا مبارک ہو آپی!'' اس کی مسکراہٹ میں خلوص کا سارا احساس تھا۔ اس کی چاہت کا آئینہ تھی وہ مسکراہٹ۔

رابعہ حیران ہوئی۔ اس کا ہاتھ تھام کر قریب بیٹھ گئی۔ ''تمہیں کیسے معلوم کہ بیٹا ہوا ہے۔''

''میں نے دعائیں جو بہت کی تھیں کہ اللہ آپ کو بیٹا دے، اس لیے۔'' وہ نقاہت کے باوجود بول رہی تھی۔

''منعمہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے میں تمہارا شکریہ ادا کر سکوں۔ تم نے میری پیاسی زندگی کو سیراب کر دیا ہے۔ خدا تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا پاؤں گی۔'' رابعہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''آپی ایسی بات نہ کریں۔ وہ اول روز سے آپ کا بیٹا ہے۔ اس میں میرا کوئی احسان نہیں، یہ اللہ کا کرم ہے۔ پلیز، آپ آئندہ ایسی بات نہ کیجیے گا۔''

''منعمہ! تم..... تم واقعی بہت عظیم ہو۔ میرے بھائی کے مقدر کا روشن ستارا، خدا تم دونوں کی خوشیوں کو قائم رکھے۔''

اس نے دل میں آمین کہا۔ پھر رابعہ کو ٹوکا۔ ''آپی! پھر وہی بات، دیکھیے اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ اچھا آپی، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کا بیٹا ایک نظر دیکھ سکتی ہوں۔''

''منعمہ!'' انہوں نے ٹوکا۔ ''تم اجازت طلب کر کے مجھے دکھ پہنچا رہی ہو۔ تم تو مجھے

حکم دو، ایک نظر کیا، جی بھر کے دیکھو۔"

رابعہ کاٹ سے ننھے منے سے معصوم پھول کو اٹھا لائی اور اس کے قریب لے کر بیٹھ گئی۔

منعمہ نے ایک ٹک اسے دیکھا۔ اندر عجیب سی کسک جاگ اٹھی۔

گلابی گلابی، روئی کے گالوں جیسا نرم چھوٹا سا کھلونا اس کے سامنے تھا

اس کی ممتا کا سمبل!

اس کی تمام تکلیفوں کا خوبصورت انعام.....

مگر یہ انعام وہ کسی اور کی جھولی میں ڈال چکی تھی اور اس کا ملال بھی نہیں تھا۔

دل اسے فوراً سینے سے لگانے کو ہمکنے لگا لیکن وہ اپنے کسی عمل سے بے قراری و بے تابی ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی۔ بس ہاتھ بڑھا کر اس کے ریشمی بالوں والے سر کو پیار سے چھوا، گالوں کو تھپتھپایا۔

اس کے ہاتھوں کا لمس پاتے ہی بچے نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

آنسو منعمہ کی آنکھوں میں آ کر ٹھہر گئے۔

رابعہ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے اس نے بچے کو تھاما، دوسرے سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

وہ ایک دم سنبھل گئی۔ "آپ کا بیٹا ماشاءاللہ بہت پیارا ہے، سنبھال کر رکھیے گا کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔" وہ دل کی بات دبا نہ سکی۔

"سب اس کو پیار کرنے والے ہیں، کس کی نظر لگے گی؟" رابعہ نے جھک کر بچے کو چوما اور پھر ہنس دیں۔

"آپی! گھر سے کوئی نہیں آیا؟"

"سب آئے تھے، کچھ گھنٹے پہلے ہی تو گئے ہیں، میں ابھی فون کرتی ہوں، تمہارا "کوئی" ابھی آ جائے گا۔"

رابعہ نے اسے چھیڑا تو وہ جھینپ کر بولی۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا آپی، پلیز آپ انہیں پریشان نہ کریں، وہ سو رہے ہوں گے۔ میں بھی کچھ بہتر محسوس نہیں کر رہی ہوں۔ جانے کیوں سر چکرا رہا ہے۔" اس نے نقاہت سے کہا۔

"آپ کو اتنا بولنا نہیں چاہیے میڈم!" نرس نے اس کے بازو میں انجکشن لگاتے ہوئے ہدایت کی۔

رابعہ اس کے قریب سے اٹھی۔ "اب تم آرام کرو، میں تمہارے قریب ہی ہوں۔ کوئی

بات ہو تو آواز دے لینا۔"

منعمہ نے خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔

بعد میں سب اس سے ملنے آئے۔ رابعہ اور بچہ سب کے ساتھ گھر چلے گئے۔ یہ اس کا اپنا اصرار بھی تھا کیونکہ اسے آٹھ دن سے پہلے گھر جانے کی اجازت نہ تھی۔

رباب اس کے پاس ٹھہر گئی حالانکہ اس کے لیے فل ٹائم ڈیوٹی نرس کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔

ثوبان بھی سب کے ساتھ آیا تھا مگر سب کی موجودگی میں صرف خیریت معلوم کر کے کچھ دیر بعد آنے کا کہہ کر لوٹ گیا تھا اور پھر واقعی ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ آ گیا۔

رباب نے شرارت سے اسے دیکھا۔ "ثنی! آج آفس نہیں گئے؟"

رباب کی آواز نے منعمہ کو متوجہ کیا۔ اس نے فوراً آنکھیں کھول کر دیکھا اور مسکرا دی۔

"گیا تھا، وہیں سے آ رہا ہوں۔" وہ نجل سا کرسی پر بیٹھ گیا۔ "کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

"بیوی تمہاری سامنے ہے، خود پوچھ لو۔" وہ مسکرائیں پھر نرس کو ساتھ لیے کمرے سے چلی گئیں۔

ثنی بے ساختہ ہنس دیا اور کرسی مزید بیڈ کے قریب کھسکائی۔ "کیسی ہیں آپ؟"

"اچھی ہوں اور آپ؟" وہ بھی مسکرائی۔

"منعمہ، تھینکس اے لاٹ! آپ نے میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کی ہے، مجھے معتبر کر دیا ہے۔ آئی ایم ریئلی تھینک فل ٹو یو، مونا آئی لو یو۔" ثنی نے اپنا اظہار تشکر اس کے ہاتھ پر منتقل کیا۔ "مونا، ایک ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں۔ رات ایمرجنسی کی وجہ سے آپ کے پیرنٹس کو نہیں بلا سکا حالانکہ یہ آپ کی والدہ کا حق ہے اور مجھے معلوم ہے کہ اس وقت آپ کو ان کی ضرورت ہے۔ میں ابھی انہیں جا کر لے آتا ہوں۔"

"امی جان کی محبت نے مجھے کسی کا احساس ہی نہیں ہونے دیا مگر اب آپ انہیں فوراً لے آیئے۔" اس نے بڑے ضبط سے جھوٹ بولا ورنہ صبح سے کئی بار اس کے دل میں اپنی ماں کا خیال آیا تھا۔ ابو کی شفقت و محبت بھرے لمس کی یاد آئی تھی۔ شادی کے بعد وہ ان سے ملنے بہت کم گئی تھی۔ وہ بھی اس سارے عرصے میں دو تین بار ہی آئے تھے۔ اپنی بیٹی کی زندگی سے مطمئن جو تھے اسے اتنی محبت اور قدر کرنے والے لوگ ملے تھے، بار بار آ کر کیا کرتے۔

"منعمہ! آپ جھوٹ بولیں گی مجھ سے، یہ اچھی بات ہے کیا؟" ثوبان نے اس کا

جھوٹ پکڑ لیا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔ ''مونا، آپ کے دکھ، آپ کی تکلیف کا مجھے اندازہ بھی ہے اور احساس بھی۔ سب کی محبت ایک طرف، ماں کی محبت سب پر حاوی ہوتی ہے۔ ان حالات میں ان کا آپ کے پاس ہونا بہت ضروری ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ماں کے علاوہ کسی ہستی سے نہیں کہی جاسکتیں اور پھر ماں تو ساری باتیں، ساری تکلیفیں خود ہی سمجھ لیتی ہے، ہے ناں۔''

وہی محبت و چاہت بھرا لہجہ اور آواز کی نرمی..... وہ پگھل گئی۔ وہ آنسو جو اپنے آپ سے بھی چھپائے پھر رہی تھی، نکل آئے۔

ثوبان خود ایسی باتیں کر کے اسے رُلانا چاہتا تھا تاکہ اس کے اندر کا بوجھ کم ہو جائے۔ اسے کافی دیر رونے دیا۔ پھر خود اس کے آنسو پونچھے۔ ''کیا میں نے غلط کہا ہے؟''

''میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔'' منعمہ کے چہرے پر ایک عزم جھلک رہا تھا۔ اس کے زرد چہرے پر اعتماد کی روشنی پھیلی تھی۔

''ایک نہیں سو باتیں کہیں۔'' ثوبان نے اس کے چہرے کو ٹشو پیپر سے اچھی طرح تھپتھپا کر آنسوؤں کے نشان مٹائے۔

''وہ..... میں چاہتی ہوں کہ ماں جی اور ابو کو صرف میرے یہاں ایڈمٹ ہونے کی اطلاع دے دیں، بچے کے متعلق کچھ نہ بتائیں۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''میں چاہتی ہوں انہیں بچے کے بارے میں علم ہی نہ ہو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، وہ آپ کے والدین ہیں، آپ کی حالت سے واقف ہیں۔ انہیں کیسے علم نہیں ہوگا؟''

''رابعہ آپی کی سچی خوشیوں کے لیے ایسا کرنا ہوگا۔''

''دیکھئے منعمہ! ایسی کوئی بندش، کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ کسی کو بھی بے خبر رکھا جائے۔ ہماری طرف تو سبھی کے علم میں یہ بات ہوگی۔''

''میں جانتی ہوں مگر یہ ضروری ہے، میرے گھر والوں کو اس بات سے بے خبر ہی رہنا چاہیے۔ ہم صرف اپنے قول و فعل کے ذمہ دار ہوتے ہیں، کل کو ہماری طرف سے کسی نے کوئی بات کہہ دی تو پھر..... میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ کوئی اپنے ایک لفظ سے میری ریاضتوں پر پانی پھیر دے۔ پلیز ثوبان آپ کو اس معاملے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

ثوبان نے محبت و عقیدت بھری نظروں سے دیکھا۔ ''میں تو ہر معاملے میں آپ کے

ساتھ ہوں مگر ذرا سوچیے تو، آپ کی یہ حالت دیکھ کر اور رابعہ آپی کی گود میں بچہ دیکھ کر وہ لوگ کیسے مطمئن ہوں گے؟ آپ سراسر حماقت کر رہی ہیں۔''

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ کہا ہے۔ اول روز ہی سے میں نے غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرے گھر والے، رابعہ آپی کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے، ان کا آپی سے سامنا بھی کم رہا ہے۔ پھر میں نے پچھلے دنوں ایک دو دفعہ ان کی طبیعت کے بارے میں گفتگو بھی کی تھی۔''

''منعمہ..... آپ، اتنی بڑی پلاننگ۔ آپ نے مجھے بتایا تک نہیں؟'' وہ بار بار حیران ہو رہا تھا، اس کی باتوں کی گہرائیوں کو دل سے محسوس کر رہا تھا۔

''میں کیا بتاتی آپ کو، انسان اس قابل کہاں ہے کہ کسی کو خوشی دے سکے۔ اگر اللہ نے ہمیں اس قابل سمجھ لیا ہے تو ہم آپی کو مکمل خوشی دیں۔ ڈری سہمی خوشیاں کسے اچھی لگتی ہیں۔''

''منعمہ! یور آر گریٹ، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس قدر گہرے خیالات رکھتی ہیں۔ تھینکس گاڈ، اللہ نے مجھے آپ کی شکل میں بہت عظیم تحفہ دیا ہے۔ آپ نے واقعی میری زندگی سنوار دی ہے۔ میں اللہ کا ساری زندگی بھی شکر گزار رہوں تو کم ہے۔'' وہ ایک بار پھر اظہارِ تشکر میں ڈوب گیا۔ ''آپ ان سے کیا کہیں گی یا پھر میں ان سے کیا کہوں؟''

''ڈلیوری وقت سے پہلے ہوئی ہے، کوئی بھی بہانہ بن جائے گا۔''

''مثلاً.....''

''یہی کہ اچانک کوئی پیچیدگی ایسی ہوگئی کہ..... میں خود ماں جی کو مطمئن کر دوں گی البتہ آپ امی جان کو ساری بات سمجھا دیجیے گا۔'' وہ بالکل مطمئن تھی۔

اس کے اطمینان پر ثوبان سوچنے لگا۔ مونا، آپ کیا ہیں۔ اپنی خوشیاں بانٹ کر بھی اتنی مطمئن ہیں؟ خدا آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔

وہ پیار بھری نظروں سے تکے گیا۔

اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر منعمہ نے پھر ایک بار اپنے عزم کا اظہار کیا۔ ''میں خود ایسا چاہتی ہوں تاکہ زندگی کے کسی موڑ پر میں خود بھی بھٹکنے کی کوشش نہ کروں۔''

''آل رائٹ، جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا اور کچھ؟'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اور سب کچھ ہے میرے پاس۔''

''مثلاً؟'' وہ ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

''آپ کی محبت، آپ کا اعتماد پانے کے بعد ''اور کچھ'' کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔

میری کل کائنات آپ کی ذات میں مضمر ہے۔"

"بڑے عرصے میں آپ مجھ پر کھلی ہیں۔ میں تو آپ کو سیدھی سادی، قدرے بدھو لڑکی سمجھتا تھا۔ آپ تو کسی ساکت جھیل کے مانند بہت گہری نکلیں۔ میں تو اوپر ہی اوپر تیرتا رہا۔ اب تو اندر اُتر کر گہرائی ناپنے کی نوبت آ گئی ہے۔ کیا خبر کل آپ پھر مجھے حیران کر دیں۔ جیسا آج آپ نے مجھے بار بار حیران کیا ہے۔"

وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتا اپنے انداز میں اسے خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا۔ وہ اس کے اس اظہار پر بہت مطمئن ہوئی۔ چہرے پر اعتماد و محبت کے رنگ جھلکنے لگے۔

ثوبان نے دوبارہ اس کا ہاتھ تھاما اور جیب سے خوبصورت سی ہیرے جڑی انگوٹھی نکال کر تیسری انگلی میں پہنا دی۔ "آپ نے جو تحفہ دیا ہے، گو کہ یہ اس کے آگے نہایت معمولی ہے مگر کیا کریں، میری دسترس کچھ اسی حد تک ہے۔" اس نے شریر نگاہوں سے دیکھا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔ "بہت سے تحائف آپ کے لیے گھر میں ہیں، اب جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں۔ میں آپ کو صحت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنی ڈائٹ کا خیال رکھیں، نخرے بالکل نہ کریں، امی جان بتا رہی تھیں آپ نے صبح ناشتہ نہیں کیا؟"

"میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے ان کا بھیجا ہوا جوس پی لیا تھا۔"

"اب دل چاہ رہا ہے؟ میں ڈرائیور کو گھر بھیجتا ہوں۔"

"نہیں ناں، ویسے بھی آپ سے باتیں کر کے بھوک پیاس ختم ہو گئی۔"

"یعنی میری باتیں نہ ہوئیں فاسٹ فوڈ ہو گئیں؟ ویسے یہ اچھی بات نہیں ہے، یہی حال رہا تو....."

اس کی بات ابھی مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ دروازے پر کھٹکا ہوا اور رباب اندر چلی آئی۔

"میں نے تو پوری کوشش کی تھی کہ کباب میں ہڈی نہ بنوں مگر یہاں تو لگتا ہے شام تک بھی راز و نیاز ختم نہ ہوں گے۔ بھائی بس اب تم اٹھو اور چلو اپنے کام پر، اس کی حالت نہیں دیکھتے، اسے زیادہ بولنا منع ہے۔"

"میں جا ہی رہا تھا بھابی جان!"

رباب کی پیار بھری ڈانٹ پر منعمہ ہنس دی۔

وہ کھڑا ہو گیا۔ "اچھا منعمہ اپنا خیال رکھیے گا، شام کو آؤں گا، اللہ حافظ!" پھر رباب کی طرف مڑا۔ "بھابی جان پلیز! آپ میری ایک بات سنیں۔" وہ اس کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی۔ "منعمہ کے گھر سے جو کوئی بھی آئے، ان سے بچے کے متعلق کوئی بات نہ ہو، وہ خود ان

سے بات کریں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر۔" رباب کے لہجے کے ساتھ آنکھوں میں بھی کئی سوال تھے جنہیں وہ بخوبی سمجھ چکا تھا۔

"منعمہ خود ایسا چاہتی ہیں، تفصیل آپ کو بعد میں معلوم ہو جائے گی۔"

"ایک بات کہوں شی، برا نہ ماننا۔"

"پہلے کبھی برا مانا ہے۔"

"یہ اپنی منعمہ کھسکی ہوئی تو نہیں ہے، آئی مین تھوڑی سی پاگل۔"

رباب کی بات پر وہ بے اختیار ہنس دیا۔ "آپ بڑی ہیں اس لیے آپ کو غلط نہیں کہہ سکتا لیکن ایک بات بتا دوں ان کے اسی "پاگل پن" نے آپ کے دیور کو لوٹ لیا ہے۔ شی از ویری سنسیئر اینڈ سوفٹ مائنڈڈ! میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کسی کو اندر باہر سے اتنا حساس دیکھا ہے۔ ویل، یہ باتیں پھر ہوں گی، میں چلتا ہوں، اللہ حافظ!"

وہ مڑا تو رباب اسے دور تک جاتا دیکھتی رہی، پھر اندر آئی۔

☆=======☆=======☆

منعمہ کے ہسپتال میں داخل ہونے کی خبر پاتے ہی اس کی ماں جی اور ابو جی دونوں پریشان ہو گئے۔ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ ڈلیوری اگلے ماہ متوقع ہے۔ یوں ایک ماہ پہلے ہی ہسپتال مین داخل ہونے والی بات پریشان کن ہی تھی۔

دونوں ہی دوڑے چلے آئے۔ اسے یوں بستر پر پڑے دیکھ کر ماں جی کے اندر کسی نے کلیجہ نوچ ڈالا۔ آبدیدہ نظروں سے اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

رباب دعا سلام کے بعد باہر چلی گئی تاکہ ماں باپ، بیٹی سے اچھی طرح بات چیت کر سکیں۔

"مجھے کیوں اطلاع نہیں دی؟" انہوں نے شکوہ کیا۔

"ماں جی، میں نے ہی منع کیا تھا۔"

"کیوں؟"

"آپ ایسے ہی پریشان ہوتیں، میں اب ٹھیک ہوں۔" ماں کے استفسار پر اس نے من گھڑت کہانی سنائی کہ وقت سے پہلے پیدائش کی وجہ سے بچے کی جان نہیں بچائی جا سکی۔ ماں جی اس کی تکلیف کے احساس پر رو پڑیں۔

"پلیز ماں جی، روئیں مت، میں اب ٹھیک ہوں۔ وہ سب بھی اس بات پر خوش اور شکر

گزار ہیں کہ میں ٹھیک ہوں۔ بچے تو پھر آ جائیں گے۔ اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو۔"

"رب نہ کرے، رب تجھے اپنی امان میں رکھے مگر پہلی اولاد تو عورت کی چاہ ہوتی ہے اور سسرال میں اس کی حیثیت کو بلند کرتی ہے۔ نہ جانے اب وہ تجھ سے کیسا سلوک کریں۔" وہ اپنے روایتی انداز میں سوچ رہی تھیں۔

ابو جی نے تنبیہی انداز میں ٹوکا۔ "بھلی لوک، تُو بیٹی کو صبر دینے آئی ہے یا اس کا صبر لُوٹنے؟ خدا کی مرضی یہی تھی، رہا ان کا سلوک تو وہ اچھے لوگ ہیں، خدا کے فیصلے سے منحرف نہیں ہو سکتے۔"

"ابو جی ٹھیک کہہ رہے ہیں ماں جی، ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا، سب فیصلے وہی کرتا ہے، ہم دخل دینے والے کون؟"

وہ خود بھی رو دی تو ماں جی نے اس کا سر سہلاتے ہوئے پیار کیا۔ "نہ نہ میری بیٹی، تُو تو بڑی صبر والی ہے، حوصلہ کر، رب پھر اپنی رحمت کرے گا۔ سوہنا رب تیرے سر کا سائیں سلامت رکھے۔"

"آمین!" ابو جی نے بلند آواز میں تائید کی۔ "بڑا نیک اور سعادت مند لڑکا ہے۔ ہماری کسی نیکی کا پھل ہے ورنہ اس زمانے میں اس قدر عزت کرنے والے بھلے مانس لوگ کہاں ملتے ہیں۔" انہوں نے کھلے دل سے اظہارِ خیال کیا۔

"ابو جی، ماں جی آپ کو میرے گھر جانا ہوگا۔" وہ سنبھل گئی تھی۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں، ضرور جائیں گے، پر ابھی تو تُو ادھر ہے، تُو چلی جائے تو تیرے گھر ضرور آئیں گے۔"

"مجھے تو ابھی یہاں سات آٹھ روز لگ جائیں گے۔ ماں جی آپ کل پرسوں تک ہو آئیں، امی جان کو نواسے کی مبارک باد دے آیئے گا۔"

"مبارک باد؟ نواسے کی؟" ماں جی کچھ نہ سمجھیں۔

"جی ماں جی، نواسے کی..... میری نند رابعہ آپی کے ہاں کل بیٹا ہوا ہے۔ ان کے ہاں یہ پہلی خوشی ہے۔ آپ کو جانا چاہیے ناں۔" اس نے واضح طور پر سمجھایا۔

"مگر تُو..... تیرے ساتھ یہ حادثہ اور میں مبارک..... یہ اچھا نہیں لگے گا۔"

"ماں جی میرے ساتھ جو ہونا تھا، ہو گیا مگر سوچیں پندرہ سال بعد انہیں بہن، بیٹی کی خوشی دیکھنی نصیب ہوئی ہے اور مجھے ان کی خوشی عزیز ہے۔ آپ کوئی ایسی بات نہ کریں جو مجھے دکھ دے، کیا مجھے خوش کرنے کے لیے آپ نہیں جا سکتے؟"

"جائیں گے، بیٹی ضرور جائیں گے۔ تیری ماں تو بھلی ہے۔ سمدھیانے میں ایسی باتیں کرنی ہی پڑتی ہیں، تُو تسلی رکھ ہم ضرور جائیں گے۔ ان کی خوشی ہماری خوشی ہے۔"

باپ نے پیار سے تسلی دی تو وہ آنکھیں موند کر اپنے باقی ماندہ آنسو اندر اتار گئی۔

زبیدہ منصور تو اس کے حسن سلوک پر جیسے بے مول بک گئیں۔ یہ بات تو ان کی دور اندیشی نے بھی نہیں سوچی تھی جو اس نے کر ڈالی تھی۔ مہربان تو وہ پہلے ہی تھیں، اب جی جان سے فدا ہو گئیں۔

☆======☆======☆

جس دن وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آئی، منصور پیلس میں ایک جشن کا سا سماں تھا۔ بچے کا عقیقہ اور خوشی کا انتظام بھی تھا۔

منعمہ کے والدین بھی مدعو تھے۔ بیٹی کی پذیرائی دیکھ کر وہ ششدر تھے۔ منصور حسن کے خاندان کا ہر فرد اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہا تھا۔ کسی کو اس کی تھکن کا خیال تھا، کسی کو بھوک کی فکر..... وہ اپنے وجودِ ناتواں پر ان کی محبتوں کا احسان لیے، ان کی خوشیوں میں شریک بیٹھی تھی۔

جب تمام رسومات ہو گئیں تو ثوبان نے ہی اسے زبردستی سب کے بیچ سے اٹھایا۔

وہ اپنے کمرے میں آئی تو حیران رہ گئی۔ چاروں طرف پھول ہی پھول تھے۔ بھینی بھینی خوشبو نے کمرے کی فضا کو معطر بنا دیا تھا۔

"تو آپ کو یہاں لانے کی جلدی اس لیے تھی۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر مہک کو اندر اتارا۔

"اس لیے بھی اور اس لیے بھی، ڈاکٹر نے آپ کو کمپلیٹ ریسٹ کا کہا ہے اور آپ نے پہلے دن ہی بے احتیاطی کی ہے۔"

"اتنی خوشیاں اکٹھی ہوں تو ڈاکٹر کا ہدایت نامہ کون دیکھتا ہے۔ ویسے میرے لیے ایک آدھ پھول ہی بہت تھا، آپ نے تو دکان سجا دی ہے یہاں۔"

"آپ میری محبت کا اندازہ نہیں کر سکتیں، یہ سب بھی مجھے کم ہی لگ رہے تھے۔"

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ اتنے سارے خوبصورت پھولوں کو ابھی سنبھالنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔" وہ اس کے سہارے چلتی ہوئی ایک ایک گلدستے کو سینے سے لگا کر ان کی خوشبو اندر اتارتی رہی۔ ثوبان کے لیے یہی احساس کافی تھا کہ اس نے ان پھولوں کو چھو کر ا احساس بخش دیا ہے۔

"یہ کام آپ کا یہ خادم کر دے گا، سنبھال لے گا، آپ کے پھولوں کو۔" اس کے "خادم" کہنے پر وہ تڑپ کر اس کے مقابل ہوئی۔

"پلیز! آئندہ مجھ سے اس طرح بات مت کیجیے گا۔ میں تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی کہ آپ کو ان درجوں پر دیکھوں، آپ سمجھتے ہیں کہ....."

"ارے.....رے منعمہ، یار میں تو ایسے ہی یہ لفظ بول گیا ہوں۔ یقین جانیے آپ کو دکھ دینے کا میرا مقصد نہیں تھا۔"

"پتا نہیں کیوں مجھے شوہر اور بیوی کے درمیان یہ خادم، کنیز ٹائپ کے الفاظ و اظہار پسند نہیں ہیں۔ دونوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت انہیں ایک ہی سطح پر رکھتی ہے۔ کوئی ایک دوسرے کے لیے کچھ کرتا ہے تو یہ اس کا فرض ہوتا ہے، احسان یا کمتری نہیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ اس طرح کے اظہار و رویے آقا و غلام کا تصور پیش کرتے ہیں؟ اور آقا اور غلام کے تعلق میں صرف "حکم" ہوتا ہے، محبت، خلوص، اعتماد کچھ نہیں ہوتا۔"

"اوکے اوکے، آل رائٹ! سوچیں گے بھی اور عمل بھی کریں گے۔ فی الحال آپ میرے مشورے پر عمل کریں اور لیٹ جائیں، ذرا سی دیر میں آپ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا ہے، چلیں آئیں بس!" ثوبان نے زبردستی اسے بستر پر لٹایا۔

"آپ کو تو وہم ہوا ہے، کیا ہوا ہے میرے چہرے کو۔" اس نے اپنا چہرہ ٹٹولا۔ "بالکل ٹھیک تو ہوں۔"

"ظاہری طور پر ٹھیک ہیں ورنہ آپ کو علم نہیں ہے کہ ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟"

"کیا کہا ہے ڈاکٹر نے؟" وہ چونک پڑی۔

"یہی کہ چھ ماہ تک آپ کو مکمل آرام کرنا ہے۔ مکمل آرام سمجھتی ہیں ناں آپ، یعنی نو ٹینشن نو ڈپریشن اینڈ ہیپی موڈ.....اور آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ آپ کو میرے لیے یہ سب کرنا پڑے گا۔ یہ نہ ہو کہ میں آفس میں ہوں اور آپ یہاں بھاگ دوڑ شروع کر دیں۔" اس کے ذرا سخت لہجے پر وہ مسکرا دی۔ "میں مذاق نہیں کر رہا، بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"میں یہاں کون سے تیر مارتی ہوں یا ہل جوتتی ہوں، سب کام تو ملازم کرتے ہیں۔"

"کوشش بھی مت کیجیے گا ورنہ میں آفس سے چھٹی لے کر آپ کی نگرانی پر لگ جاؤں گا۔"

"آپ تو مجھے بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کی ہدایات مجھے بھی یاد ہیں، ان پر عمل نہ کر کے میں اپنا نقصان کر سکتی ہوں بھلا؟"

"نہیں، میں یہ کب کہہ رہا ہوں مگر آپ کی طبیعت سے واقف ہوں، یاد ہے کچھ..... کچھ دن پہلے تک آپ کس کس بہانے سے مشغول رہا کرتی تھیں، کبھی بیڈ روم کی سیٹنگ پسند نہیں آ رہی، کبھی وارڈ روبز الٹی جا رہی ہیں۔ خدا کے لیے اب ایسا مت کیجیے گا، کچھ ناگوار لگے تو مجھ سے کہہ دیجیے گا یا پھر ملازمین سے، آخر وہ ہیں کس لیے؟"

"تب کی بات اور تھی، اب تو مجھ میں ہمت ہی نہیں ہے۔"

"اس لیے تو کہہ رہا ہوں، کمپلیٹ ریسٹ لیں گی تو ہمت اور صحت واپس آئے گی۔" اس نے اسے پیار سے سمجھایا۔ "آپ کی میڈیسن کا بھی وقت ہو گیا ہے۔ اچھے بچوں کی طرح دوا کھائیں اور آنکھیں بند کر کے سو جائیں۔"

ثوبان نے اپنے ہاتھ سے دوا کھلائی۔ ٹانک پلایا، کمبل سے اچھی طرح ڈھانپا۔ "میں بھی چینج کر کے سوتا ہوں، گڈ نائٹ!"

☆=======☆=======☆

منصور حسن نے زبیدہ منصور کی بات بہت مشکل سے مان کر ثوبان کو اسلام آباد والے آفس کا چارج دینے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ اسی سلسلے میں مصروف تھا۔ ذہنی طور پر وہ بالکل تیار نہیں تھا کہ سب کو چھوڑ کر جائے مگر ماں کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا اسی لیے وہ کشمکش کا شکار تھا۔ منعمہ کی حالت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس سے بات کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پا رہا تھا اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ ثوبان پریشان ہے اور اپنی پریشانی چھپانے کی خاطر اسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھائے رکھتا ہے۔

اسے ہسپتال سے آئے ہوئے پندرہ دن ہوئے تھے۔ سب ہی اسے غیر معمولی اہمیت دیئے ہوئے تھے۔ رابعہ بھی دن میں ایک دو بار آ کر اس کی خیریت معلوم کر جاتی۔ سب کی توجہ و محبت کے باوجود وہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ شاید ثوبان کی پریشانی اس کے حواسوں پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ثنی اس کی طبیعت کی وجہ سے اس سے شیئر نہیں کر رہا اس لیے اس نے سوچا تھا کہ آج خود اس سے پوچھ لے گی۔

رات کو ثوبان معمول کے مطابق لباس وغیرہ بدل کر جب اس کے قریب آ کر بیٹھا تو اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ ''آپ آج کل کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں، وجہ جان سکتی ہوں؟''

''پریشان..... یہ کس نے کہا ہے آپ سے۔'' ثنی نے مسکرا کر بات ٹالنی چاہی۔

''کسی کے کہنے کی کیا ضرورت ہے، میری آنکھیں نہیں ہیں؟ کافی دن سے محسوس کر رہی ہوں، چپ اس لیے تھی کہ آپ خود بتا دیں گے۔''

وہ بالکل سنجیدہ تھی اور سب کچھ جاننے کے موڈ میں تھی۔

''میری پریشانی آپ کو پریشان کرنے والی نہیں ہے آفس کا مسئلہ ہے، آپ کو بتا کر کیا

کرتا۔''

''کیا مسئلہ ہے آفس کا؟''

''آپ میرے آفس کے معاملات میں کب سے دلچسپی لینے لگیں۔ آپ کو بتانے والا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ بے فکر رہیے۔'' اس نے پھر مذاق میں بات ختم کرنا چاہی۔

''ٹھیک ہے اگر مجھے پریشان کرنے والا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور آپ مجھے بتانا نہیں چاہتے تو اپنے چہرے سے پریشانی کا بورڈ اتار دیں، مجھ سے آپ کے چہرے پر الجھن نہیں دیکھی جاتی۔''

''آپ ہر بات کو گہرائی میں محسوس نہ کیا کریں۔ کئی دفتری معاملات ایسے ہوتے ہیں جو نہ چاہتے ہوئے بھی ناگوار ہو جاتے ہیں۔ انسان کبھی نہیں برداشت کر سکتا اور نہ ہی اپنے فیس کو بلینک رکھ سکتا ہے حالانکہ میں نے پوری کوشش کی تھی کہ آپ کو محسوس نہ ہو۔'' اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہہ کر گود سے تکیہ اٹھا کر سرہانے رکھا یعنی مزید گفتگو سے بچنے کے لیے وہ لیٹنے لگا تھا۔

''کیا آفس میں کوئی ناخوشگوار واقعہ ہو گیا ہے؟'' وہ پُرتشویش انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''آپ کو مجھ سے غرض ہے یا میرے آفس سے؟''

''آپ کی الجھن مجھے پریشان رکھتی ہے۔ میں عجب واہموں میں گھر جاتی ہوں۔ جس دن سے میں ہاسپٹل سے آئی ہوں، آپ کو پریشان دیکھ رہی ہوں مگر آپ..... آپ پوچھنے کا موقع ہی نہیں دے رہے، کیا آپ میری پریشانی ختم نہیں کر سکتے؟'' منعمہ نے اس کا بازو پکڑ کر ملتجی نظروں سے دیکھا۔

ثوبان نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس کی طرف کروٹ لے لی۔ ''ہمارے اسلام آباد والے آفس میں کچھ گڑبڑ چل رہی ہے۔ جانے کتنا نقصان ہو چکا ہے۔ اس صورت میں یہاں سے کسی ایک کا جانا ضروری ہو گیا ہے۔ احسان بھائی ایک ہفتہ پہلے ہی جاپان سے لوٹے ہیں اور بابا جان کی طبیعت بھی ان دنوں کچھ ٹھیک نہیں رہتی اس لیے.....''

''اس کا مطلب ہے آپ ہی کو جانا ہوگا۔'' وہ فوراً بول اٹھی۔

''کیا مجھے نہیں جانا چاہیے؟'' ثوبان نے اس کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

''میں..... میں کیا کہہ سکتی ہوں اس بارے میں۔''

''آپ ہی کو میری پرابلمز سننے کا خبط سوار تھا، اب سولو کریں۔''

''میں کیسے سولو کر سکتی ہوں، آپ بہتر جانتے ہیں کہ آپ کو جانا چاہیے یا نہیں، سب

آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"میری مرضی تو نہیں ہے جانے کی، میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔"

"کتنے دنوں کے لیے جانا ہے آپ نے؟"

"دنوں کی بات ہوتی تو میں سوچتا بھی نہیں، فوراً چلا جاتا۔ غیر محدود مدت کے لیے جانا ہوگا۔ ساری چیکنگ کرنا ہوگی، انکوائری میں جانے کتنا عرصہ لگ جائے، دوبارہ سے سیٹ اپ کرنا ہوگا۔"

منعمہ پہلے تو سکون سے سنتی رہی پھر ایک دم بے صبرے پن سے بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ آپ ہی کو جانا ہوگا تو..... تو پھر میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

"جی..... آپ، اس حالت میں؟ ڈونٹ بی سلی مونا، ناممکن!" وہ جان بوجھ کر اسے ضد دلانے کی کوشش میں تھا۔ وہ جانتا تھا اگر ایک بار بھی آسانی سے رضامندی دے دی تو وہ پس منظر سوچنے پر مجبور ہو جائے گی۔

"ناممکن کیسے، یہ ممکن ہے، وہاں اپنا گھر بھی ہے نا، آپ کو جانے کتنے عرصے کے لیے ٹھہرنا پڑے اور میں یہاں اکیلی بالکل نہیں رہ سکتی پلیز!" اس کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت پھیل گئی۔

"اکیلی کیسے، سب تو ہوں گے یہاں اور پھر امی جان، بابا جان کیسے جانے دیں گے جبکہ آپ کی حالت بھی اچھی نہیں ہے اور مجھے ایک دو روز میں جانا ہے۔"

"کیوں نہیں جانے دیں گے، مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے، مجھے نہیں پتا بس!" وہ بچوں کی طرح ٹھنکی۔ تو وہ اس کے بچپنے پر بے ساختہ ہنسا۔

"بچوں کی طرح ضد نہیں کرتے مونا آپ جب ٹھیک ہو جائیں گی تو میں آپ کو آ کر لے جاؤں گا۔"

"میں..... میں بالکل ٹھیک ہوں اب۔" منعمہ نے قدرے بے چینی سے کہا۔

"نارمل ڈلیوری ہو تو بھی ٹھیک ہونے میں تقریباً ڈیڑھ ماہ لگتا ہے جب کہ آپ کا تو آپریشن ہوئے مشکل سے تین ہفتے ہوئے ہیں۔ اس کنڈیشن میں آپ کو پرمیشن کون دے گا۔" ثنی نے سنجیدگی سے سمجھانے کی کوشش کی اور پھر اس کے قریب ہو بیٹھا۔

منعمہ آنکھوں میں آنسو بھر کے اسے دیکھے گئی۔ "ارے ہنی مونا..... ایسے تو نہیں کریں۔ اچھا! دیکھو میں کوشش کروں گا کہ....."

"کوشش نہیں مجھے آپ کے ساتھ ہی جانا ہے کچھ بھی ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں رہ سکتی آپ کے بغیر پلیز۔" وہ ملتجی ہوئی۔

"اور یہاں سب کیا سوچیں گے آر یو تھنک اِٹ۔"

"کچھ بھی سوچیں اور جب آپ راضی ہیں تو سب کیا کہہ سکتے ہیں۔" وہ محبت بھرے مان سے بولی۔

"اچھا بابا اچھا، آپ جو چاہیں گی وہی ہوگا۔ صبح ہی اپنا ضروری سامان پیک کروانا شروع کر دیں، میں پرسوں کی سیٹس ریزرو کروا لوں گا، اب خوش؟"

"بالکل خوش!" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"وہاں کوئی ٹرینڈ سرونٹ نہیں ہے، کچھ دن مشکل رہے گی۔"

"میں ایڈجسٹ کر لوں گی، آپ فکر نہیں کریں۔"

"اور میری ایک بات اچھی طرح سن لیں، وہاں میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا، منظور ہے۔"

"بالکل منظور ہے۔" وہ مطمئن ہو کر لیٹ گئی۔

☆======☆======☆

جس نے بھی سنا اس نے روکنے کی کوشش کی۔ رباب تو باقاعدہ ڈانٹ رہی تھی۔ ثوبان کے پیچھے پڑ گئی۔ ''وہ تو ہے ہی پاگل، تم بھی ساتھ میں پاگل ہو گئے ہو۔''

''مجھے پاگل بنانے والی وہی ہے۔ میں بے بس ہوں۔'' وہ مذاق میں بات ٹالنے لگا۔

''دیکھو ثنی! اس کی حالت ہے وہاں جانے کی، کون دیکھ بھال کرے گا۔ ڈاکٹر شمسہ نے کتنی سخت ہدایات دی تھیں، چھ ماہ تک ہر قسم کی احتیاط کرنی ہے اور ابھی تو چھ ہفتے بھی نہیں ہوئے کہ تم دونوں نے من مانی شروع کر دی ہے۔''

''ہم کسی جنگل میں نہیں جا رہے۔ اپنا گھر ہے وہاں، ملازم لوگ ہیں، پھر میں خود جو ہوں، پوری دیکھ بھال کروں گا۔ آپ فکر مت کیجیے، کام کے ختم ہوتے ہی ہم لوٹ آئیں گے۔''

''کام بھی کبھی ختم ہوئے ہیں۔ میں تو امی جان پر حیران ہوں، کیسے جانے دے رہی ہیں۔''

وہ اس وقت زبیدہ منصور کے کمرے میں ہی موجود تھے۔ وہ دونوں دیور بھابی کی باتیں دیر سے سن رہی تھی۔ اپنا نام سن کر گویا ہوئیں۔ ''تمہارا کیا مطلب ہے کہ میں ان کے جانے سے خوش ہوں؟ لیکن جب یہ آپس میں فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میں کیسے روک سکتی ہوں، پھر میں اس لیے بھی خاموش ہوں کہ وہاں کی آب و ہوا کا منعمہ کی صحت پر اچھا ہی اثر پڑے گا۔''

ان کی بے نیازی پر رباب کو حیرت ہوئی۔

''لیکن امی جان، منعمہ بعد میں بھی تو جا سکتی ہے۔''

''پیاری بھابی اتنی فکر سے تو اچھا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ ویسے ایک بات بتائیں، آپ کو اپنی دیورانی سے زیادہ ہی لگاؤ نہیں ہے کیا؟ حالانکہ میں نے تو اس رشتے کے

بارے میں کچھ ''اور'' ہی سن رکھا ہے۔''

''ہاں ہاں، جیسے تم تو ساری زندگی یہ ہی سب سننے میں لگے رہے ہو۔''

''اتنا غصہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں رخصت کرنے کی تیاری کریں۔ دو گھنٹے بعد ہماری فلائٹ ہے۔'' ثوبان نے رباب کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''ہاں رباب دیکھو جا کر، منعمہ کی ضروری اشیاء ایک بار خود بھی چیک کر لینا۔ اس کی میڈیسن وغیرہ بھی، کہیں کچھ بھول نہ جائے۔'' زبیدہ منصور نے فکرمندی سے کہا تو اسے ناچار اٹھنا پڑا۔

وقتِ رخصت سب اس کے قریب تھے، اسے نصیحتیں کر رہے تھے، اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر رہے تھے اور وہ سب کو مطمئن کر رہی تھی۔ رابعہ اور بصر بھی اسے ایئر پورٹ تک چھوڑنے گئے تھے۔

ایئر پورٹ پر کھڑے ہو کر اس نے پہلی بار اس ننھے وجود کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر لبوں سے چوما۔

ایک پیاسی لہر اس کے وجود میں برقی رَو کی مانند دوڑ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بے قراری کو عیاں کر دیتی، اندر سے کسی نے اسے جھنجھوڑ ڈالا جس پر اس نے گھبرا کر فوراً اپنی بانہوں میں مہکتے پھول کو رابعہ کی جھولی میں ڈال دیا۔

''ثنی، وہاں پہنچتے ہی اپنی خیریت کی اطلاع کرنا، ہم انتظار کریں گے۔'' بصر نے اسے گلے سے لگا کر گرم جوشی سے تھپتھپایا۔

''ضرور کروں گا، اجازت؟ اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے۔ اوکے، ارباز بابا، آپ سے پھر ملاقات ہوگی، اللہ حافظ!'' وہ بھی بچے پر جھک گیا۔ پیشانی پر پیار کر کے ان سے رخصت ہو کر منعمہ کے ساتھ ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

اسلام آباد میں ان کا اچھا بڑا گھر موجود تھا۔ دو ملازم بھی تھے جنہوں نے گھر کو صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔

منعمہ مختصر سے سفر سے ہی نڈھال ہو گئی تھی مگر ثوبان سے اپنی کیفیات چھپا رہی تھی حالانکہ اسے منعمہ کا ہی خیال تھا۔ اس نے آتے ہی ملازمہ کا بندوبست کیا۔ اس کام کے لیے ملازمین نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اللہ بخش اور کرم داد اپنی بیویوں کو لانے کے لیے تیار تھے۔ کرم داد کا گاؤں قریب تھا، اس لیے وہی اپنی بیوی روشن کو لینے چلا گیا۔

اگلے دن ہی ثوبان نے منعمہ کی ٹریٹ منٹ کے لیے ایک لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ وہ

ثنی کو اپنے لیے فکر مند دیکھ کر شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اپنے کام کے لیے آیا تھا لیکن صرف اسی کے لیے ہلکان ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی تین دن سے پڑے پیک کپڑوں کو وارڈ روبز میں ترتیب دے رہا تھا۔

منعمہ سے رہا نہیں گیا۔ ''دیکھئے نا بھلا یہ آپ کے کرنے کے کام ہیں؟ میں خود کسی وقت روشن سے رکھوا لیتی۔''

''یار، مجھے تو اچھا لگ رہا ہے یہ سب کرنا، ویسے بھی فی الحال میں آپ کے اور اپنے درمیان کسی ''اور'' کو برداشت نہیں کر سکتا۔'' اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''مگر مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ آپ اپنے کام چھوڑ کر اس طرح کے کام کر رہے ہیں۔''

''میں یہ سب اپنی خوشی سے کر رہا ہوں اور آپ کو اچھا کیوں نہیں لگ رہا؟ شاید اس لیے آپ جیسی نفاست و سلیقے سے سیٹ نہیں کر پا رہا ہوں۔''

''یہ بات نہیں ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے تو کوئی بھی بات نہیں ہونی چاہیے۔ پہلے ٹھیک ہو جائیے، پھر جی چاہے تو کچھ بھی کیجیے گا، آپ جانیں اور آپ کا گھر، میں کچھ دخل نہ دوں گا۔''

''چہ..... ہائے..... میں کب تک ٹھیک ہوں گی۔''

''بہت جلد، بس ریسٹ کریں اور اپنی کیئر کریں۔'' وہ اس کے مایوسانہ انداز پر سب کچھ چھوڑ کر اس کے قریب آ بیٹھا۔ ''سب کے روکنے کے باوجود صرف آپ کی ضد پر یہاں لایا ہوں۔ اب یہ آپ پر فرض بنتا ہے کہ آپ میری اور اپنی ضد کا بھرم رکھیں، آئی مین جلد ٹھیک ہو کر۔ بس ڈیڑھ دو ہفتے میں آپ کو چلنے پھرنے کی اجازت مل جائے گی۔ آپ جو اس طرح بیٹھے بیٹھے بور ہونے لگی ہیں تو پھر میں ساری بوریت ختم کر دوں گا، صرف چند دن صبر سے کام لیں۔''

اس نے پیار سے اسے سمجھایا تو وہ لمبی سانس بھر کر رہ گئی۔ پھر اس نے واقعی بڑے صبر سے کام لیا۔ ڈاکٹر اور ثوبان کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا۔

جب اس نے بستر چھوڑا تو بہت ایکسائیٹڈ تھی۔ ثوبان اس کا پورا خیال رکھتا، آفس سے آ کر سارا وقت اس کے ساتھ گزارتا۔ کبھی دونوں لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے۔ آہستہ آہستہ اس نے گھر کی طرف بھی توجہ دینی شروع کی سب کام اپنی نگرانی میں کرواتی۔ کسی دن ثوبان کی پسند کی ڈش بھی خود بناتی یا پھر روشن کو ہدایات دے کر کام کرواتی۔ روشن کافی سلجھی ہوئی عورت تھی۔ بہت جلد اس نے بہتر کھانا پکانا سیکھ لیا تھا۔ شروع شروع میں تو انہیں کچھ بھی اچھا نہیں

لگا تھا۔ دونوں ہی بے دلی سے کھاتے مگر اب ٹھیک ہوتے ہی اس نے خاص توجہ اس طرف دی تھی۔

رفتہ رفتہ وہ اپنی صحت کی طرف لوٹ رہی تھی۔ منصور پیلس والے بھی اس کے لیے از حد فکر مند تھے۔ ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی فون کر کے اس کی خیریت معلوم کر کے صحت یابی کی دعائیں دیتا۔ زبیدہ منصور تو ہر ماہ چار پانچ روز کے لیے اس کے پاس آ کر رہتیں۔ کچھ دن پہلے ہی رباب ہو کر گئی تھی۔ اس نے انہیں گھر آنے کی تاکید ناراضگی کے ساتھ کی تھی۔

سبھی باری باری ملنے آ چکے تھے مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی واپس جانے کی خواہش ظاہر نہ کی تھی۔ ثوبان کے پاس آفس کی خود ساختہ مصروفیات تھیں اور منعمہ، ثوبان کے بغیر کہیں جانے پر کبھی راضی نہ ہوتی سو اسی طرح چھ ماہ گزر گئے تھے اور مزید وقت بھی اسی طرح گزر رہا تھا۔

☆=======☆=======☆

وہ آفس سے ابھی لوٹا تھا۔ معمول کے خلاف منعمہ گاڑی کے مخصوص ہارن پر باہر نہیں آئی تھی۔ ادھر اُدھر نظر ڈالتا وہ بیڈ روم میں آ گیا۔ اس کا یوں بے وقت بستر پر موجود ہونا تشویش میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھا۔

آہٹ پر منعمہ سیدھی ہو بیٹھی۔ ''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! آپ اس وقت بستر پر خیریت تو ہے؟'' وہ پریشان سا اس کے قریب آ بیٹھا۔

''بس ایسے ہی آنکھ لگ گئی تھی۔''

ثوبان نے بغور اسے دیکھا۔ بے شک آنکھیں نیند سے جاگی ہوئی لگ رہی تھیں مگر چہرے پر کچھ پھیکا پن بھی تھا۔

''مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں۔'' ثوبان نے اس کی کلائی تھام کر حرارت دیکھی۔ ستمبر کی گرمی کے باوجود وہ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ چینج کریں، میں چائے لے آؤں۔''

''کہاں ٹھیک ہیں، آپ نے اپنا چہرہ دیکھا ہے، کوئی تکلیف ہے تو میں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔'' ثوبان نے اسے چلنے سے روکا۔

''آپ کو تو وہم ہو گیا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، بس آج سارا دن سُستی چھائی رہی۔ چینج بھی نہیں کر سکی اسی لیے آپ کو فیل ہو رہا ہے۔'' منعمہ نے وضاحت سے اس کی تسلی

کرنا چاہی مگر وہ مشکوک نظروں سے گھورتا رہا۔ ''ٹھیک ہے، چائے لے آئیں، پھر پوچھتا ہوں۔''

''میں آپ سے کیا چھپاؤں گی۔ ایسے ہی بس طبیعت بوجھل تھی، معمولی سی تکلیف تھی۔ اب تو ختم بھی ہوگئی۔ اتنی سی بات کے لیے آپ کو کیا پریشان کرتی۔'' اس کے مشکوک انداز پر منعمہ سے رہا نہیں گیا۔

''آپ ہمیشہ اسی طرح بے پروائی کرتی ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ چلیں اٹھیں چینج کریں، میں ابھی آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔'' ثوبان نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا، تبھی روشن دستک دیتی ہوئی اندر آگئی۔ وہ ان کے لیے چائے لائی تھی۔

منعمہ نے چائے بنا کر کپ پکڑاتے ہوئے مسکرا کر دیکھا۔ ''فکر کرنے والی کوئی بات نہیں ہے، میری تکلیف کا تعلق بہت بڑے سرپرائز سے ہے مگر پہلے آپ کو موڈ ٹھیک کرنا پڑے گا۔ آپ چینج کر کے آجائیں پھر سرپرائز دوں گی۔''

''کیا امی جان آرہی ہیں؟''

''چہ..... امی جان کے آنے سے مجھے کوئی تکلیف ہوگی؟ کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟ آپ جائیں فریش ہو کر آئیں۔'' اس نے آگے دھکیلتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ ایسی زبردستی وہ کبھی کبھی کیا کرتی تھی۔

پانچ منٹ بعد وہ فریش ہو کر سامنے تھا۔

''کئی روز سے مجھ پر سستی اور بے زاری سے چھائی ہوئی ہے۔'' منعمہ نے کہا۔

''جی مجھے علم ہے، اسی لیے تو آپ سے کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر سے ایک بار پھر چیک اپ کروالیں، جب سے آپ کی میڈیسن ختم ہوئی ہے، آپ نے ڈاکٹر سے کنٹیکٹ نہیں کیا۔ اگر آپ خود کو میری نظروں سے دیکھیں تو ابھی آپ فٹ نہیں ہوئی ہیں، فزیکلی ویسے کی ویسی کمزور ہیں۔''

''چہ..... بات کیا تھی اور آپ کہاں لے گئے، میری پوری بات تو سن لیں۔'' وہ ذرا جھنجھلائی۔ ''بات یہ ہے کہ مجھے ڈاکٹر کی پھر ضرورت ہے، اس.....''

''میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ ابھی آپ کو ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔'' ثوبان نے پھر اس کی پوری بات نہیں سنی۔

''جی! مگر اس مقصد کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ میں نے آپ کو اب پھر آئسکریم کی فرمائش کر کر کے تنگ کر دینا ہے۔''

''آپ کی کسی فرمائش سے پہلے میں کبھی تنگ ہوا ہوں؟ اتنا گھما پھرا کر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی طرح کہتیں کہ آئسکریم کا موڈ ہے۔'' یہ کہتے کہتے ثوبان کی نظر جیسے ہی اس کے چہرے پر پڑی، وہ چونک اٹھا۔ اگلے ہی لمحے اس کا چہرہ بھی بہت سی روشنیوں میں نہا گیا۔

''آ..... ئس..... کریم، کیا واقعی یہ سچ ہے مونا؟'' اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اپنا مخصوص اظہارِ تشکر اپنائے وہ بے قابو ہوا جا رہا تھا اور منعمہ اس کے رویے سے سٹپٹا رہی تھی۔ اتنا ایکسائیٹڈ تو وہ اس وقت بھی نہ ہوا تھا جب اس نے پہلی بار یہ خوش خبری اسے دی تھی۔

''آج ہم کھانا باہر کھائیں گے اور آپ کی فیورٹ آئسکریم بھی، اس کے علاوہ ایک سرپرائز میں بھی آپ کو دوں گا۔'' ثوبان نے اس کی ناک کھینچی جس پر وہ منہ بنا کر ہنس دی۔

''پہلے سرپرائز بتائیں، پھر تیار ہوں گی۔''

''بالکل نہیں! تیار ہوں، پہلے کھانا، پھر آئسکریم اینڈ لاسٹ آئٹم سرپرائز، ویسے بھی، میرا سرپرائز بتانے والا نہیں، دکھانے والا ہے۔''

''میں گیس کروں؟''

''پہیلیاں بجھوانے کا تو میرا بھی کوئی ارادہ نہیں، ہری اَپ، شاباش فوراً اٹھیں۔'' ثوبان نے اسی کا انداز اپنایا۔

منعمہ ہار کر اٹھ گئی۔

پھر انہوں نے اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ اس کی فیورٹ آئسکریم کے مزے لانگ ڈرائیو پر لیے۔

منعمہ گھر آکر بھی سرشاری کے عالم میں ہونے کے باوجود عجیب الجھن میں مبتلا تھی۔ ثوبان نے ابھی تک اپنے سرپرائز کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس کی شریر آنکھوں کی شرارت اس کی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔

''آ..... پ نے بھی کوئی سرپرائز دینا تھا۔'' اس کا دھیما لہجہ کمرے کی خاموشی میں گونج گیا۔

ثوبان جو ایک ٹک اسے دیکھنے میں محو تھا، سنبھل کر بولا۔ ''ایک سیکنڈ بھی آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔''

''ایک سیکنڈ..... کتنے گھنٹوں سے آپ نے سسپنس پھیلا رکھا ہے۔ پلیز جلدی بتائیں، مجھے نیند آرہی ہے، کتنی رات ہوگئی ہے۔''

''اچھا ایسا کریں، آنکھیں بند کریں۔''

اور وہ جو سرپرائز کی الجھن میں مبتلا تھی فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ ثوبان بہت خاموشی سے اس کے گلے میں ایک خوبصورت نیکلس پہنانا چاہتا تھا جو بیش قیمت ہیروں سے مزین تھا مگر منعمہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور اپنے گلے کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھوں میں موجود نیکلس کو حیران ہو کر دیکھا۔

ابھی چند دن پہلے اس نے یہ نیکلس جیولر کے پاس دیکھا تھا مگر اپنی پسند کا اظہار نہیں کیا تھا مگر وہ اس کی پسند جان گیا تھا۔

''ہو گئیں ناں آپ حیران، یقیناً اب آپ کی نیند بھی اُڑ گئی ہو گی۔''

اس کے پاس بے شمار زیورات تھے۔ بری میں بھی کئی قیمتی سیٹ تھے جن میں سے چند ایک تو اس نے پہنے بھی نہ تھے۔ پھر ثوبان کسی نہ کسی بہانے اپنی پسند سے کوئی نہ کوئی زیور لے آتا تھا حالانکہ اسے کچھ خاص شوق نہیں تھا۔ چوڑیاں، ٹاپس اور انگوٹھیاں بھی اس لیے پہن رکھی تھیں کہ ثوبان کے تحائف تھے اور اس کا اصرار تھا۔ اس وقت وہ واقعی اسے حیران کر گیا تھا۔

''جی کہیے، اب آپ کا خیال کیا ہے؟''

''آپ فضول خرچی مت کیا کریں، میرے پاس زیورات کی کمی ہے کیا، کتنا کچھ تو ابھی بنا پہنے ہی پڑا ہے، پھر آپ کو اب فیوچر پلاننگ بھی کرنی چاہیے۔ اب پہلے والی بات تو نہیں ہے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''مجھے پتا تھا آپ یہی کہیں گی۔ میری خوشی آپ سے دیکھی نہیں جاتی ناں۔'' وہ مصنوعی خفگی سے ہاتھ کھینچ کر بیٹھ گیا تو وہ بے بسی سے سر ہلا کر رہ گئی۔

''میں تو زندہ ہی آپ کی خوشی کے لیے ہوں لیکن اب آپ کو بھی سوچنا چاہیے۔ میری ذات کے علاوہ ایک اور وجود بھی ہے جسے ہماری تربیت کی اشد ضرورت ہو گی اور یہ سب میری ضرورت سے بہت زیادہ ہیں۔''

''غلطی ہو گئی، ایکچولی جب میں نے یہ خریدا تھا تو مجھے نئے مہمان کی خبر نہ تھی اور ایک بات سنیں، ہر کوئی اپنا نصیب لے کر آتا ہے۔ یہ آپ کے نصیب کا ہے، سو قبول کیجیے۔'' اس نے بڑھ کر نیکلس اسے پہنا دیا۔ ''ونڈرفل! ایک بات بتائیں مونا، آخر آپ باقی خواتین سے اس قدر مختلف کیوں ہیں؟''

''جی! کیا مطلب؟''

''خواتین تو بہانے ڈھونڈتی ہیں زیورات و ملبوسات بنوانے کے مگر آپ کا موڈ آف ہو جاتا ہے، آخر کیوں؟''

''میں اس خواہش سے منکر تو نہیں ہوں مگر بے جا اصراف مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اگر ہمارے پاس زیادہ ہے تو ضروری تو نہیں ہم نمود و نمائش میں لٹا دیں۔ خرچ کرنے کے لیے کوئی بہتر راہ بھی تو ہو سکتی ہے۔ میرے پاس پہلے سے اتنا کچھ ہے۔''

''ٹھیک ہے بھئی، آئندہ آپ کے مشورے کے بنا کچھ نہیں خریدوں گا مگر یار آج موڈ اچھا رکھیں۔''

''میرا موڈ خراب کب ہے؟''

''خراب نہیں ہے تو آپ سنجیدہ ضرور ہیں۔''

''ایسے ہی، آپ کو وہم ہوا ہے۔'' وہ فراخ دلی سے ہنسی۔

''بس ایسے ہی ہنستے رہنا ہے اور اب سارے مسئلے مسائل ختم کر کے سو جائیں، شب بخیر!''

اگلے دن ڈاکٹر نے اس کے یقین کی تصدیق کر دی۔ ثوبان نے زبیدہ منصور کو اطلاع کی تو وہ اُڑ کر پہنچ گئی تھیں۔ ان کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔

اس کے لیے پھر وہی ہدایات، وہی پابندیاں شروع ہو گئی تھیں۔

یہ کھانا ہے، وہ نہیں کھانا، کوئی کام نہیں کرنا۔ بھاگ دوڑ نہیں، کوئی بے آرامی، کوئی بیداری ورت جگا نہیں۔ جوسز، فروٹ، ٹانک وغیرہ وقت پر لینے ہیں۔ وہ عاجز آ گئی تھی۔ امی جان (زبیدہ منصور) جب تک رہیں، اس کی نگران اعلیٰ رہیں بعد میں شی کو اپنا قائم مقام بنا کر گئیں تھیں۔ وہ ان سے بھی زیادہ سختی سے کام لیتا تھا۔ آخر وہ تنگ آ کر کہہ دیتی۔

''پلیز شی مجھ پر رحم کریں، اتنی پابندیاں تو کسی قیدی پر بھی لگائی نہیں جاتی ہوں گی جتنی مجھ پر عائد کی گئی ہیں۔'' جواب میں وہ ہنس دیتا۔

''آپ جو مرضی کہیں میں آپ کی باتوں میں آنے والا نہیں، پھر خود سوچیں یہ آپ کی بھلائی کے لئے ہے، نو آرگومنٹس۔''

''یہ بھلائی ہے، سارا سارا دن کمرے میں بند رہو۔ بستر پر بیٹھے بیٹھے بس کھاتے چلے جاؤ۔ رئیلی کبھی کبھی تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے اپنی زندگی کی اس روٹین سے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

شی نے بغور اسے دیکھا، اس کی حالتِ زار پر اسے ترس آ گیا۔ یہ بات صحیح تھی کہ وہ سارا دن کمرے تک محدود رہتی تھی۔ اس کے آفس سے آ جانے کے بعد اس کے ساتھ لان

میں نکلتی یا پھر کبھی بہت ضد کر کے اس کے ساتھ آئس کریم کھانے جاتی۔

''ٹھیک ہے ہنی آپ کو جس سے خوشی ملے آپ وہ کام کریں بٹ لسن اگین، اپنا خیال سب سے پہلے رکھنا ہوگا۔ آپ کی ذرا سی تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوگی، انڈر سٹینڈ۔''

''تھینک سو نائس، آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اسی خوشی میں مَیں اپنے اور آپ کے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ اس رعایت پر ہی بچوں کی طرح خوش ہوگئی تھی۔ ثنی کے چھوٹے چھوٹے کام کر کے اسے جو راحت ملتی تھی وہ اس کے ہر انداز سے عیاں ہوتی تھی۔ تبھی ثنی اسے زیادہ ٹوکنے سے گریز کرنے لگا تھا۔ اصل مقصد تو منعمہ کو خوش رکھنا تھا۔

☆=======☆=======☆

ارباز کی پہلی سالگرہ کا کارڈ سامنے پڑا تھا۔ سب نے بہ اصرار بلایا تھا۔ اب تو زبیدہ منصور کی بھی شدید خواہش تھی کہ وہ واپس آ جائیں مگر دونوں اندرونی کشمکش کا شکار تھے۔ جانے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔

آخر منعمہ ہی نے اس جامد سکوت کو توڑا۔ ''آپ اتنی گہری سوچ میں کیوں ہیں؟''

''میں، نہیں تو۔'' وہ چونک اٹھا۔

''پھر یہ خاموشی، یہ سکوت کیوں؟''

''آپ بول رہی ہیں، میں سن رہا ہوں، میں بول رہا ہوں، آپ سن رہی ہیں پھر خاموشی کہاں ہے۔'' ثوبان نے ہنستے ہوئے اسے چڑایا مگر وہ سنجیدہ رہی۔

''جانے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''جو آپ کا خیال ہے، بندہ تو.....'' بات ادھوری چھوڑ کر اس نے ایک بار پھر اسے چڑایا تو وہ ہنس دی۔

''ظاہر ہے آپ کے بغیر تو میں جاؤں گی نہیں۔''

''کیوں! کوئی بے اعتباری ہے۔'' اس نے شرارت سے پوچھا۔

''بے اعتباری کی کیا بات ہے۔ میں بس آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔''

''میں کچھ بزی ہوں، آپ چلی جائیں، آپ سے ملنے کو سب بے چین بھی بہت ہیں۔ آپ کے والدین بھی اداس ہیں، بلاتے رہتے ہیں۔ آپ کچھ عرصہ رہ کر آ جائیں۔''

اس نے نفی میں گردن ہلانے کے ساتھ کہا۔ ''ٹھیک ہے آپ بزی ہیں، آپ نہیں جا سکتے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔''

''ہنی! یہ کیا بات ہوئی۔ اتنے عرصے سے میرے ساتھ رہ رہی ہیں، تنگ نہیں آئیں مجھ سے، یار ذرا جدائی کا مزہ بھی چکھنا چاہیے کبھی کبھی۔''

''تو آپ تنگ آ گئے ہیں مجھ سے؟'' وہ اس کی شرارت نہ سمجھتے ہوئے سنجیدہ ہوگئی۔

''ٹھیک ہے میں..... میں ماں جی اور ابو جان کو فون کر دیتی ہوں کہ مجھے آ کر لے جائیں۔'' وہ سچ مچ روہانسی ہوگئی۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھ سے تنگ آ گئی ہیں؟''

ثوبان نے مصنوعی سنجیدگی سے دیکھا تو وہ بوکھلا اٹھی۔ ''یہ میں نے کب کہا ہے؟''

''ابھی تو کہہ رہی تھیں کہ فون کریں گی۔ آ کر لے جائیں، کچھ اسی قسم کی بات کہی تھی شاید۔''

''آپ ہی تو چاہتے ہیں ایسا۔''

''میں! کس نے کہا ہے؟'' ثوبان نے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ وہ آج اسے ستا کر محظوظ ہو رہا تھا۔

''خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ.....'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ اس کے اس طرح رونے پر پریشان ہوا تھا۔ اس نے آج تک کسی بات کا برا نہیں مانا تھا۔ ہمیشہ اس کی سنجیدگی سے کہی باتوں کو بھی ہنسی مذاق میں اُڑایا تھا اور آج جب اس کا موڈ مکمل شرارت کا تھا، وہ بے قابو ہوگئی تھی۔

کہیں ارباز کی وجہ سے تو..... اس کے ذہن میں خدشے نے سر ابھارا۔

وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ثوبان فلور کشن سے اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ کر اسے چپ کروانے لگا۔ ''میں تو مذاق کر رہا تھا اور آپ سیریس ہو کر رونے بیٹھ گئی ہیں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر کارنر ٹیبل سے ٹشو پیپر باکس اٹھایا۔ ''اس طرح رونا کیا اچھی بات ہے۔ روشن یا کوئی اور ادھر آ گیا تو کیا سوچے گا۔'' اس نے اس کے آنسو صاف کرنے چاہے مگر اس نے ٹشو پیپر خود لے لیے اور اس کے قریب سے اٹھ کر بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔

وہ بھی آوازیں دیتا پیچھے آ گیا۔ وہ بستر پر بیٹھی آنسو صاف کرتی رہی۔

''آج مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ آپ مجھے کیوں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتیں۔'' وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ آنسو صاف کرتے اس کے ہاتھ رک گئے بلکہ آنسو بھی استفہامیہ نظر میں مسکراتے ثوبان کی نظروں سے الجھ گئے۔

''اس لئے ناں کہ آپ کو مجھ سے.....'' دانستہ توقف کر کے منعمہ کی الجھن بڑھائی۔

''بہت محبت ہے۔'' محبت و شرارت کے اس نئے انداز پر وہ جھینپ کر بھیگی آنکھوں سے ہنس دی۔

''کوئی نہیں۔''

''کیا.....نہیں ہے، میں تو خوش فہمی میں جانے کیا کیا سوچے گیا ہوں۔''

''تنگ نہ کریں آپ مجھے۔'' اس نے مسکراہٹ روکتے ہوئے مصنوعی خفگی دکھائی۔

''دیکھ لیں، آپ اعتراف کر رہی ہیں کہ آپ مجھ سے تنگ آ گئی ہیں۔''

''تنگ تو آپ مجھ سے آ گئے ہیں شاید۔ ٹھیک ہے بھجوا دیں آپ مجھے، میں چلی جاؤں گی تنہا۔''

''مونا پلیز! اب بالکل نہیں رونا، جانا تو ہے مگر ہم دونوں کو اور صرف دو دن کے لیے اور اکٹھے ہی واپس آنا ہے۔ انڈر اسٹینڈ! یہ نہ ہو وہاں سب کے کہنے پر آپ وہیں ٹھہر جائیں اور مجھے اکیلا بھیج دیں۔'' اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ایک بات میں بھی بتاؤں؟ آپ کے بغیر میں بھی نہیں رہ سکتا۔ رئیلی، آئی سو یئر یو۔'' یہ اعتراف محبت اسے سرشار کر گیا۔

اگلا سارا دن اس نے تیاری میں گزارا۔ انہیں یہاں آئے ایک سال ہو گیا تھا۔ سبھی ملنے آتے تھے مگر وہ دونوں بہ اصرار بلائے جانے پر بھی نہیں گئے تھے۔ اب ارباز کی سالگرہ ایسا موقع تھا کہ وہ کوئی بہانہ بھی نہیں بنا سکتے تھے۔

وہ سب کے لیے تحائف خرید رہی تھی۔ ثوبان اس کی تیاریاں دیکھ کر اسے چھیڑتا۔

''سنیں! برتھ ڈے ارباز کا ہے یا سب کا؟''

جواب میں صرف ایک مسکراہٹ!

ثوبان نے ارباز کی سالگرہ والے دن کی سیٹیں کنفرم کرائی تھیں۔ وہ اسی دن پہنچ کر سرپرائز دینا چاہتا تھا۔

وہ ساری تیاری کیے خود تیار ہو کر ثوبان کے انتظار میں بیٹھی تھی جس نے آفس سے جلدی آنے کا وعدہ کیا تھا مگر بار بار فون کرنے پر ایک ہی جواب ملا تھا۔ ''ارجنٹ میٹنگ ہے، فارغ ہوتے ہی پہنچ رہا ہوں۔'' مگر وہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیا بے چینی تھی، ٹہل ٹہل کر پاؤں تھکا لیے تھے، حالانکہ فلائیٹ میں بھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ روشن اسے آرام سے بیٹھنے کو کہتی تو وہ ذرا دیر کو ٹک جاتی، ساڑھی کا کونا الجھن میں مسل دیتی۔

''بی بی کیا ہوا ہے آپ کو، کیا پہلی دفعہ سسرال جا رہی ہو؟''

''نہیں تو شادی کے بعد آٹھ نو ماہ میں وہیں رہی ہوں، بس جانے کیوں دل بے چین ہو رہا ہے۔ ثنی بھی نہیں آئے ابھی تک۔'' وہ بیٹھے بیٹھے ایک دم کھڑی ہو گئی۔

تبھی فون کی گھنٹی اور گاڑی رکنے کی آواز ایک ساتھ اس کے کانوں میں آئی۔

''وہ آ گئے ہیں۔'' اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ لہرا گئی۔ روشن دیکھ کر حیران ہوئی۔ آج وہ معمول سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

ابھی وہ پورچ کی سیڑھیوں پر ہی تھی کہ روشن فون اس کے پیچھے لے آئی۔ ''بی بی! صاب کا فون ہے۔''

''تو گاڑی.....اوہ!'' صرف ڈرائیور کو نکلتے دیکھ کر اس نے ریسیور تھام کر کان سے لگایا۔ ''السلام علیکم! اتنی دیر؟ وقت دیکھیں کتنا کم ہے؟ کیا میں آ جاؤں؟ آپ کا کام کب ختم ہو گا؟ اچھا ٹھیک ہے، میں آ جاتی ہوں، اللہ حافظ!''

آفس سے ایئر پورٹ قریب تھا۔ وقت بچانے کے لیے اس نے ڈرائیور کو لینے بھیج دیا تھا۔

سارا سامان گاڑی میں رکھوا کر وہ روانہ ہو گئی۔

وہ بے چینی و بے قراری۔ وہ وہم و گماں جو اسے ثوبان کے لیے پریشان کر رہے تھے، کیا خبر تھی کہ وہ خود ان کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ ڈرائیور کی بے احتیاطی کہیے یا پھر قسمت کی خرابی، جانے کیسے گاڑی ایک موڑ پر مخالف سمت سے مڑتے ہوئے ٹرک سے ٹکرا گئی۔ اسے تو پتہ ہی نہ چلا۔ وہ تو گھر سے ہی آنکھیں موندے منصور پیلس کے تصور میں گم بیٹھی تھی۔ بس ایک جھٹکے نے لحہ بھر کو حواس بخش کر انتہا درجے کی تکلیف و اذیت سے دوچار کر دیا اور پھر اس کے حواس کہیں گم ہو گئے۔ اسے کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔

☆=======☆=======☆

ثوبان آفس سے فارغ ہو کر پارکنگ میں آ کھڑا ہوا تھا۔ جہاز جانے میں بہ مشکل آدھا گھنٹہ تھا۔ اس کا خیال و ارادہ تھا کہ منعمہ کے آتے ہی وہ ایئر پورٹ روانہ ہو جائے گا۔

گھر کے آفس تک کا فاصلہ دس منٹ میں طے ہو سکتا تھا۔ اس نے مزید دس منٹ بے چینی سے انتظار کیا پھر اپنے موبائل سے گھر فون کیا تو ان کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی۔

اب اس کی پریشانی یقینی تھی۔ دل میں اچانک وہم و خدشات سر ابھارنے لگے، گھبرا کر

اس نے ٹیکسی لی راستے ہی میں اسے وہ خبر مل گئی جو اسے پاگل کر دینے کے لیے کافی تھی۔

تصادم کے بعد ڈرائیور جائے حادثہ پر ہی دم توڑ گیا تھا اور وہ موت و حیات کی کشمکش میں آپریشن تھیٹر میں موجود تھی۔ جس پھول کو ان کے آنگن میں مہکنا تھا، بن کھلے ہی مرجھا گیا تھا۔

وہ بدحواس سا آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائے اور کسے پکارے۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا مگر اس کی اذیت ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وقت بھی گویا منجمد ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر کو آپریشن تھیٹر سے نکلتے دیکھ کر وہ بے تابی سے بڑھا۔

''وہ آپ کی مسز ہیں؟'' ڈاکٹر نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔

''جہ.....ی.....'' نہ جانے کیوں ڈاکٹر کا لہجہ اس کے اندر باہر برفیلی لہر دوڑا گیا۔

''پلیز آپ آئیں میرے ساتھ۔'' ڈاکٹر اسے ہمراہ لیے اپنے کمرے میں آیا۔

''کیا وہ ٹھیک ہیں؟''

''ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔''

ضبط سے اس نے پہلے لب چبائے، پھر سر جھٹکا، لمبا سانس کھینچا مگر پھر بھی آنکھوں میں آنے والی نمی کو نہ روک سکا۔

''آپ کا نام مسٹر؟''

''ثوبان منصور۔''

''پلیز ثوبان بیٹھیے۔'' ڈاکٹر سمیع نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود سامنے بیٹھ گئے۔

''آپ کے کتنے بچے ہیں؟''

اس غیر متوقع سوال پر وہ پریشان ہو گیا۔ اندر کہیں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ دل میں اٹھتے سوال کو بہ مشکل زبان دے سکا۔ ''تو..... کیا..... ہمارا بچہ.....''

''شکر ادا کریں کہ آپ کی مسز بچ گئیں ورنہ اس ایکسیڈنٹ میں ان کی جان بھی جا سکتی تھی۔ آپ کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ خاصے حوصلہ مند اور بہادر آدمی ہیں۔ اس لیے میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ..... اب آپ کی مسز دوبارہ ماں نہیں بن سکتیں۔'' ڈاکٹر نے خود بھی یہ سب کچھ بمشکل کہا تھا۔

''او..... نہ..... نو.....'' ثوبان کو لگا کمرے کی چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔ اسے محسوس ہوا جیسے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا ہے۔ اس کا جھٹکوں کی زد میں آنا یقینی تھا اس کی

دنیا ختم ہو گئی تھی۔ اس کے پاس کچھ بھی تو نہیں رہا تھا۔

''بی بریو مسٹر ثوبان منصور! ابھی تو آپ کو اپنی مسز کو بھی سنبھالنا ہو گا، عورتیں اولاد کے لیے زیادہ پوزیسو ہوتی ہیں۔ ایسا کرنا بہت ضروری تھا۔ ہمت سے کام لیں، قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا، آپ نے بھی حوصلہ ہار دیا تو آپ کی مسز کا کیا ہو گا؟''

ثوبان گنگ بیٹھا تھا۔ متحیر و مضطرب، بہت توقف کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوا۔

''مجھے حالات کا اندازہ ہے، مجھے اپنی پروا نہیں ہے مگر وہ یہ صدمہ کبھی برداشت نہیں کر پائیں گی۔'' تقدیر کا اتنا بڑا مذاق اس کی برداشت سے باہر تھا۔

''آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''ابھی تو دو سال بھی پورے نہیں ہوئے۔''

''اس سے پہلے آپ کی مسز کی ایک ڈلیوری ہو چکی ہے؟''

''جی!''

''اس کا مطلب ہے ایک بچہ تو ہے ناں آپ کے پاس..... خدا کا شکر ادا کریں، لوگ تو ساری عمر اولاد کو ترستے ہیں آپ کو تو پھر بھی اس نے اپنی نعمت سے نواز دیا ہے۔ اس کی ذات بڑی کریم ہے مگر اس کی مصلحتیں وہی جانتا ہے، ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

ڈاکٹر کی نگاہ اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر تھی۔ وہ ''ایک بچہ'' بھی اب ان کا کہاں تھا، اس سے تو انہوں نے پیار کا رشتہ بھی نہ رکھا تھا کہ کہیں ان کا پیار کمزور لمحوں کی لپیٹ میں نہ آ جائے اور اپنا فطری رنگ دکھا دے۔

ڈاکٹر اسے حوصلہ دے رہا تھا۔ ''آپ کی وائف کو صحت یاب ہونے میں کافی عرصہ لگ جائے گا، ان کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ فی الوقت انہیں کچھ نہ بتایا جائے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں خود علم ہو جائے گا۔ اس طرح آپ اور ہم، انہیں اچھی طرح ٹریٹ کر سکتے ہیں پھر آپ کا پہلا بچہ انہیں سنبھلنے میں کافی مدد دے گا۔''

''ڈاکٹر صاحب وہ بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔'' اس نے اندر سے اٹھتی چیخوں کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔

ڈاکٹر نے حیرت و افسوس سے اس کے ہیجانی انداز کو دیکھا۔ ''ویری سیڈ! آئی ایم سوری ثوبان صاحب، خدا کی طاقت کے آگے سب بے بس ہیں، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ایکسیڈنٹ اس قدر زبردست ہوا تھا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گئی تھیں۔ ہم نے مجبوراً سرجری کی ہے۔ ہمارے لیے ان حالات میں کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ صبر اور حوصلے سے کام لیں خدا کو بھی

یہی منظور تھا۔''

منعمہ کی محبت پہلے سے زیادہ اس کے دل میں موجیں مارنے لگی۔ ''ان کے لیے تو اب کوئی خطرے کی بات نہیں نا؟''

''نہیں اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔ آپریشن ہو چکا ہے، کچھ دیر میں انہیں روم میں منتقل کر دیا جائے گا پھر ان شاء اللہ، مجھے یقین ہے ہمارے علاج سے زیادہ، آپ کی محبت انہیں جلد ٹھیک ہونے میں مدد دے گی۔''

ایک بے بس سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی۔

ڈاکٹر نے ناصحانہ انداز میں پھر تسلی دی۔ ''مایوس نہیں ہوتے ثوبان صاحب! دنیا ترقی کی جس بلندی پر ہے وہاں کچھ بھی ناممکن نہیں رہا۔ آپ کی وائف ٹھیک ہو جائیں تو بہت سی راہیں ہیں جو میڈیکل سائنس نے متعین کی ہیں اور جنہیں آپ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ کی مسز، ایک تو پہلے کی طرح صحت مند ہو جائیں، دوسرے ذہنی طور پر بھی تیار ہوں۔''

ڈاکٹر نے اسے مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی راہ دکھائی تھی حالانکہ ابھی وہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا، فی الوقت تو اس کی زندگی میں مایوسیاں اور اندھیرے ہی تھے۔

آئی سی یو میں منعمہ کے بے حس و حرکت وجود پر اس کی نگاہ ٹھہر ہی نہ سکی۔ چند ہی گھنٹوں میں وہ برسوں کی مریض نظر آنے لگی تھی۔ وہ جو چند روز سے اس کے روز بہ روز بڑھتے حسن اور دلکش روپ کو دل ہی دل میں سراہتا رہا تھا، اب اس کا مخدوش وجود رگوں میں دوڑتے لہو کو منجمد کرنے لگا، اسی لیے وہ نکلتا چلا گیا۔ ہوش تو اسے تب آیا جب وہ گھر پہنچا۔

اُفق پر سپیدی سحر نمودار ہو رہی تھی، اجالے کی لہریں سیاہ رات پر حاوی ہوتی جا رہی تھیں لیکن اسے ہر چیز اندھیرے میں ڈوبی لگ رہی تھی۔ اس کی آمد پر، اس کے حلیے کو دیکھ کر ملازمین فکر و پریشانی میں آگے بڑھے، لہجے اور آنکھیں ان کی کیفیات کی غماز تھیں۔ ان کے خیال میں تو وہ دونوں لاہور میں تھے مگر مالک کو یوں تنہا اور پریشان صورت دیکھ کر وہ ٹھٹک کے رہ گئے۔

''صاب خیر تو اے، بی بی صیب کدھر گیا؟'' روشن نے ہمت کر کے پوچھا۔ ''آ.....پ لہور نئیں گیا۔''

وہ آتے ہی لونگ روم میں کاؤچ پر ڈھے سا گیا تھا۔ ان کے سوالات سن کر ذرا سنبھلا۔

''رات کو یا اس سے پہلے یا پھر اب تک، لاہور سے کوئی فون تو نہیں آیا؟'' اس کی سوچنے سمجھنے کی حس بیدار ہونے لگی۔

''نئیں.....صاب.....پر.....وہ.....بی بی.....'' روشن بے حد بے چین تھی۔

''یہاں سے جاتے ہوئے ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' ثوبان نے بڑے ضبط سے بتایا۔ لہجے میں نمی گھل گئی۔

''کیا؟ نہ.....نئیں صاحب۔'' روشن کو یقین نہ آیا مگر اس کی حالت اصل ثبوت تھی۔

''آپ ہمیں اطلاع تو دیتے ہم اپنی جان قربان کر دیتے صاب۔'' اللہ بخش اور کرم داد رنج و افسوس کی تصویر بنے قریب آ گئے۔ ذہنوں میں ہلچل مچی تھی۔

روشن زار و زار رونے لگی۔ ''ان کو کسی بدنظر کا نظر کھا گیا، صاب وہ کیسا حسین لگتا تھا، وہ ٹھیک تو اے، وہ ٹھیک تو ہو جائیں گا ناں صاب؟''

''روشن پلیز، میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں، خدا کے لیے.....'' وہ اس کی گریہ زاری برداشت نہیں کر سکا۔

روشن کتنی آسانی سے اپنے دکھ کا اظہار کر رہی تھی اور وہ رونے کی خواہش کے باوجود دل میں اٹھتے طوفان کو ضبط کے بندھن میں باندھتا پھر رہا تھا۔

اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے اپنے والٹ سے ایک کاغذ پر لکھا پتا نکال کر اللہ بخش کو تھمایا اور کچھ رقم بھی۔ ''جمیل (ڈرائیور) کے گھر چلے جاؤ، اس کے کفن دفن کا انتظام کرو، میں واسطی (منیجر) کو فون کر دیتا ہوں، وہ بھی آ جائے گا جس چیز کی ضرورت ہو وہ کر دے گا۔''

منعمہ کے غم کے ساتھ اسے ڈرائیور کی موت نے بھی جھنجھوڑ دیا تھا۔

''اپنی بی بی کے لیے تم لوگ دعا کرو، اب مجھے کوئی پریشان نہ کرے۔''

وہ پھر وہاں رکا نہیں، سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا اور اسی حالت میں بستر پر گر گیا۔ دل میں مچلتا اٹھتا طوفان، بپھرتا ہوا باہر آ نکلا۔ ایک اونچا لمبا مرد رو رہا تھا، بلک رہا تھا، اپنی بے بسی، اپنی بدنصیبی پر.....سامنے لگی منعمہ کی پورٹریٹ بھی اسے روتی بین کرتی محسوس ہوئی۔

کاش مونا میں خود آپ کو لینے آ جاتا یا پھر لاہور جانے کا پروگرام ہی نہ بناتا۔ آئی ایم سوری ہنی یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ اگر مجھے وہم بھی ہو جاتا کہ میرا سب کچھ ختم ہو جائے گا، میری سب سے بڑی دولت چلی جائے گی، میرا سرمایۂ حیات لٹ جائے گا تو میں میٹنگ ہی کینسل کر دیتا، پلیز مونا مجھے معاف کر دینا۔''

وہ پچھتاوؤں میں گھرا بری طرح سسک اٹھا۔ تبھی فون کی بیل چیخ اٹھی بلکہ کافی دیر تک چیختی رہی، چند ثانیے اسے خود کو سنبھالنے میں لگے۔

دوسری طرف زبیدہ منصور تھیں۔ ''ثنی تم لوگ ٹھیک تو ہو؟'' وہ ماں تھیں جو اولاد کے دکھ پر اس سے پہلے تڑپ جاتی ہے، ان کا پہلا سوال یہی تھا۔

''جی امی جان، میں ٹھیک ہوں۔'' کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے کی لرزش پر قابو نہ پا سکا۔

''بیٹا تمہاری آواز..... سنو جو بات ہو مجھ سے کہہ دینا میں رات بھر سو نہیں سکی، برے برے وہم و خواب آتے رہے ہیں۔'' زبیدہ منصور کا لہجہ بھی بھیگ گیا۔

ماں کا نم لہجہ اسے بے قابو کرنے کے لیے کافی تھا۔ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے اپنی آہوں کو روکتے ہوئے سوچا۔ سب سچ ہے امی، آپ کے وہم بھی اور خواب بھی۔

''ثنی! میرے بچے، میں تو کل رات تک تم دونوں کا انتظار کرتی رہی، سب کو یقین تھا کہ تم دونوں ضرور آؤ گے۔ رات تک تم نہیں آئے تو میں نے سوچا کہ تمہیں کوئی ضروری کام ہو گا یا منعمہ کی طبیعت اچھی نہیں ہو گی، ان دنوں میں عورت کی طبیعت بھی پل میں تولہ پل میں ماشہ ہو جاتی ہے۔ تم گھبرانا نہیں، ایسا ہو جاتا ہے۔'' وہ منعمہ کا ذکر کرتے ہوئے سنبھل گئیں مگر وہ سنبھل نہ سکا۔

''امی جان پلیز آپ آجائیں۔''

''کک..... کیا ہوا ہے۔ منعمہ تو ٹھیک ہے ناں؟''

''وہ ٹھیک نہیں ہیں امی، خدا کے لیے امی آپ آجائیں ورنہ.....''

''ثنی..... کیا بات ہے، کیا ہوا ہے اسے، مجھے تو رات ہی سے وہم ستا رہے ہیں۔ یہاں اتنی رونق تھی سب موجود تھے مگر..... مگر تم دونوں ہی نہیں تھے، میرا دل کٹ رہا تھا، کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ثنی ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا بات ہے۔'' زبیدہ منصور بھی بے قابو ہو گئیں۔

''اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ و..... وہ ڈرائیور کے ساتھ میرے آفس آرہی تھیں کہ راستے میں..... امی، امی میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ وہ بہت زخمی ہیں، میں..... میں کیا کروں امی۔'' وہ اونچی آواز میں سسک اٹھا۔

وہ بھی تڑپ اٹھیں۔ بیٹے کے آنسو ان کے اندر آگ لگا گئے۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ بیٹے کی زندگی میں کوئی بڑا طوفان ہی آیا تھا ورنہ وہ اس طرح بے قابو کبھی نہ ہوتا اور ماں کے

آگے اپنا حوصلہ کبھی نہ ہارتا۔

''ثوبان! بچے میں آرہی ہوں، تم حوصلہ کرو، سنبھالو خود کو، میں جلد سے جلد آرہی ہوں۔'' اس موقع پر انہوں نے جانے خود کو کیسے سنبھالا ہو گا لیکن ثوبان کافی دیر تک فون پکڑے خود کو حوصلے دیتا رہا۔

''ثنی یار حوصلہ کرو۔ تم بے قابو ہو گئے تو ہنی کو کون سنبھالے گا، امی کو کیسے سمجھاؤ گے۔ تمہارا یہ انداز کسی کو بھی حقیقت تک پہنچا دے گا۔ اگر یہ حقیقت مونا کے علم میں آگئی تو وہ تو مر جائیں گی، کیا تم انہیں مرتا دیکھ سکتے ہو؟ جنہوں نے تمہارے عہد کو پورا کیا تھا، تمہیں معتبر بنا دیا تھا۔ اپنی ممتا کی قربانی دے کر تمہارا مان بڑھایا تھا۔ تمہیں زندگی کی حقیقی خوشیوں سے روشناس کروایا تھا، تمہیں محبت کے معنی سمجھائے۔ اس جھوٹ اور فریب کی دنیا میں وفا کو قائم رکھا۔ اپنا آپ مٹا کر اپنا سب کچھ بھلا کر صرف تمہاری رفاقت کی خاطر یہ راستہ چنا تھا۔ اپنی ممتا کو تج دینے کا، اپنی اولاد کو بھلانے کا، صرف تمہاری خاطر ورنہ کس کے لیے وہ ایسا کرتیں یا کون انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اٹھو خود کو سنبھالو، اپنے آپ کو حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرو، بلکہ منعمہ کا سامنا کرنے کے لیے۔ وہ تو ایک نظر میں تمہارے اندر کا حال جان لیتی ہیں اگر وہ جان گئیں تو بکھر جائیں گی، ٹوٹ جائیں گی، پھر کیسے سنبھالو گے، کیسے سمیٹو گے۔ تمہیں انہیں بکھرنے سے بچانا ہے۔''

اپنے دل کی آواز پر اس نے خود کو سنبھالا، دل کو مضبوط کیا، حوصلے مجتمع کیے، اعصاب کا تناؤ ختم کرنے کے لیے گرم شاور لیا پھر کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر جھانکا۔

سردی کی ٹھٹھرتی صبح سب کچھ اپنے اندر ضم کرتی لگ رہی تھی۔ سورج دھند کے مرغولوں میں چھپا اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی بے نام سی کوشش کر رہا تھا۔

لمبا سانس کھینچ کر وہ واپس مڑا۔ فون اٹھا کر ہسپتال کے نمبر پش کیے۔ کمرے میں موجود نرس سے منعمہ کے بارے میں دریافت کیا۔ وہ ہنوز بے ہوش تھی اور مزید چوبیس گھنٹوں کے لیے اسے بے ہوش ہی رکھا جانا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ ہوش میں آنے کے بعد اسے کس طرح سنبھالے گا، کیا کہے گا، کن بہلاوؤں سے بہلائے گا۔

وہ سوچوں میں گم تھا تبھی روشن کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔

وہ اس کے پکارنے پر چونکا۔ ''صاب چائے پی لو۔'' بھاپ اڑاتا چائے کا کپ اس کی تھکن بیدار کرنے لگا مگر دل کچھ بھی لینے سے منکر تھا۔

''میں نے کہا تھا، مجھے تنگ مت کرنا۔'' پہلی بار اس کے لہجے میں سختی تھی لیکن روشن نے پروا نہ کی۔

''چائے پی لو صاب! تھوڑا سکون دے گی، آپ پریشان رہے تو بی بی کو کون سنبھالے گا۔ بی بی کو اللہ تعالیٰ آرام دے گا۔ آپ بھی تھوڑا آرام کرلو۔''

ثوبان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ملول وغمزدہ روشن اسے حوصلے کا سبق دے رہی تھی۔

''اچھا رکھ دو اور سنو، پلیز اب تنگ مت کرنا، میں شاید سو جاؤں۔ لاہور سے جب تک کوئی نہ آئے، تب تک اِدھر کوئی نہ آئے۔'' اس نے تنبیہ کی، جانتا تھا کہ چائے کے بعد روشن ناشتہ اٹھا لائے گی۔

چائے پی کر اس نے بمشکل خود کو سونے پر آمادہ کیا۔ ذہن ودل پر بہت بوجھ تھا۔

پہلی فلائٹ سے سبھی آ گئے۔ سب از حد پریشان تھے۔ زبیدہ منصور، روشن کے بتانے پر سیدھی اس کے بیڈروم میں آ گئیں۔

وہ بمشکل خود کو سونے پر آمادہ کر سکا تھا، آہٹ پر بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ لاشعور میں کوئی خوف بیٹھا تھا۔

ماں کو سامنے دیکھتے ہی دل کے درد میں شدت آ گئی مگر اب اسے ضبط کرنا تھا، اپنے ساتھ انہیں بھی حوصلہ دینا تھا۔ انہوں نے بے تابانہ اسے بانہوں میں سمیٹا اور اپنے ضبط کا دامن چھوڑ دیا۔

''امی اب وہ ٹھیک ہیں، خدا کے لیے خود کو سنبھالیں۔''

''مجھے اس کے پاس لے چلو، کس حال میں ہے وہ اور تم یہاں ہو؟'' ان کی تڑپ، ان کی بے تابی یقینی تھی، آخر اس نے ان کی بیٹی کی خزاں رسیدہ آغوش کو بہار دی تھی۔

''ابھی وہ ہوش میں نہیں ہیں۔ کسی کو قریب جانے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ بیٹھیے امی۔'' اس نے حتی الامکان اپنے درد کو چھپایا اور ماں کو زبردستی بٹھایا۔ سب لوگ وہیں چلے آئے۔ اسے حوصلے اور تسلیاں دیں۔ ایکسیڈنٹ کی تفصیل معلوم کی، منعمہ کی حالت کے بارے میں دریافت کیا۔

سب کچھ بتاتے ہوئے منعمہ کا زرد چہرہ آنکھوں میں آ سمایا۔ بڑے ضبط سے اس نے خود کو بکھرنے سے بچایا۔

رباب نے بغور اسے دیکھا، قریب آ کر بڑے پیار سے دوستانہ انداز میں سمجھانے لگی۔

''مضبوط مرد بنو، خدا بہتر کرے گا، تشویش والی کوئی بات نہیں ہے تو وہ جلد ٹھیک ہو جائے گی پھر

شکر کرو کہ اللہ نے اس کی جان بچا دی، کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، اس کی مرضی سے پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ اللہ کی مرضی نہیں تھی ورنہ یہ سب کیوں ہوتا۔ اولاد تو پھر آ جائے گی۔ سب کچھ اس کی زندگی سے ہے اگر وہی نہ رہتی تو؟''

''پلیز بھابی! ایسے نہ کہیں۔ آپ نے کس طرح سمجھ لیا کہ میں صرف بچے کے لیے اس قدر اَپ سیٹ ہوں؟ آپ نہیں جانتیں میں منعمہ کی وجہ سے اَپ سیٹ ہوں۔ آئی ایم شاکڈ، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کا سامنا کیسے کروں گا، وہ اس حادثے کا جانے کیا اثر لیں۔''

اسے دکھ ہوا تھا، رباب نے اسے غلط سمجھا تھا۔

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ خود ذرا اپنی حالت درست کرو، یوں منہ پر حسرت ویاس لیے اس کے سامنے گئے تو وہ یقیناً غلط اثر لے گی۔ فی الوقت اس کے ذہن ودل میں بھی ایک ہی سوال ہوگا۔ اگر تم اس سوال کو نظر انداز کر دو گے تو یقیناً وہ کوئی اثر نہیں لے گی بلکہ دیکھ لینا، وہ بہت جلد اچھی ہو جائے گی۔'' رباب نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''میں جانتا ہوں، آپ فکر نہ کریں میں ٹھیک ہوں۔''

رابعہ نے بھی خدا کی مصلحتیں سمجھاتے ہوئے اسے تسلی دی۔

جس وقت منعمہ کو ہوش آیا اس وقت تقریباً سب ہی وہاں موجود تھے۔ کئی لمحے تو اس کے حواس نے کام ہی نہ کیا لیکن ذرا غور کرنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ کہاں ہے۔ ہسپتال کا کمرا اور اپنا بے حس وجود، اسے سب کچھ یاد دلا گیا۔ ایک خالی پن سا اسے اپنے اندر محسوس ہوا۔ اس احساس پر اس کا دل جیسے کسی نے مسل کر چھوڑ دیا ہو، تکلیف کی وجہ سے اس نے آنکھیں بھینچ لیں۔

سب اسے آنکھیں کھولتے دیکھ چکے تھے۔ اس کے اس طرح آنکھیں بند کرنے پر تشویش وبے تابی سے قریب آ گئے۔

''منعمہ بیٹی کیا ہوا، تم ٹھیک تو ہو؟'' زبیدہ منصور جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھے پوچھ رہی تھی۔

ڈاکٹر سب کو پیچھے ہٹاتا ہوا اس کی نبض دیکھنے لگا۔ اسٹیتھو سکوپ سے اس کی دھڑکن کی رفتار سنی۔ وہ ہنوز آنکھیں بند کیے رہی۔

''آپ لوگ پلیز کچھ دیر کے لیے کمرے سے چلے جائیں۔'' ڈاکٹر نے سب کو جانے کے لیے کہا مگر ثوبان کو روک لیا۔ دل میں وہم وگمان لیے سب باہر چلے گئے۔ ثوبان بھی تشویش میں مبتلا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا قریب آ گیا۔

''مسز ثوبان آنکھیں کھولیے۔''

ڈاکٹر کی شفقت بھری آواز اس کی سماعت کو بھلی لگی تبھی اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔ سامنے ثوبان تھا، چہرے پر نرمی و ملائمت لیے۔

''کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟''

اسے حد درجہ کمزوری و نقاہت ہو گئی تھی، آنکھوں کے آگے جالا سا تھا۔ قطرہ قطرہ گلوکوز اب بھی اس کے وجود میں اُتر رہا تھا۔

اس کی مسلسل خاموشی پر ثوبان سامنے سے ایک طرف آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ منعمہ کی نظر نے بھی سفر کیا۔ تبھی ثوبان نے گردن موڑ کر ڈاکٹر سے کہا۔ ''ڈاکٹر، میرے خیال میں ان کا ذہن ابھی تک اسی جگہ رکا ہوا ہے۔''

''میرا بھی یہ ہی خیال ہے۔ ان کو مکمل آرام کی ضرورت ہے۔''

''مگر میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''آل رائٹ مگر احتیاط سے، کوئی ایسی بات نہ ہو۔'' ڈاکٹر نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور باہر نکل گئے۔

''ہنی کیسی ہیں آپ؟'' ثنی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ثوبان کی آواز پر اس کی تمام حسیں بیدار ہو گئیں۔ آنکھیں برس جانے کو مچل اٹھیں لب تھرتھرانے لگے۔

''مونا جو ہوا ہے، اسے بھول جائیں۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''مگر ثنی..... ہمار..... ا..... بچہ!'' وہ مچلتے آنسو روک نہ سکی۔

''ہنی رونے کی کیا بات ہے، خدا کا شکر ادا کریں، اس نے آپ کی جان بچائی۔ یہ اسی کی مصلحت تھی۔ ان شاء اللہ وہ ہمیں آئندہ مایوس نہیں کرے گا۔''

ثوبان نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے مگر وہ اس کے ہاتھ تھام کر مزید سسک اٹھی۔

اس نے تھوڑی دیر اسے رونے دیا پھر آہستہ سے بولا۔ ''منعمہ! اس طرح تو آپ کی طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔ آپ جانتی ہیں، آپ کے رونے سے میں کتنا اَپ سیٹ ہو جاتا ہوں، ڈاکٹر نے بھی منع کیا ہے۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے، گھر سے بھی سب آئے ہوئے ہیں، خالہ جان اور خالو جان بھی آنے والے ہیں۔ آپ ان کے سامنے اس طرح

روئیں گی تو وہ کیا سوچیں گے، کتنا صدمہ ہو گا انہیں۔ آپ کی حالت دیکھ کر وہ پہلے ہی پریشان ہوں گے۔ پلیز ہنی، جو کچھ ہوا ہے، اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں، بس اللہ کی مرضی نہیں تھی کہ وہ بچہ ہماری آغوش میں پرورش پاتا۔ اس طرح رو کر خدا کی ناشکری مت کریں۔ میں تو اس روز سے شکر گزاری کرتا رہا ہوں کہ اس نے آپ کی زندگی بچا دی۔ اگر آپ کو خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو میں آپ کے بنا کیا کرتا، کیسے جیتا۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں اب آپ کو سب کچھ بھلا کر اپنی صحت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ میں وعدہ کر چکا ہوں کہ آپ ایسا ہی کریں گی، اب آپ کو جلد از جلد ٹھیک ہو کر میرا وعدہ پورا کرنا ہو گا، کیوں؟ نبھائیں گی ناں میرا وعدہ؟''

وہی شادی کی پہلی رات والا انداز، ملائمت نرمی، مان.....

منعمہ اس کی محبت میں جیسے بے بس ہو گئی۔ اثبات میں سر کو ذرا سی جنبش دی تو اس نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

''مجھے یقین تھا آپ میری کوئی بات نہیں ٹال سکتیں، اب بس آرام کریں۔''

احمد علی اور ان کی بیوی صدمے کی کیفیت میں بیٹی کے پاس پہنچے۔ یہ سب ان کے لیے بھی ناقابلِ برداشت تھا پھر بیٹی کو اس شکستہ حالت میں دیکھ کر تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ ثوبان نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھایا، بیٹی کو تسلی دینے کی ہمت بندھائی۔

سب سے بڑا دکھ اس کا اپنا تھا اور وہی سب کو سنبھالتا پھر رہا تھا۔ یہ وقت اس کے لیے جتنا مشکل تھا، یہ وہی جانتا تھا، کس جتن سے اس نے خود پر قابو پا رکھا ہے۔ یہ اسی کو خبر تھی۔

کوئی کب تک ساتھ دیتا، کاروبارِ زندگی چلانے کے لیے سب کو اپنی اپنی جگہ جانا تھا سو چلے گئے۔ وہ اکیلا اپنے غم سے لڑنے اور منعمہ کو سنبھالنے کے لیے رہ گیا۔

وہ کافی حد تک ٹھیک ہو گئی تھی۔ ہسپتال سے گھر آنے کے بعد ثوبان کا سارا وقت اس کے قریب گزرتا۔ ایک نرس رکھنے کے باوجود وہ اس کے کئی ایک کام خود کرتا تو وہ آنکھوں میں منت بھر کے اشاروں میں منع کرتی، کبھی زبان سے کہتی۔ خون کی کمی اور کمزوری کے باعث بولتے ہوئے اس کے سر میں دھمک پیدا ہوتی تھی اس لیے وہ کم سے کم بولنے کی کوشش کرتی تھی۔

ثوبان اسے ہر طرح سے قائل کرتا۔ ''اگر میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو کیا آپ میرا خیال نہ رکھتیں؟''

وہ بے بسی سے فوراً ہتھیار ڈال دیتی۔

ثوبان کی محبت میں رتی بھر فرق نہیں آیا تھا۔ وہی رویے، وہی احساس۔ اس کی کوشش ہوتی کہ منعمہ کو ہر طرح خوش رکھے۔ وہ جن باتوں سے زیادہ خوش ہوتی، وہی دہراتا۔ زبیدہ منصور کی دوبارہ آمد پر اس نے بمشکل اصرار پر آفس جوائن کیا۔

وقت نے دونوں کے زخم مندمل کرنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن کبھی کبھی ثوبان کو لگتا کہ اس کے زخم آج بھی ویسے ہی ہرے ہیں۔

امی جان جب دونوں کو پھر کسی نئے مہمان کی آمد کے بہلاوے دیتیں تو اس کے اندر درد کے دریا بہنے لگتے مگر وہ دریا اندر ہی اندر بہتے اس نے انہیں ضبط کے بندھنوں سے باندھ رکھا تھا۔

بہار کی آمد نے ان دونوں کی زندگی پر بھی خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ منعمہ کافی سنبھل گئی تھی۔ ثوبان کی محبت و توجہ نے اس کے صدمے کو زائل کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی تھی۔ وہ صبر و شکر کی مکمل تصویر بنی ہوئی تھی۔ پہلے روز کے بعد اس نے کبھی بچے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا اور اس کی یہی خاموشی ثوبان کو سلگا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا یہ خاموشی وہ صبر ہے جو جزا و انعام کی متمنی ہے۔ اپنے آئندہ سے پُر امید، یہ خاموشی بے خبر تھی بلکہ بے بس.....

شادی سے پہلے بلکہ شادی کے بعد بھی اس نے کبھی سگریٹ نوشی نہیں کی تھی لیکن اس سانحے کے بعد سے وہ سگریٹ پینے لگا تھا۔ منعمہ اس بات سے بے خبر تھی۔ وہ شاید اندر کی آگ کو اس آگ سے بجھانا چاہتا تھا۔

آج بھی منعمہ کو خبر نہ ہوتی اگر اچانک اس کی آنکھ نہ کھل جاتی اور وہ اسے بستر پر موجود نہ پا کر ٹی وی لاؤنج میں نہ آ جاتی جہاں وہ صوفے میں دھنسا ٹی وی پر نظر جمائے گہرے گہرے کش لے رہا تھا۔ اپنے اردگرد سے بے خبر.....

درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ وہ سگریٹ پیتے ہوئے منعمہ کی آمد کا کسی لمحے بھی منتظر رہتا تھا۔ اب بھی اندھیرے میں اس کے ہیولے کو دیکھتے ہی اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا تھا اور دھواں ایک طرف چھوڑ کر ہاتھوں سے اِدھر اُدھر بکھیرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ الجھتی ہوئی قریب آ گئی۔ لاؤنج میں اگرچہ اندھیرا تھا لیکن ٹی وی کی لائٹ بھی کافی تھی جس کی روشنی میں وہ ثوبان کا سارا عمل دیکھ چکی تھی۔

اس اثنا میں وہ بھی اس کے سوالوں کے لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔ اس کو چھیڑنے کے لیے پہل بھی خود کی۔ ''اینی پرابلم؟ کوئی بات ہے، آپ کیوں جاگ گئی ہیں؟''

''اگر یہی بات میں آپ سے پوچھوں تو؟''

''مجھے تو نیند ہی نہیں آئی تھی۔'' ثوبان نے اس کا ہاتھ تھام کر صوفے پر بٹھایا پھر خود بھی بیٹھ گیا۔

''کیوں نیند نہیں آئی تھی؟ کوئی پریشانی ہے آپ کو؟''

''کوئی پریشانی نہیں ہے، نیند بھی اس لیے نہیں آئی تھی کہ شام کو ایک ڈیڑھ گھنٹہ سو لیا تھا۔'' اس کی پُرفکر نظروں کی خاطر بے وجہ مسکرا دیا۔

''اور..... یہ..... اسموکنگ؟ پہلے تو آپ نے کبھی.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''بس کبھی کبھی اسموکنگ کو دل چاہتا ہے تو.....''

''لیکن پہلے تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ آج پہلی بار۔ آپ جانتے ہیں یہ صحت کے لیے مضر ہے۔ ویسے میں نے سن رکھا ہے کہ جب کوئی بڑی پریشانی ہو تو لوگ ان چیزوں کی طرف جاتے ہیں۔''

''غلط سنا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ پریشانی ہی میں بندہ یہ راہ اختیار کرے۔ کبھی کبھی یہ سب شغلاً بھی ہو جاتا ہے۔ آپ میرے بارے میں پریشان مت ہوں۔ سوئٹ ہارٹ، میں پہلے بھی یار دوستوں کے ساتھ کبھی سگریٹ پی لیا کرتا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی گزرے دنوں کو یاد کرتے ہوئے ایسا بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کو پسند نہیں ہے تو آئندہ نہیں پیوں گا۔ رائٹ؟''

''تھینک یو۔ بات صرف میری پسند کی نہیں ہے۔ بات صحت کی بھی ہے، پھر یہ عادتیں پڑ جائیں تو جلد نہیں چھوٹتیں۔'' منعمہ سے دل کی بات دبائی نہ گئی۔

''بلیوی، ایسی مجبوری بھی نہیں ہے۔ کہہ تو رہا ہوں، آئندہ نہیں پیوں گا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس آپ کو اس طرح بیٹھا دیکھ کر دل پریشان ہو گیا تھا، آپ خود سے کوئی بات بتاتے بھی تو نہیں۔''

''کوئی بات ہو تو بتاؤں ناں، چلیں اٹھیں، سوئیں چل کر۔'' ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے ہوئے اسے بازو سے تھام کر کمرے میں آ گیا۔

منعمہ کو جانے کیسے یہ خیال آ گیا تھا اور دل میں وہم بیٹھ گیا تھا کہ ثوبان کسی بڑی پریشانی میں مبتلا ہے اور اس کی طبیعت کی وجہ سے اس پر کچھ ظاہر نہیں کرتا اسی لیے وہ اپنے طور پر اس کے رویوں کو پرکھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ حالانکہ وہ اول روز کی طرح اسے بھرپور توجہ دیتا۔ اس کی محبت میں رتی بھر کمی نہیں ہوئی تھی مگر وہ پھر بھی اس کے پریشان رہنے کی اصل وجہ جاننا

چاہتی تھی۔

یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ اصل وجہ اسے جلد ہی معلوم ہوگئی۔ اپنی نئی رپورٹس لینے کے لیے ڈاکٹر سمیع کے کلینک وہ اکیلی ہی چلی آئی تھی، حالانکہ ثوبان نے منع کیا تھا کہ وہ آفس سے واپسی پر خود لیتا آئے گا۔ ابھی وہ اندر جانا ہی چاہتی تھی کہ ڈاکٹر اور ثوبان کی آوازیں اسے رکنے پر مجبور کر گئیں۔

ڈاکٹر کسی ''خاص'' بات کے لیے ثوبان کی ہمت بندھا رہا تھا۔ ''سارے انتظام میں خود کروں گا، آپ کو صرف اپنی مسز کو تیار کرنا ہوگا۔''

اپنے کانوں سے سنی جانے والی پہلی بات پر ہی اس کا ماتھا ٹھنکا۔ دم سادھے وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی رہی۔

''یہ بہت مشکل ہے ڈاکٹر صاحب، میں منعمہ سے کسی قیمت پر نہیں کہہ سکتا تھا کہ.....''

درد و ضبط کی کٹھن منزلوں سے گزرنے کے بعد وہ اپنی بات پوری کر سکا۔ ''بہت مشکل ہے، میں اتنے دلاسے اور امیدیں دلانے کے بعد کیسے کہہ دوں کہ انہیں ماں بننے کے لیے ایک دشوار منزل طے کرنا ہوگی۔ مجھے پورا یقین ہے وہ کبھی برداشت نہیں کر پائیں گی کہ خدا نے انہیں ماں بننے کی نعمت سے محروم کر دیا ہے۔ امپاسبل، آپ نہیں جانتے، اول روز سے جس عذاب ناک کرب کو میں برداشت کرتا آ رہا ہوں، وہ اذیت میں کسی صورت بھی منعمہ کی زندگی میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔''

ثوبان کی آواز، اس کا کرب میں ڈوبا لہجہ منعمہ پر آگہی کے کئی در وا کر گیا۔ اس کے سر پر جیسے بم پھٹا، پل میں دنیا اندھیری ہوگئی۔ وہ اگلے ہی لمحے دروازے کے قریب بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

دھماکے پر ڈاکٹر اور ثوبان نے دروازے کی طرف دیکھا۔ منعمہ کی جھلک پاتے ہی ثوبان بے اختیاری میں اس کی طرف بڑھا اور ڈاکٹر سے پہلے اسے بازوؤں میں اٹھا کر کمرے میں موجود بیڈ پر لٹا دیا پھر اس کے گال تھپتھپا کر ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر نے اسے ہٹا کر اسٹتھو سکوپ لگا کر اس کا معائنہ کیا۔ ''شی از شاکڈ، ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔''

''اسی دن سے تو میں ڈرتا تھا ڈاکٹر۔''

''وقتی صدمہ ہے، میرا خیال ہے۔ اب ہم اچھی طرح بریف کر سکیں گے۔ بس خود کو سنبھالو۔'' پھر بیل بجا کر نرس کو بلایا۔ فوری ٹریٹمنٹ دی۔

ثوبان دیر تک ایک طرف خاموش و ساکت کھڑا کشمکش میں مبتلا رہا۔ اسے تشویش ہو رہی تھی کہ اب نہ جانے منعمہ کا ردِعمل کیا ہو۔ وہ خود میں ہمت نہیں پا رہا تھا کہ اس کا سامنا کر سکے۔

ڈاکٹر انجکشن لگا کر اس کی طرف مڑا۔ ''ثوبان، یہ تین چار گھنٹوں میں ہوش میں آ جائیں گی۔ تب تک خود کو کنٹرول کرو، تمہارا کیا خیال ہے، ہوش میں آنے کے بعد منعمہ کو یہاں رکھا جائے یا گھر لے جاؤ گے۔''

''گھر لے جاؤں گا بلکہ اگر اجازت ہو تو ابھی، یہاں سنبھالنا بہت مشکل ہوگا۔''

''ابھی دیکھو ہوش میں آنے کے بعد طبیعت بگڑنے کا زیادہ امکان ہے۔''

''اسی لیے تو چاہتا ہوں کہ گھر لے جاؤں۔ ہسپتال کا ماحول انہیں اَپ سیٹ کر دے گا، فطری طور پر یہ اس ماحول سے بدظن ہیں۔ پلیز ڈاکٹر یہ بہت ضروری ہے۔''

ثوبان کے دل میں جانے کیا تھا کہ ڈاکٹر کو اس کی بات ماننا پڑی۔

پھر وہ اسے بہت احتیاط سے گھر لے آیا۔

''بی بی کو کیا ہوا صاب؟'' روشن نے ہمت کر کے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا، پریشانی کی بات نہیں ہے۔'' وہ خود کو سنبھال چکا تھا، لہجے میں قدرے اطمینان سمو کر بولا۔

''تم لوگ اپنے اپنے کمروں میں آرام کرو۔ ادھر کوئی نہیں آئے گا، انڈر اسٹینڈ۔''

انہیں واپس کر کے وہ منعمہ کے پاس آ بیٹھا۔ اس کے کمزور وجود کو نظروں کے حصار میں لیتا ہوا خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرتا رہا۔

یہ وقت تو اس کے لیے پہلے سے بھی زیادہ کٹھن تھا۔ صحیح معنوں میں اسے آج اس گزرے حادثے کا سامنا کرنا تھا۔

ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق وہ تین چار گھنٹوں میں ہوش کی دنیا میں لوٹنے لگی۔ ثوبان کے لیے یہ وقت صدیوں کے برابر تھا۔ اس تمام عرصے میں وہ خود بھی نڈھال ہو چکا تھا۔

منعمہ کی حرکت کرتی پلکیں، لرزتے لب اور چہرے پر پھیلے کرب کے سائے اس کی ہمتیں توڑنے لگے۔

آہستہ آہستہ منعمہ کا سر، اس کی گردن دائیں بائیں جنبش کرنے لگے۔ وہ ہونٹوں کے اندر ہی اندر بے آواز کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر اس کی نحیف سی آواز پکار بن کر اسے ہلا گئی۔

''شی..... شی..... شہ..... نہ..... ی۔''

وقفے وقفے سے اس کی تکرار نے اسے کچھ حوصلہ بخشا۔ کئی ایک خدشات دم توڑ گئے۔

''میں یہیں ہوں آپ کے پاس، آنکھیں کھولیں۔''

منعمہ کے ذہن و دل میں ہلچل مچی تھی، بہت سی باتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ ''مہ..... میں کہاں..... میں..... شہ..... نہ..... ی۔'' اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔ ثوبان نے اس کے بولنے کی ناکام کوشش کو محسوس کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا اور دو تین چمچ پانی اس کے منہ میں ڈالے۔

حلق تر ہوتے ہی اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ سامنے، بالکل قریب اس کے ہاتھ کو نرمی سے جکڑے اس کا رفیق، اس کا ہمدم، اس کا دمساز بیٹھا تھا۔

اس کی ساری حسیں بیدار ہو چکی تھیں۔ اتنی بڑی بات کے باوجود وہ اس پر الزام نہیں رکھ سکتی تھی، بس خالی نظروں سے دیکھے گئی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ نفی میں گردن ہلانے لگی۔

''آ..... پ..... نے بھی مجھ سے چھپایا، مجھے دھوکے میں رکھا؟'' اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملتے ہی وہ بے بس ہو گئی۔ سارے شکوک لفظوں میں ڈھل گئے۔ پھر وہ بے اختیار ہو کر رو پڑی۔ اس کی سانس ناہموار ہو رہی تھی۔ ثوبان کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ مچل مچل کر ایک ہی جملے کی تکرار کر رہی تھی۔ ''مجھ سے کیوں چھپایا۔ کیوں چھپایا مجھ سے۔''

''منعمہ پہلے میری بات سنیں پلیز۔'' آخر وہ تھک کر ڈھے گئی، سر تکیے پر پٹختے ہوئے اس نے گویا ہتھیار ڈال دیئے لیکن آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

ثوبان نے اس کے بکھرے بالوں کو چہرے سے ہٹایا۔

''میرے زخم مجھی سے چھپائے گئے، سب کو خبر ہوئی، صرف میں..... میں ہی بے خبر رہی۔'' منعمہ نے اس کے ہاتھ تھام کر پھر سسکنا شروع کر دیا۔

''کسی کو کچھ خبر نہیں۔ بھلا میں اپنے درد کسی پر عیاں کر سکتا ہوں؟ ڈاکٹر کے علاوہ کوئی کچھ نہیں جانتا۔ آپ کی حالت کی وجہ سے آپ کو نہیں بتایا گیا تھا۔''

''کیوں؟ آخر کیوں؟'' اس کی بلند ہوتی آواز دھیمی پڑ گئی کیونکہ اس کی نگاہ کرب میں مبتلا ثوبان کے چہرے پر پڑ چکی تھی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ستانے لگا۔ قصور تو میرا ہے پھر میں اس طرح کیوں پیش آ رہی ہوں۔

وہ شرمندگی کے مارے ڈھیلی پڑ گئی۔

ثوبان اس کے محسوسات سے آگاہ تھا۔ ''ہنی، یہ زندگی کا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ

تعالیٰ کی مرضی نہیں تھی۔ اس کی مرضی کے بغیر انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر ذرا سوچیں، اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو جاتا تو کیا میں زندہ رہ سکتا تھا؟''

منعمہ نے بے اختیاری میں اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا، ڈاکٹر سمیع بتا رہے تھے کہ آپ دوبارہ ماں بن سکتی ہیں۔''

منعمہ کے آنسو یک لخت ٹھہر گئے۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ثوبان کو اس سے بہتر وقت نہیں مل سکتا تھا۔ اسی لیے اسے بریف کرنے لگا۔ ''ہاں..... ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ صرف چند ماہ کا علاج، ایک دو آپریشن ہوں گے جس کے لیے ہمیں ملک سے باہر جانا ہوگا۔''

اس نے مسکرا کر اسے امید دلانا چاہی۔ اسے وہ تمام معلومات فراہم کیں جو اسے ڈاکٹر سمیع کے توسط سے حاصل ہوئی تھیں مگر وہ قطعی انداز میں سر ہلانے لگی۔

''سب بہلاوے، سب جھوٹ ہیں۔''

''یہ بہلاوے نہیں ہیں ہنی، میڈیکل سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔ بہت سے لوگ اس سے استفادہ بھی کر چکے ہیں۔''

''جب اللہ کو منظور نہ ہو تو انسان کیا کر سکتا ہے۔'' منعمہ نے اسی کی بات دہرا کر اسے لاجواب کرنا چاہا۔

''مایوسی گناہ ہے۔'' ثوبان نے سمجھانا چاہا۔

''میں حقیقت کو تسلیم کر رہی ہوں۔ اللہ کی رضا پر سر جھکاتی ہوں۔''

''یہ سب آزمائشیں ہیں ہنی، وہی آزمائشیں ختم کرتا ہے۔''

''میں آزمائش میں رہنے کو تیار ہوں۔''

''مونا، بنا کوشش کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ آزمائشوں سے نکلنے کے لیے بھی تو مختلف راستوں کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔''

''ہاں..... مگر جائز راستوں کا۔ میں اس کو ٹھیک نہیں سمجھتی۔ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی البتہ.....'' اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں سنبھلتے ہوئے فیصلہ کر لیا اور سنا بھی دیا۔ ''البتہ آپ کو دوسری شادی کی اجازت دیتی ہوں۔''

''منعمہ!'' پہلی بار ثوبان کی آواز اونچی ہوئی۔ پھر اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے قدرے نرمی سے بولا۔ ''پاگل مت بنو ہنی، ایسا سوچنا بھی مت آپ کیا سمجھتی ہیں کہ آپ کے اجازت دینے سے میں ایسی حماقت کر لوں گا؟ امپاسبل! آپ کے سوا میں کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، کسی اور سمت جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بس ایک ہی راستہ ہے کہ

آپ میری بات پر غور کریں ورنہ جو آپ کی خوشی لیکن میرے لیے وہ مت سوچیں جو میں نہیں کر سکتا۔''

ثوبان کا حتمی انداز اسے خود سے بھی شرمندہ کر گیا۔

''میں کتنی بری ہوں، آپ کو کوئی خوشی نہیں دے سکتی، آپ پھر بھی میری خوشیوں کا خیال رکھ رہے ہیں۔ مگر میں بھی بے بس ہوں میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ پلیز میری بات مان لیں۔'' وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور روتے روتے ہی اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

جب تک منعمہ بے خبر تھی بالکل ٹھیک تھی۔ ایک آس، ایک امید اس کی آنکھوں میں جھلملاتی رہتی تھی مگر اب وہ بجھ گئی تھی۔ ساری آسیں، ساری امیدیں دم توڑ گئی تھیں۔ زندگی ایک دم سے خالی خالی اور بے معنی لگنے لگی تھی۔

ثوبان الگ اس کی حالتِ زار پر پریشان رہنے لگا۔ کوئی بات، کوئی امید اسے بہلا نہیں پاتی تھی۔ وہ اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہو چلی تھی۔ ثوبان کی ساری محبتیں، توجہ، پیار بھی اسے نارمل ہونے میں مدد نہیں دے پا رہے تھے۔ روز بہ روز اس کی صحت بگڑتی جا رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھی، کچھ نہیں کہتی تھی، چپ کی بکل مارے پہروں گم صم رہتی، وہ بلانے کی کوشش کرتا، اسے کہنے پر اکساتا تب بھی وہ چونک کر صرف ہوں، ہاں میں جواب دیتی۔

ثوبان بھی اس کی حالت دیکھ دیکھ کر سلگتا رہتا، خود کو ملامت کرتا رہتا۔

گھر کا نظام اس کی عدم توجہی سے تلپٹ ہو گیا تھا۔ ملازم بھی پریشان و فکر مند تھے، ہنستی مسکراتی مالکہ کو چپ کے تالے لگ گئے تھے۔ اس کی ہمدرد و غمگسار فطرت کے سبھی گرویدہ تھے۔ وہ ان کے مسائل بغیر کہے حل کر دیا کرتی تھی، اب خود ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی، کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ آخر ہوا کیا ہے۔

ڈاکٹر سمیع بھی کوشش کر چکے تھے مگر وہ ٹھیک ہونے کی بجائے بگڑ رہی تھی، نہ وقت پر کھانا پینا اور نہ ہی ہفتے، عشرے تک لباس تبدیل کرنا۔

ثوبان کی اپنی حالت اس سے مختلف نہ تھی۔ بڑھی ہوئی شیو، ملگجا لباس۔ منعمہ کو سنبھالتے سنبھالتے وہ خود بکھر چلا تھا لیکن وہ تو بالکل بے حس بنی ہوئی تھی۔ آخر بہت سوچ بچار کے بعد اس کے ذہن میں ایک حل آیا اور اس نے منعمہ سے بات کرنے کی ٹھان لی۔

وہ آفس سے لوٹا تو منعمہ گزشتہ چھ سات روز کے لباس میں فون پر دیوار سے ٹیک

لگائے اپنی سوچوں میں اس قدر گم بیٹھی تھی کہ ثوبان کے سلام کو بھی نہ سنا گویا اس کی آمد سے بے خبر تھی۔

ثوبان اپنا بریف کیس ایک طرف رکھ کر اس کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا، ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اونچا کر کے اسے متوجہ کیا۔ جواب میں وہ خالی خالی نظروں سے تکنے لگی۔

''کیا مجھے پہلی بار دیکھ رہی ہیں؟''

جواب میں پھر خاموشی تھی البتہ اس نے نظریں نیچی کر لی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے اب؟'' ثوبان نے اس کے جھکے سر پہ الجھے بکھرے بالوں کو انگلیوں سے سلجھانے کی ناکام کوشش کی۔

''ٹھیک ہوں۔'' مختصر بے تاثر جواب۔

''ٹھیک ہیں تو یہ کیا حالت بنا رکھی ہے، کتنے دن سے بال نہیں بنائے اور یہ ڈریس بھی اس دن میں نے ہی بدلوایا تھا۔ آپ بچی تو نہیں ہیں ناں کہ آپ سے ہر بار زبردستی کی جائے؟''

ثوبان کے سخت لہجے پر وہ چونک کر دیکھنے لگی جیسے اسے یقین نہ ہو۔

''آخر کب تک، ہنی کب تک ایسا چلے گا؟ آپ کو احساس ہے کچھ، کل امی آ رہی ہیں آپ کو پھر اسی حال میں دیکھ کر کس قدر دکھی ہوں گی۔ آپ کے والدین آپ سے ملنا چاہتے ہیں، میں کب تک ان سے بہانے بناتا رہوں گا؟ وہ یقیناً میرے بارے میں غلط انداز میں سوچتے ہوں گے کہ میں ان کی بیٹی کو ملنے نہیں دیتا حالانکہ آپ خود ہی ملنا نہیں چاہتیں۔ سب کو آپ کی حالت پر تشویش ہے، بتائیے کیا جواب دوں انہیں؟''

ثوبان نے اس کا چہرہ اونچا کر کے آنکھوں میں جھانکا جہاں احساسِ محرومی کی پرچھائیاں واضح تھیں۔ خوف و ہراس کے سائے اشکوں کی صورت پھیلے ہوئے تھے۔

''کیوں کرتی ہیں آپ ایسا، آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟'' اس سے زیادہ دیر تک اس کی ویران آنکھوں میں دیکھا نہ گیا۔

وہ بھی جیسے پگھلنے لگی تھی۔ ''مم..... میں خود نہیں جانتی، مجھے جانے کیا ہو گیا ہے؟ میں سنبھلنے کی بہت کوشش کرتی ہوں مگر..... میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ پلیز آپ دوسری شادی کر لیں۔ آپ کو سارے سکھ، ساری خوشیاں مل جائیں گی۔''

وہی بے ربط انداز وہ پگھلتے پگھلتے منجمد ہونے لگی تھی۔

''فار گاڈ سیک منعمہ، میں یہ سب سننا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ کو کتنی بار سمجھاؤں

کہ میری ساری خوشیاں آپ سے وابستہ ہیں۔ آپ کی خوشی ہی میری زندگی کا سکھ چین ہے، جو کچھ ہو چکا ہے، آپ اسے بھلا کیوں نہیں دیتیں۔''

''کیسے بھول جاؤں، کیسے فراموش کر دوں اس احساس کو جو خالی کمرے میں پھیلے سناٹے کی طرح میرے اندر موجود ہے، جس کی وحشت پل پل مجھے تڑپا کر مُردہ کر رہی ہے۔ ثنی! میں مرنا نہیں چاہتی مگر مر رہی ہوں، پلیز مجھے بچالیں، مجھے بچالیں ثنی۔''

وہ اپنے آپ میں نہیں تھی، کئی بار ایسا ہوا تھا۔ ثوبان جب بھی اسے بولنے پر اکساتا، وہ بیگانہ ہوتی چلی جاتی۔ اس کا جنون اسے کچھ دیر میں ٹھنڈا دیتا تو وہ بے خبر ہو جاتی مگر آج ثوبان اسے بے خبری سے جگانا چاہتا تھا۔ یہ لمحہ لمحہ مرتی منعمہ اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

''سنیں! میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ میں یہ ڈر یہ خوف ایک دفعہ ہی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ میں سب کو صاف صاف بتا دوں گا۔''

وہ یک دم چونک اٹھی۔ یہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔ اسے اپنا بھرم بھی عزیز تھا۔

''نہ..... نہیں آپ ایسا نہیں کریں گے۔''

''مجھے ایسا کرنا ہوگا منعمہ! کل جب امی آپ کو اس حالت میں دیکھیں گی تو میں انہیں مطمئن نہیں کر پاؤں گا۔ میں انہیں صاف طور پر سچ بتا دوں گا اور ان سے درخواست کروں گا کہ..... ارباز ہمیں لوٹا دیں۔''

''ا..... ر..... با..... ز.....''

ایک جھٹکا اس کے پورے وجود کو ہلا گیا۔ بے حسی کے تمام پردے تار تار ہو گئے۔ وہ جیسے طویل نیند سے جاگی تھی۔ اپنی ممتا کی قربانی کا احساس لہو بن کر گردش کرنے لگا۔ ''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ وہ ہمارا نہیں ہے۔ وہ..... وہ تو رابعہ آپی کا بیٹا ہے ناں..... ہم کیسے اسے لے سکتے ہیں؟ ایک ماں سے اس کا بچہ چھیننا ظلم ہے، بہت بڑا ظلم..... آپ یہ ظلم نہیں کر سکتے۔''

''یہ ظلم آپ کے ساتھ بھی تو ہوا ہے اور ہم سب نے مل کر یہ ظلم کیا ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

ثوبان نے جانے کیا ٹھانی تھی۔ منعمہ پتھر سے موم بن گئی تھی۔

''میں..... میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔ وہ..... آپی کا بیٹا ہے۔ ہمارا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ میں نے اپنی خوشی سے..... آ..... پ، ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا ہوا تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔'' اس کے بہتے آنسو ایک عزم کی مانند آنکھوں میں ٹھہر گئے۔

''آپ کا یہ حلیہ، بکھرے بال، ملگجا لباس، وحشت زدہ رویہ مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مجھ سے آپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ایک حادثے کی وجہ سے آپ نے مجھ کو خود کو اس گھر کو بھلا دیا ہے۔ اس حادثے کا شکار صرف آپ ہی نہیں، میں بھی تو ہوا ہوں۔ جتنا بڑا دکھ آپ کا ہے، اس میں برابر کا حصہ میرا بھی ہے کیا میں بھی آپ کی طرح خود سے آپ سے اس گھر سے اور ساری دنیا سے بیگانہ ہو جاؤں؟ جواب دیجیے کیا میں بھی اپنے غموں کا اشتہار بن جاؤں؟''

ثوبان کا کرب میں ڈوبا لہجہ اس کے دل میں اُتر گیا۔ آنسو روکتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے آپ کو بہت دکھ بہت غم دیئے ہیں۔ میری ذات سے آپ کو کوئی سکھ نہیں ملا، اس کا مجھے بہت ملال ہے۔ میں اپنی زندگی کا ہر پل بھی آپ پر قربان کر دوں تو آپ کی محبتوں کا ایک حصہ بھی نہیں بنتا، خدا کے لیے مجھے غلط مت سمجھئے، میں تو صرف آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''میری خوشی تو آپ ہیں۔ آپ اداسیوں میں گھری رہیں گی تو میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں۔ وعدہ کریں آج کے بعد آپ کبھی اس طرح نظر نہیں آئیں گی۔ وہ دکھ، وہ اداسیاں بھلا دیں گی۔ آج ابھی، اسی وقت، اسی پل وہ سب دفن کر دیں جو ان آنکھوں میں اشک بھرتے ہیں۔''

ثوبان نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھایا تو اس نے کچھ توقف کے بعد لرزتے ہوئے، ضبط کرتے ہوئے اپنا سرد ہاتھ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

''تھینک یو! یہ ایک سچا وعدہ ہونا چاہیے۔'' بڑے عرصے بعد ثوبان کے لب مسکراہٹ سے کھلے۔

''ہاں مگر ایک وعدہ آپ کو بھی کرنا ہوگا۔'' منعمہ نے معمول سے زیادہ تیز چلتی سانس کو قابو کیا۔ ''مجھے یہ وعدہ چاہیے کہ آئندہ ارباز کا ذکر ہمارے درمیان اس طرح نہیں ہوگا۔ وہ جن کا ہے، انہی کا رہے گا۔ آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا ہے۔ یہ آپ نے سوچا بھی کیسے؟ اتنا بڑا فیصلہ، اتنی بڑی بات..... آپ نے مجھے عہد شکن سمجھا تھا یا کم ظرف؟ میری محبت کو آپ سمجھ ہی نہیں سکے۔ یہ درست ہے کہ حالات نے مجھے آپ سے سب سے بیگانہ کر دیا تھا مگر یقین کریں، اس بیگانگی میں بھی مجھے کبھی کسی خود غرضی کا خیال تک نہیں آیا پھر آپ نے..... آپ نے کیسے یہ سب سوچ لیا۔''

وہ پگھلی موم پھر چھلک پڑی۔ اس کے لہجے میں بسا یقین، اس کی سچائی بیان کرتی

آنکھیں ثوبان کو واقعی شرمندہ کر گئیں۔

''آئی ایم سوری ہنی، ویری سوری! مجھ سے آپ کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ مجھے بس یہی راہ نظر آئی تھی۔ پلیز اب انھیں یہاں سے۔ کل امی آ رہی ہیں، آپ کو کچھ تو امپروو کرنا چاہیے۔''

''آپ کو آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، میں پوری کوشش کروں گی مگر.....''

''میں سب سنبھالوں گا، بس جلد از جلد ٹھیک ہو کر اپنا گھر سنبھالیں، پتا ہے آپ کی بے پروائی کی وجہ سے میں کتنا گندا بچہ بن گیا ہوں۔ چار دن سے شیو نہیں کیا، یہ ڈریس بھی تین دن سے پہنا ہوا ہے اور صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔''

''کیا..... صبح سے کچھ نہیں کھایا؟''

منعمہ نے بڑے عرصے کے بعد نظر بھر کر اسے دیکھا۔ واقعی وہ بھی خاصا ڈسٹرب نظر آ رہا تھا۔ صحت بھی خراب تھی۔ جذبہ محبت نے اس میں توانائی بھر دی۔ وہ فوراً ہی اٹھی۔

''میں ابھی آپ کے لیے کچھ لاتی ہوں۔'' ثوبان کے روکنے سے پہلے وہ کمرے سے باہر تھی۔

ایک آسودہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی، وہ وہیں قالین پر ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی زندگی پر چھایا جمود ختم ہو گیا ہے۔

کچھ ہی دیر میں منعمہ ٹرے میں کھانے پینے کی اشیا لیے ناہموار سانسوں کے ساتھ قدرے ہانپتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ بعد میں روشن چائے رکھ گئی۔

آج روشن کا چہرہ بھی خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ایک طویل عرصے کے بعد مالکہ کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھا تھا۔

ثوبان بھوک نہ ہونے کے باوجود اس کے اصرار پر کھاتا چلا گیا۔

''میں نے آپ کو بہت تنگ کیا ہے ناں، آپ ناراض ہوں گے مجھ سے، مجھ پر غصہ بھی آتا ہوگا۔ پھر آپ نے مجھے سزا کیوں نہیں دی، مجھے مارا کیوں نہیں؟''

وہ بچوں کی سی معصومیت سے سامنے بیٹھی پوچھ رہی تھی۔ ثوبان نے چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے نفی میں سر ہلایا پھر اس کا ہاتھ تھام کر آہستہ سے بولا۔ ''جن سے پیار ہوتا ہے ان سے ناراض نہیں ہوا جاتا اور نہ ہی ان پر غصہ آتا ہے اور پھر آپ کو تو خود علم نہیں تھا کہ آپ کیا کر رہی ہیں۔ میں آپ کو کیا سزا دیتا؟''

''پھر بھی میں بہت بری ہوں، آپ کی بات جو نہیں مانی مگر.....''

''تو اب مان لیں میری بات، چلیں اٹھیں، اپنا حلیہ درست کریں، فریش ہوں، امی کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔''

''اور آپ کا حلیہ؟''

''میری فکر نہ کریں۔ میرا حلیہ تو چٹکی میں درست ہو جائے گا۔''

ثوبان نے چٹکی بجا کر اسے پیار سے دیکھا تو وہ احساسِ ممنونیت لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

زبیدہ منصور اس کا کمزور وجود دیکھ کر از حد پریشان تھیں۔ اس نے اگرچہ خود کو کافی سنبھال لیا تھا مگر ایک دن میں آنکھوں کے حلقے تو غائب نہیں ہو سکتے تھے۔ گالوں کی زردیاں گلابوں میں تو نہیں بدل سکتی تھیں، ذرا سی مشقت پر اس کی اکھڑتی سانسیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ ابھی تک بیماریوں کی گرفت میں پھنسی ہوئی ہے۔

انہوں نے رازداری برتتے ہوئے ثوبان سے پوچھا۔ ''ثنی تم منعمہ کا خیال نہیں رکھتے، لگتا ہے ابھی تک یہ اسی حادثے کے اثر میں ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے امی، بس یہاں کا موسم ہی شاید انہیں سوٹ نہیں کر رہا، میں سوچ رہا ہوں کہ.....''

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ غیر مطمئن انداز میں بولیں۔ ''بس تم سوچتے رہ جاؤ گے یا کچھ کرو گے بھی۔ بے رونق چہرہ، اجاڑ حلیہ، نہ وہ ہنسی نہ باتوں میں کھنک، کس دنیا میں گم ہو آخر تم، کب توجہ دو گے اس پر؟''

وہ اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے بولیں۔

''پلیز امی انہوں نے آپ کو روتے دیکھ لیا تو۔ انہیں کوئی بدگمانی یا شاک نہیں لگنا چاہیے اور آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ان پر توجہ نہیں دیتا یا ان کا خیال نہیں رکھتا؟'' ثوبان نے ماں کو افسوسناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کیا کروں ثنی، میری ہنستی کھیلتی بچی کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی، تم کیا جانو میں دن رات اس کی محبت میں تڑپا کرتی ہوں۔ تم دونوں کی دوری کیسے سہتی ہوں، یہ میرا دل ہی جانتا ہے، یہ تو میرے لیے رابعہ سے زیادہ پیاری ہو گئی ہے۔ اس کا دکھ، اس کی پریشانی میرے دل کو تڑپاتی ہے، میرے بچے، میری جان کچھ کرو۔ میں اسے پہلے کی طرح ہنستے کھلکھلاتے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے بمشکل بہتے آنسوؤں کو روکا۔

''پریشانی یا فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق یہ آہستہ آہستہ زندگی

کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں، پہلے سے کتنی بہتر ہیں، ان شاء اللہ آپ انہیں بہت جلد صحت یاب دیکھیں گی۔ ان کو یہاں کا موسم سوٹ نہیں کر رہا تو میں سوچ رہا ہوں کیوں نہ ہم کچھ عرصے کے لیے باہر چلے جائیں۔ شاید ان کی صحت پر خوشگوار اثر پڑے۔'' ثوبان نے ماں کو بہلاتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

''شی صرف سوچنے سے کام نہیں چلے گا، فوراً عمل کرو۔ اس کی ٹریٹ منٹ بھی اچھی ہو گی۔ بس تم انتظام کرو۔'' انہیں اس کا فیصلہ اس کی سوچ پسند آئی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر اسے صحت مند دیکھنا چاہتی تھیں۔

''میں مخل تو نہیں ہوئی؟'' منعمہ نے چائے کی ٹرے سامنے رکھتے ہوئے نارمل لہجے میں پوچھا تو زبیدہ منصور نے سرزنش کی۔

''منعمہ! بچی تم نے کیسی بات کی ہے، تم ہم سے الگ ہو کیا؟''

''میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ شاید یہ میری شکایت کر رہے ہوں گے۔ میں انہیں بہت تنگ کرتی ہوں ناں۔'' وہ ثوبان کی شکایتی نظروں کو محسوس کر کے ہنس دی۔ اس کی ہنسی گرچہ پہلے جیسی نہ تھی لیکن پھر بھی زبیدہ منصور کو مطمئن کر گئی۔

''اسے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ شکایت تو مجھے ہے۔''

''جہ.....ی آپ کو۔'' وہ ایک دم گھبرا گئی۔

''بچی گھبرانے کی کوئی بات نہیں، بس یہ بتاؤ تم لاہور کیوں نہیں آتی ہو۔ سب کتنا یاد کرتے ہیں، بلاتے ہیں اور تمہارے والدین، گھر والے وہ بے چارے تو شکوہ بھی نہیں کر سکتے کہ تم انہیں بھی بھول گئی ہو۔''

وہ سوچ رہی تھی کہ امی ضرور اس کی بگڑی حالت اور گھر کی ویرانی کی شکایت کریں گی مگر ان کی بات سنتے ہی اس نے لمبا سانس کھینچا۔ ''میں آؤں گی سب سے ملنے، ذرا ٹھیک ہو جاؤں، ورنہ تو سب کو تشویش ہو گی۔ آپ تو جانتی ہیں ادھر اُدھر کے لوگ کیسی الٹی سیدھی باتیں بناتے ہیں۔ فوراً کہہ دیں گے کہ لڑکی خوش نہیں ہے۔'' وہ انہیں چائے کا کپ پکڑا کر خود بھی ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

''لوگوں کا اتنا خیال ہے تو جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ اور اپنے گھر آؤ۔ میں منصور سے کہہ رہی ہوں کہ یہاں کے لیے کوئی اور بندوبست کریں، مجھ سے اپنے بچوں کی جدائی نہیں سہی جاتی۔'' انہوں نے پیار سے تھپتھپا کر مزید اپنے قریب کیا۔

''اللہ نے چاہا تو ضرور آؤں گی۔'' دھیمے لہجے میں کہہ کر وہ چائے پینے لگی۔

زبیدہ منصور کی تاکید اور ثوبان کی کوششوں سے وہ باہر جانے کے لیے بمشکل تیار ہوئی۔ ڈاکٹر سمیع نے ہر طرح سے اسے آپریشنز کے لیے تیار کیا، اسے زندگی کے روشن پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا۔ ایسے کئی مریضوں کی کیس ہسٹریز اسے پڑھوائیں جو کامیاب ترین تھیں۔

اس نے آخری لمحے تک ثوبان کو کسی لاوارث بچے کو ایڈوپٹ کرنے کے لیے کہا مگر وہ اس معاملے میں کسی تعاون کے لیے تیار نہ تھا۔ سب سے بڑی بات تو یہی تھی کہ وہ کسی پر اس محرومی کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جانے سے پہلے وہ دونوں لاہور میں بھی سب سے ملتے گئے۔

منعمہ کا لاغر وجود سب کے لیے حیران کن تھا۔ احمد علی اور شبینہ احمد بیٹی کی حالت پر اندر ہی اندر کڑھ کر رہ گئے۔ اس کے دونوں بھائی جو ان دنوں باہر سے آئے ہوئے تھے اور منعمہ کی طرف سے مطمئن تھے، اب غیر مطمئن ہو گئے تھے۔ ثوبان کے لیے ان کے دل میں کئی شکوک جنم لے چکے تھے۔ ان کے خیال میں وہ ان کی بہن پر ظلم و زیادتی کرتا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان حالوں کو پہنچی تھی۔ وہ تو باقاعدہ تفتیش کرنا چاہتے تھے مگر باپ نے سختی سے منع کر دیا کیونکہ بیٹی نے آج تک ایک لفظ شکایت کا نہ کہا تھا اور پھر داماد کے حسن سلوک پر انہیں کوئی شک نہ تھا کہ وہ کبھی ان کی بیٹی کو ذرہ بھر بھی تکلیف دے سکتا ہے۔ ان کی نظر میں تو وہ ہیرا انسان تھا۔ تراشا ہوا ہیرا، جس کا ہر رخ روشنی دیتا ہے۔ وہ تو ہر رشتے کو اس کے مقام و مرتبے کے مطابق تعظیم دینا جانتا تھا، وہ کیسے اسے موردِ الزام ٹھہرا سکتے تھے۔ بس خاموش ہو کر رہ گئے۔

رباب نے کتنی محبتوں سے اسے واپس لوٹ آنے کی دعائیں دی تھیں۔

رخصت کے وقت سبھی ایئرپورٹ پر جمع تھے۔ سب کو یہی بتایا گیا تھا کہ ڈاکٹر نے آب و ہوا تبدیل کرنے کے لیے کہیں باہر جانے کے لیے کہا ہے۔

وہ سب سے باری باری گلے مل کر دعائیں وصول کر رہی تھی۔ تبھی رابعہ نے ارباز کو اس کے آگے کر دیا۔

''تھوڑا سا پیار اور دعا میرے بیٹے سے بھی لے لو۔''

منعمہ نے پہلی بار کچھ بے تابی سے اسے پیار کیا۔ پونے دو سالہ صحت مند گول گپا سا ارباز اس کی طرف لپکنے لگا۔

''بیٹا آپ کی آنٹی میں اتنا دم خم کہاں ہے کہ آپ کو اٹھا سکے، سوری بیٹا سوری۔'' اس

نے پیار سے اس کے پھولے ہوئے رخساروں کو نوچا۔ اپنی بے بسی پر جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

آخری اناؤنس منٹ ہو رہی تھی۔ سب کو اللہ حافظ کہہ کر اس نے الوداعی ہاتھ لہرایا۔

زبیدہ منصور نے آبدیدہ ہو کر ایک بار پھر آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ ''ثنی، پہنچتے ہی مجھے ضرور فون کرنا اور اگر کبھی میری ضرورت پیش آئے تو بلا بھیجنا۔''

''امی آپ فکر نہ کریں میں پہنچتے ہی اطلاع کر دوں گا۔ خدا حافظ۔'' ثوبان نے ماں کو گلے لگا کر تسلی دی اور پھر اسے لیے ہوئے ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں اور بہت سے مسافروں کے ساتھ فضا میں سفر کر رہے تھے۔

امریکہ پہنچنے سے پہلے ہی ڈاکٹر سمیع کے توسط سے منعمہ کا ہسپتال میں داخلہ ہو چکا تھا۔ اس کی کیس ہسٹری وہاں کے ماہر سرجن تک پہنچ چکی تھی جس نے تسلی بخش جواب دیا تھا۔

وہاں پہنچ کر منعمہ کے مختلف ٹیسٹ لینے کے بعد سرجن نے اس کے تین آپریشن بتائے تھے۔

منعمہ از حد خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ثوبان اسے ہر طرح سے تسلی دیتا رہا۔ اس کو حوصلہ دیتا رہا، پیار و محبت سے سمجھاتا رہا۔

آپریشنز سے پہلے اسے فزیکلی امپروومنٹ کی ضرورت تھی اس لیے تین ماہ تک اسے انڈر ٹریٹمنٹ رکھا گیا۔

ثوبان اور ڈاکٹر پوری طرح مطمئن اور پُر امید تھے وہ اگرچہ پہلے کی طرح کمزور نہیں رہی تھی پھر بھی اس کی حالت بہتر ضرور ہو گئی تھی۔ وہ بھی خود کوشش میں تھی کہ کسی طرح ثوبان کو اس کی ذات سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ وہ جو خود کو بھلائے دن رات اس کی دیکھ بھال میں مصروف رہتا تھا، اس کی پریشان حالی دیکھی نہ جاتی تھی۔ منعمہ اسی لیے خود کمپرومائز کر رہی تھی پھر بھی جانے کیوں اس کے دل و ذہن میں عجیب سا خوف بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے خدشے اپنا ڈر بیان بھی نہیں کر سکتی تھی۔

ڈاکٹر کی محنت اور اس کی اپنی قوتِ ارادی کی بدولت دو آپریشنز نہایت خوش اسلوبی سے کامیاب ہو گئے۔ اس کامیابی میں بڑا ہاتھ ثوبان کا بھی تھا۔ اس نے اپنی ساری قوت، سارا حوصلہ منعمہ میں منتقل کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔ اگر اس کی محبت کی طاقت نہ ہوتی تو منعمہ کب کی اپنے خوف کی نذر ہو گئی ہوتی۔

دونوں آپریشنز ٹھیک ٹھاک ہونے پر ثوبان نہایت خوش تھا اور اس کی خوشی سے منعمہ بھی خوش و مطمئن تھی۔ اب صرف ایک مرحلہ رہ گیا تھا اور وہ نہایت اہم اور بنیادی مرحلہ تھا اور محدود مدت کے بعد انجام پذیر ہونا تھا۔ اگرچہ ٹیوب سرجری نہایت نازک اور اہم مرحلہ تھا مگر گزشتہ دو آپریشنز کی کامیابی کے بعد تیسرے آپریشن کی کامیابی یقینی ہو گئی تھی۔

سرجن کی مثبت رپورٹس ثوبان کو پُر سکون کر گئی لیکن نہ جانے کیوں منعمہ پر خوف کا تسلط قائم ہوتا چلا گیا مگر وہ اظہار نہ کر سکی کیونکہ ثوبان از حد مسرور و پُر یقین تھا۔ وہ پورے وثوق سے مستقبل کی پلاننگ کر رہا تھا مگر وہ زیادہ عرصہ تک اپنے خوف کو ثوبان سے چھپا نہ سکی۔ اس کی چپ، اس کی خاموشی ثوبان کو آخر متوجہ کر ہی گئی۔ بار بار استفسار پر اسے اپنا خوف ظاہر کرنا پڑا۔

''ثوبان میں پاکستان جانا چاہتی ہوں۔ اس آپریشن سے پہلے میں سب سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، ایسا کیسے ممکن ہے۔ آپ کا اس حالت میں پاکستان جانا ٹھیک نہیں ہے۔ سب بے خبر ہیں اس طرح تو..... پھر سرجن کبھی بھی اجازت نہیں دے گا کہ آپ اس اسٹیج پر کہیں جائیں۔'' ثوبان نے اسے حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے سمجھانا چاہا۔

''ثنی۔'' منعمہ کی پُر نم آواز میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔ ''ثنی مجھے ایسا لگتا ہے سب سے بچھڑے ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں اور میں..... میں کبھی سب سے مل نہیں پاؤں گی۔ نہ جانے کیوں ایسا لگتا ہے اس آپریشن کے بعد میں.....''

اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی۔ البتہ وہ اس کا مطلب سمجھ چکا تھا۔ قدرے غصے اور سختی سے بولا۔ ''پلیز مونا ایسی باتیں مت سوچا کریں۔ اس موڑ تک آ کر جہاں کامیابی بالکل سامنے کھڑی ہے، آپ ناامید ہو رہی ہیں؟ آپ جانتی ہیں ناامیدی و مایوسی گناہ ہے۔ خود سوچیں اگر اللہ کو منظور نہ ہوتا تو ہم یہاں اتنی دور پرائے دیس میں کیوں آتے؟ بس کچھ عرصے کی بات ہے پھر ہم ان شاء اللہ زندگی کی تمام خوشیوں کے ساتھ اپنے ملک اپنے لوگوں میں جائیں گے۔ بس کچھ عرصہ پلیز۔''

ثوبان نے اپنے مخصوص انداز میں اس کا ہاتھ تھپتھپا کر پیار سے سمجھایا۔

''میں کیا کروں ثنی! مجھے کچھ ہوتا جا رہا ہے۔ میرا دل بہت گھبراتا ہے، کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے، اُڑ کر پاکستان پہنچ جاؤں۔ یہ علاج یہ احتیاط سب بے کار ہیں۔ مجھے لگتا ہے اب میں آپ کو کبھی کوئی خوشی نہیں دے سکتی۔''

یہ باتیں وہ اس وقت کر رہی تھی جب آپریشن ڈیٹ میں چند دن رہ گئے تھے۔ اس کے لہجے میں گھلا رنج و افسوس اس کو نہ صرف پریشان کر گیا بلکہ اس کے دل میں بھی وہم کے بیج بو گیا۔

''فار گاڈ سیک ہنی، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ یہ باتیں آپ کیسے سوچ لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ ڈاکٹر کی سخت ہدایت ہے کہ آپ کو فریش رہنا چاہیے۔ ایسی پریشان سوچیں تو اچھے بھلے انسان کو پاگل بنا دیں۔''

''میں خود کب ایسا سوچتی ہوں۔ یہ باتیں خود بخود میرے دل و دماغ میں سما گئی ہیں۔ ان میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہو گی۔''

''اوشٹ اَپ منعمہ۔'' ثوبان نے بے ساختگی میں ایک تھپڑ اس کے گال پر مار دیا۔

وہ جو نرم محبتوں کی عادی تھی اس کی ذرا سی سختی پر حیران و ششدر رہ گئی۔ آنکھوں میں دو آنسو آ کر ٹھہر گئے۔

ثوبان کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ شرمندگی سے وہ نظر نہیں ملا پا رہا تھا۔ کتنی دیر وہیں ساکت و جامد خاموش بیٹھا رہا۔ منعمہ بھی جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ آخر ثوبان ہی کو ہوش آیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سرخ گال کو تھپتھپایا۔

منعمہ کا بھی سکتہ ٹوٹ گیا اور ٹھہرے آنسو ایک دم بہہ نکلے۔

''آئی ایم سوری ہنی! آپ جانتی ہیں، آپ کی تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، اس طرح مت سوچا کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کی باتیں میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی تھیں پلیز مجھے معاف کر دیں۔''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا کر بس روتی چلی گئی۔

''میں تو یہ سب خواب میں بھی دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا، آپ حقیقت کی بات کرتی ہیں۔ میری زندگی آپ کے بنا کچھ نہیں ہے۔ آپ کی خوشی، آپ کا ساتھ اور آپ کی ہنسی۔ میری زندگی میری محبت ہیں۔ آپ کیوں مجھے میری محبت سے بچھڑنے کی راہ دکھاتی ہیں۔'' وہ خود بھی مغموم ہو گیا تھا۔

منعمہ نے اپنے آنسو صاف کیے۔ ''میں خود نہیں جانتی مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ مجھ پر قنوطیت ہی سوار رہتی ہے۔ میں خود کو بڑا بہلاتی ہوں کہ اللہ جو کرے گا وہی بہتر ہو گا مگر..... سنیں۔'' اس نے بڑے حوصلے سے کہا اور بیڈ سے ٹیک لگائے ہوئے تکیوں کے سہارے ذرا پیچھے ہوئی۔

''کہیے میں سن رہا ہوں۔'' ثوبان پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

''رئیلی میں سب کے لیے بہت اداس ہوں، ڈیڑھ دو سال ہو رہے ہیں مجھے ان سے بچھڑے ہوئے۔ ایسا لگتا ہے صدیاں بیت گئی ہیں۔ ثنی، ارباز تو اب سکول جاتا ہو گا؟'' وہ کہیں کھوئی ہوئی تھی۔

ارباز کے ذکر پر ثوبان چونک اٹھا اور بغور اسے دیکھنے لگا لیکن وہ ہنوز کھوئی ہوئی تھی اور اسی کیفیت میں بولتی جا رہی تھی۔

''پتا نہیں، وہ کیسا ہو گا، باتیں بھی کرتا ہو گا یا نہیں۔ رابعہ آپی کو امی کہتا ہو گا، ممی یا مما یا ماما کہتا ہو گا اور بصر بھائی کو بابا یا پاپا۔ ثنی وہ مجھے تو نہیں پہچانتا ہو گا؟ وہ مجھے کبھی بھی نہیں پہچان سکے گا کہ میں لون ہوں۔''

اس کے چہرے پر عجیب سی روشنی تھی جسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

''ہنی۔'' ثوبان نے پیار سے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر پکارا تو وہ چونک اٹھی۔

''ہنہ! ہاں وہ میں فون کی بات کر رہی تھی، مجھے ماں جی ابو جی بھی بہت یاد آ رہے ہیں۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ اسی لمحے ثوبان کو اس پر ڈھیروں پیار آیا۔ وہ اپنے دل میں چھپی خواہش کو کس خوبصورتی سے چھپا گئی تھی۔

''منعمہ'' ثوبان کی نرم گرم احساس سے لبریز آواز اسے سکون پہنچا دیتی تھی۔ وہ اس کی نظروں سے پہچان گئی تھی کہ بے خودی میں وہ اپنے دل کی اس خواہش کو عیاں کر بیٹھی ہے۔

''آپ ارباز سے ملنا چاہتی ہیں ناں، میں آپی سے کہوں؟ وہ ارباز کو کچھ دنوں کے لیے لے کر آ جائیں؟''

''میں نے کب کہا ہے کہ میں ارباز سے ملنا چاہتی ہوں؟'' اس نے اپنے لہجے کو مضبوط بنانے کی ناکام کوشش کی۔ ''کیا رابعہ آپی کے حوالے سے میرا اتنا حق بھی نہیں ہے کہ میں اس کا ذکر کر سکوں۔'' منعمہ نے الٹا اسے شاکی نظروں سے دیکھا۔

وہ مسکرا دیا پھر بات پلٹتے ہوئے بولا۔ ''میں آج ہی آپ کی بات سب گھر والوں سے کرواتا ہوں لیکن پلیز خود کو نارمل رکھیے گا۔ پچھلی بار بھی آپ کے رونے سے امی پریشان ہو گئی تھیں۔ آپ ذرا بھی ایموشنل ہوئیں تو اس بار امی خود آ جائیں گی۔ اب تو کچھ عرصے کی بات ہے، ساری تکلیفیں ختم ہو جائیں گی اور ہم بخیریت اپنے گھر میں سب کے درمیان ہوں گے، یہ وقتی تکلیفیں پھر یاد بھی نہیں رہیں گی۔''

ثوبان نے اسے بہلاتے ہوئے سمجھایا تو وہ خاموش ہوگئی۔

پھر اس نے سب گھر والوں سے اس کی بات کروائی۔ سب اس کے آنے کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور وہ انہیں جلدی آنے کے بہلاوے دیتی رہی۔ اپنے ابو جی اور ماں جی کو بھی اس نے ہر طرح سے مطمئن کر دیا۔ وہ حیران تھے کہ وہ سیر و تفریح کے لیے جانے والے اتنا عرصہ ملک سے گھر سے دور رہ رہے تھے۔

گھر والوں سے بات کر کے وہ کافی بہل گئی تھی۔ سب کی باتوں نے وقتی طور پر اسے اس ڈر سے نجات دلا دی تھی۔ وہ کئی روز تک ثوبان سے گھر والوں کی باتیں کرتی رہی۔ پھر اچانک آپریشن والے دن اس پر وہی قنوطیت، وہی ہراس چھانے لگا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگی تھی۔

ثوبان لاکھ سمجھاتا رہا، بہلاتا رہا مگر وہ اس سے اقرار و پیمان باندھتی رہی۔

''ثنی! اگر مجھے کچھ ہوگیا تو..... آپ پلیز دوسری شادی کر لیجیے گا۔'' آپریشن تھیٹر میں لے جانے سے چند منٹ پہلے وہ اس کا ہاتھ پکڑے ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ثوبان نے اپنے غصے اور جھنجھلاہٹ کو بمشکل قابو کیا۔ کئی روز سے وہ اسی بات کی تکرار سنتا آ رہا تھا۔

''آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپریشن ان شاء اللہ کامیاب ہوگا۔ آپ یہ کیسے سمجھ سکتی ہیں کہ میں کسی صورت بھی اس قسم کی حماقت کروں گا۔ ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ آپ کے علاوہ میرے دل میں کوئی اور نہیں سما سکتا۔ پلیز مونا اپنی پریشانی، اپنے وہم یہیں چھوڑ جایئے۔'' اس کے ذرا سخت لہجے میں آخر میں نرمی آ گئی اس نے منعمہ کے سر اور گالوں کو پیار سے تھپکا۔

''یہ وہم نہیں ہیں۔ عجیب سی کیفیت ہے میری، اس روز بھی میری یہی کیفیت تھی۔ میرے اندر کوئی چیز مچل رہی تھی۔ مجھے بے چین کر رہی تھی۔ وہ بے چینی جس صورت میں ظاہر ہوئی، آپ جانتے ہیں۔ آج بھی میری وہی کیفیت ہے مجھے لگتا ہے جیسے میں آپ سے دور بہت دور جا رہی ہوں، کوئی ایسی طاقت ہے جو فاصلے بڑھا رہی ہے۔ مجھے آپ سے چھین رہی ہے میں.....''

''خدا کے لیے منعمہ ایسی باتیں مت کریں۔'' ثوبان ضبط کے باوجود اس کی باتیں سن کر روہانسا ہوگیا۔ اس کا پُر یقین لہجہ اسے دہلا گیا تھا۔ وہ تو خود کو نہ جانے کیسے سنبھالے ہوئے تھا۔ اپنوں سے دور غیروں کی بستی میں اپنی ذات کا عرفان ڈھونڈنے وہ تنہا اور اکیلا نکلا تھا۔ اس وقت وہ اپنے حالات سے تنہا جنگ کر رہا تھا اور منعمہ اسے بے حوصلہ کیے دے رہی تھی۔ وہ تو کسی صورت بھی منعمہ کا نقصان برداشت نہیں کر سکتا تھا لیکن منعمہ کا انداز و گفتار سب جان

لیوا تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا یا وہ اپنے خدشات کا اظہار کرتی، اس کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔

آج سے پہلے وہ کافی پُر امید تھا۔ دونوں آپریشنز کی کامیابی کے بعد اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ تیسرا آپریشن بھی کامیاب ہی ہوگا۔ ان کے سامنے دو تین کیس ہوئے تھے اور کامیاب رہے تھے۔ اسی بنا پر اسے ڈاکٹرز پر اعتماد تھا لیکن آج کی منعمہ کی باتیں سننے کے بعد اس کا اعتماد ڈانواں ڈول ہو رہا تھا۔ بار بار منعمہ کا ستا ہوا غم زدہ چہرہ نظروں میں گھوم جاتا۔ اس کے لفظ کانوں میں گونجنے لگتے۔

وہ پریشانی میں آپریشن تھیٹر کے باہر ہی ٹہلتا رہا۔ وہاں موجود اس کے جاننے والے اسے تسلی و تشفی دیتے رہے سب اچھے کی امید دلاتے رہے مگر منعمہ اس کا صبر و سکون، اس کا حوصلہ، اس کی امید، اس کا اعتماد لوٹ کر لے گئی تھی۔

وہ جو پُر امید تھا، پُر یقین تھا جسے اپنی قسمت پر بھروسہ تھا۔ اس کا یقین، اس کا بھروسہ، اس کی امید سب اسے دھوکا دے گئے۔

منعمہ کی موت ایک سنگلاخ حقیقت بن کر اس کے دل و دماغ، روح و جسم کو فگار کر گئی۔

وہ جو اپنے لفظوں کے کھلونوں سے منعمہ سے زیادہ خود کو بہلاتا رہا تھا، وہ بہلاوے وہ کھلونے کرچی کرچی ہو کر اسے زخمی کر گئے۔

کئی گھنٹوں تک تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ اس کے سامنے بے حس و حرکت پڑی منعمہ لبوں پر چپ کا تالا ڈالے موت کی جامد خاموشیوں میں اُتر چکی ہے۔ وہ خود اس صدمے سے پتھر ہو گیا تھا اور ایک ٹک اس کے بے روح وجود کو تکے گیا۔

ہوش و خرد سے بیگانے ثوبان کو ڈاکٹرز نے بڑی مشکل سے ہوش کی دنیا میں گھسیٹا۔ منعمہ سے جدائی کا احساس ہی اسے پاگل کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح منعمہ کو اس حالت میں لے کر پاکستان جائے۔ سب ہی تو بے خبر تھے کہ وہ دونوں کن کن قیامتوں سے گزر چکے ہیں، لیکن یہاں مزید ٹھہرا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے چند ایک دوستوں نے تمام انتظام کیے۔

وہ کڑی آزمائشوں سے گزر کر خود کو منعمہ کی لاش لے جانے کے لیے تیار کر سکا۔

اس کا ضبط، اس کا حوصلہ سب ٹوٹ چکے تھے۔ کوئی کندھا ایسا نہیں تھا جس پر سر رکھ کر اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے اشکوں کے بپھرتے سمندر کو راستہ دیتا۔ اس کے اندر عجیب سی گھٹن

تھی۔ باوجود خواہش کے وہ رو نہیں پا رہا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے وہ زندگی کی خوش گمانیاں سمیٹنے اتنی دور چلا آیا تھا۔ اب اس کی زندگی اس مفہوم سے بھی نا آشنا ہو چکی تھی۔ وہ خود میں کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا لیکن اس کی میت کو اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھنے کی سکت بھی اب اس میں نہیں رہی تھی۔

لاہور ایئرپورٹ پر پہنچ کر جانے کس طرح اس نے اپنی قوت مجتمع کی اور منصور پیلس فون کر دیا۔

اس کا فون احسان نے ریسیو کیا اور پھر یہ خبر منصور پیلس میں قیامت بن کر چھا گئی۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ایئرپورٹ جا کر اس قیامت کا سامنا کر لیں۔ اول تو سب ہی یقین و بے یقینی کے برزخ میں معلق تھے۔ بصر نے جانے کیسے حوصلہ پکڑا۔ احسان اور منصور حسن کو ساتھ لے کر ایئرپورٹ پہنچا۔ رباب نے احمد علی کو فون کر کے فوراً گھر آنے کی تاکید کی۔ لاکھ اصرار پر بھی وجہ نہ بتائی۔

ایئرپورٹ پر منظر ہی دردناک تھا۔ ثوبان اپنوں کی مہربان صورتیں دیکھ کر بکھر بکھر گیا۔ خود کو ضبط کی جن زنجیروں سے باندھ کر لایا تھا۔ جھٹکے سے ٹوٹ گئیں۔ وہ تینوں کی بانہوں میں کسی بچے کی مانند مچل مچل گیا۔

بصر نے خود سے لگائے ہوئے اسے حوصلہ دیا۔ ''ثنی خود کو سنبھالو۔ خدا کے فیصلوں پر کوئی زور نہیں۔ اس کی امانتیں لوٹانی ہی پڑتی ہیں۔''

''اتنی جلدی تو کوئی نہیں جاتا۔ وہ مجھے دھوکا دے گئی ہیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

ضبط کے باوجود منصور حسن کے آنسو چھلک پڑے۔ انہوں نے جوان بیٹے کے بکھرتے وجود کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا۔ ''حوصلہ میرے بچے حوصلہ، تمہاری ماں نے تمہیں اس حالت میں دیکھا تو ان کا کیا حال ہوگا۔ خود کو سنبھالو، اپنے غم کو اشتہار نہ بناؤ۔ آؤ گھر چلو۔'' وہ اسے بھینچے ہوئے خود سے ساتھ لگائے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھے۔

منعمہ کی میت تابوت میں محفوظ ایمبولینس میں سوار کی گئی۔ احسان آبدیدہ نظروں سے ساتھ ہی سوار ہوا۔ ان کے گھر میں حقیقی خوشیوں کے رنگ بکھیرنے والی ہستی ہر رنگ سے بے نیاز، دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

ایمبولینس اور ان کی گاڑی آگے پیچھے منصور پیلس کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوئیں۔ تمام افرادِ خانہ حتیٰ کہ احمد علی اور منعمہ کی ماں بھی ایمبولینس کا سائرن سن کر دیوانہ وار پورچ سے آگے تک بڑھ آئے۔

زبیدہ منصور، رباب اور رابعہ سے خود کو چھڑا کر گاڑی سے اُترتے ثوبان پر جیسے جھپٹ پڑیں۔ ''تم..... تم تو کہتے تھے وہ ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے۔ اسے کوئی دکھ، کوئی غم نہیں پھر کیا کیا ہے تم نے، تم جھوٹ بولتے رہے۔ اسے ہماری نظروں سے اتنی دور لے گئے، ہمیں خبر تک نہ دی۔ کیا کیا ہے اس کے ساتھ، وہ تو اچھی بھلی گئی تھی۔'' انہوں نے اسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

ماں کا یہ روپ اس کے لیے حیران کن تھا۔ وہ اپنی بہو کے لیے بیٹے کو الزام دے رہی تھیں۔ اس بیٹے کو جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ جس کی ذات کو معتبر کرنے کے لیے اس نے دور دیس ڈیرہ لگا لیا تھا۔

وہ کیا جواب دیتا۔ وہ تو خود ماں سے بے شمار سوالات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے اندر دکھ و پچھتاوے کے الاؤ دہک رہے تھے جس کی آنچ سے اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔ وہ تو اپنے سلگتے وجود پر پڑے آبلے دکھانا چاہتا تھا مگر ماں کا یہ روپ، یہ جنون اسے چپ رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔

احسان نے آگے بڑھ کر ماں کے ہاتھوں سے ثوبان کا گریبان چھڑایا۔ ثوبان جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مڑ کر اسی سے سر ٹکرانے لگا۔

زندگی کا یہ عذاب اس کی برداشت سے باہر ہو چلا تھا۔

سوالیہ چہرے، شکی نگاہیں، استفہامیہ انداز اس کے چاروں طرف یہی کچھ تھا اور وہ تنہا اکیلا..... سب کے درمیان مجرم بنا کھڑا تھا۔

منعمہ سے متعلق انہیں مطمئن کرنے کے لیے جتنے جھوٹ اس نے بولے تھے، ان سب کا اسے الزام دینا جائز تھا۔

گاڑی سے سر ٹکراتے ثوبان کو بصر نے روکا۔ باقی سب تو منعمہ کے بے جان وجود کو دیکھ کر بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔

احمد علی اور منعمہ کی ماں تو گم صم ہی ہو گئے تھے۔ مارے صدمے کے وہ تو اپنے غم کا اظہار بھی نہ کر پا رہے تھے۔ ان کی وہ محلوں کا نصیب لے کر پیدا ہونے والی بیٹی، اپنا آپ گنوا کر آج مٹی میں دفن ہونے چلی تھی، جس کے سکھ دیکھ کر وہ اوروں کی بیٹیوں کو اس جیسے نصیب کی دعائیں دیا کرتے تھے، آج وہ دُکھ سکھ سے بے نیاز ان کی دعاؤں کو جھٹلا گئی تھی۔

نہ جانے کس نے کس طرح حوصلہ پیدا کیا اور منعمہ کو سپردِ خاک کرنے کا انتظام کیا۔

سب کو اس کی موت کی اصل وجہ اور ملک سے دوری کا جواز معلوم ہو چکا تھا۔ سب

حیران و دکھی تھے۔

رابعہ خود شرمسار تھی کہ ماں نے اس کی محبت میں اس عظیم ہستی کو خواہ مخواہ کی مصلحت کے تحت گھر سے بے گھر کر دیا تھا جس نے اپنی ممتا کی قربانی دی تھی۔

حالات نے رفتہ رفتہ سب کے دکھوں کو منعمہ کی موت سے لگے زخموں کو مندمل کر دیا تھا لیکن ایک ہستی آج بھی دن رات اپنے رستے ہوئے زخموں کو مزید چھیڑتی رہتی ہے۔

ثوبان اپنے کمرے میں مقید پہروں گم صم خلاؤں میں منعمہ کی پرچھائیاں ڈھونڈا کرتا ہے اور زبیدہ منصور اپنے پچھتاوؤں کی آگ کو اپنے اشکوں سے بجھانے کی بجائے مزید بھڑکاتی رہتی ہیں۔

☆=======☆=======☆

ریاضتوں کا موسم

ایک مرد کا قصہ جس نے اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے ایک فرشتہ صفت لڑکی کو بدنامی کے گہرے غار میں دھکیل دیا تھا۔ اس کی لمحے کی بھول عمر بھر کا روگ بن گئی تھی، پچھتاوے اس کا مقدر تھے..... اس نے اپنے جرم کی تلافی کا فیصلہ کر لیا مگر تلافی کے لیے معافی ضروری تھی۔

کبھی کبھی یہ رقابت اعتماد کی برسوں پرانی بلند فصیلوں کو بھی بودا کر دیتی ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ذات کے گرد کھڑے مضبوط ستون بھی بوسیدہ عمارت کو سنبھال نہیں پاتے۔

اپنے ہی خیالوں کی آندھیاں تنکوں کی طرح سب کچھ اُڑا کر لے جاتی ہیں جیسے میں بکھر رہی ہوں۔ مجھے اپنے اعتماد و مان کی عمارت لرزتی محسوس ہونے لگی ہے۔ یہ کیسی سوچیں ہیں جو مجھے کمزور بنا رہی ہیں۔ کیا کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے؟ کوئی مجھ سے میرا مان چھین سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اپنے بیڈ روم میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی مسز رافیہ فرحان اپنے ہی عکس سے مخاطب تھیں۔ وہ کافی عرصہ سے ڈپریشن کا شکار تھیں۔ علاج کے باوجود ان کا ڈپریشن ختم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان کیفیات کا شکار کیوں تھیں اس کی بھی ایک وجہ تھی۔ وہ ابھی بھی خود کلامی میں مصروف تھیں بلکہ خود سے ہی استفسار بھی کر رہی تھیں۔

مجھے اب اکثر دن کے اُجالوں سے خوف کیوں آنے لگا ہے۔ کیا میری عمر کی شام ڈھلنے لگی ہے؟ اس لیے سورج کی روشن کرنیں میرے وجود کی ہر خامی، ہر سوچ کو نمایاں کر کے مجھے رسوا کرنا چاہتی ہیں۔ عمر کے اس دور میں مجھ سے میرا مان اعتماد اور فخر چھین لینا چاہتی ہیں۔ صرف ایک اکیس بائیس سالہ کم رُو مگر شاطر لڑکی کو میرا رقیب بنا کر، کیا وہ میری عمر بھر کی ریاضتوں کو درہم برہم کر کے مجھے رسوائے زمانہ کر سکتی ہیں؟

کیا میں اپنے تین ہونہار خوبرو بیٹوں کے باوجود تہی داماں رہ جاؤں گی؟

''نہیں..... ہرگز نہیں..... میں خود رسوا ہونے سے پہلے سب کچھ تہس نہس کر دوں گی۔''

اضطراری کیفیت میں رافیہ فرحان نے اپنے چہرے کو ہاتھوں کی انگلیوں سے مسلا جیسے اپنے چہرے سے اپنے اضطراب و بے سکونی کو مسل کر اتار رہی ہوں۔

رافیہ فرحان کا ڈپریشن تب سے بڑھا تھا جب سے ان کی زندگی میں سعدیہ آذر خان آئی تھی جو فرحان خان کی اسسٹنٹ تھی اور جو دن بہ دن ان کی کمپنی کو ہی نہیں، فرحان خان کو بھی اسسٹ کرنے لگی تھی۔ یہ رافیہ بیگم کا خیال تھا جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ اور پختہ ہو رہا تھا۔ اسی رفتار سے فرحان خان کی دلچسپی اور پسندیدگی بھی سعدیہ آذر میں بڑھتی جا رہی تھی۔ سعدیہ کا منٹوں میں ہر مشکل کا حل ڈھونڈ نکالنا اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے کام کو نمٹانا، فرحان خان کے دل میں اس کی اہمیت بڑھا گیا تھا۔ سعدیہ آذر کو اپائنٹ کرنے کا فیصلہ اب ان کے لیے اعلانیہ فخر بن گیا تھا۔ سعدیہ آذر کی تعریفیں نہ صرف ان کے بزنس سرکل میں پھیلی ہوئی تھیں بلکہ ان کے گھر فرحان ہاؤس میں بھی پہنچ گئی تھیں۔

شروع شروع میں تو رافیہ نے بھی اسے بہت سراہا تھا۔ فرحان خان کی کاروباری ذمہ داریاں کافی بٹ گئی تھیں، ان کے لیے یہ خوش آئند بات تھی۔ مگر پھر رفتہ رفتہ انہیں کسی احساس نے جکڑنا شروع کر دیا تھا۔ فرحان خان کی مسلسل تعریفوں نے انہیں بدگمان کر ڈالا۔ وہ فرحان خان کی تعریف و توصیف کو کسی اور تناظر میں دیکھنے لگی تھیں۔ انہیں اپنے شوہر کی طرف سے دھڑکے تو ساری عمر ہی لگے رہے تھے لیکن اب وہ ہر پل خوفزدہ رہنے لگی تھیں۔ سعدیہ خان اور فرحان خان کا ہر جگہ ساتھ ساتھ رہنا انہیں کوئی اور ہی کہانی لگتا۔ دو ڈرائیورز کی موجودگی کے باوجود سعدیہ فرحان خان کے ساتھ تنہا ڈرائیو کرتی۔ ان کے ساتھ میٹنگز اٹینڈ کرتی۔ بزنس پارٹیز میں جاتی۔ اکثر چھٹی والے دن بھی فرحان ہاؤس میں بے تکلفی سے آ دھمکتی۔ یہی انداز تو رافیہ خان کو کسی انہونی پر ہولاتے رہتے تھے اور وہ ڈپریشن میں مبتلا ہو جاتی تھیں۔ ان کی بے کلی و بے چینی بڑھنے لگتی تھی، خود کو پُرسکون ظاہر کرنے کی کوشش میں وہ مزید بے دم ہو جاتی تھیں۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے اپنے خدشات کا اظہار اپنے تینوں بیٹوں سے بھی کر دیا تھا۔ دو بیٹے شایان اور ایمان تو اپنی بیوی بچوں کے ساتھ باہر ہی بزنس سنبھالے ہوئے تھے۔ انہیں فون پر ماں کے خدشات سن کر زیادہ تشویش نہیں ہوئی تھی۔ انہیں جیسے یقین تھا کہ ان کی ماما کسی وہم میں مبتلا ہیں۔ بہرحال انہوں نے ماں کو تسلی تو دی تھی وہ پھر بھی مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ اب بیٹے اپنے باپ کو ریٹائرمنٹ دے دیں۔ وہ کاروبار سے نہیں، سعدیہ آذر سے فرحان خان کو الگ کروانا چاہتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے اب وہ اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کو اکسانے لگی تھیں کہ وہ اب اپنی ذمہ داری

سنبھالے۔

الحان خان چند دن پہلے ہی دو سال بعد گھر لوٹا تھا۔ ابھی تو دنیا بھر کی سیر و سیاحت کا خمار باقی تھا کہ ماما اسے ذمہ داریوں کی آنچ پر پکانے کی تیاری کیے بیٹھی تھیں۔ وہ بزنس کی طرف راغب ہی نہیں تھا۔ اسے تو سیر سپاٹے کرنے کا جنون سا تھا۔ وہ پابندی سہنے کا عادی نہیں تھا جبکہ ماما بار بار اسے اپنی روداد سنا کر اسے آفس جانے اور پاپا پر نظر رکھنے پر اکسا رہی تھیں۔ وہ اگر بحالت مجبوری بزنس کی طرف راغب ہونے کا سوچتا بھی تو اسے اپنے ساتھ اسسٹنٹ کی پخ نہیں چاہیے تھی جبکہ یہ ضروری ہی تھی کیونکہ وہ بزنس کے تمام رموز سے ناواقف ہی نہیں بے بہرہ بھی تھا۔

''افوہ ماما، آپ کو وہم ہو رہا ہے۔ پاپا نے یہ سب کرنا ہوتا تو بہت پہلے کر چکے ہوتے۔ پلیز ڈونٹ وری اباؤٹ ہم۔''

ماما کی مسلسل ایک ہی بات سن سن کر آخر الحان نے بھی انہیں جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس کا ذہن ماما کے ہر خیال کی تردید کر رہا تھا۔ اس نے اپنے پاپا کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور عورت کی طرف مائل نہیں دیکھا تھا۔ اب عمر کے اس دور میں جب وہ دو عدد بہوؤں اور پوتے پوتیوں والے ہو چکے تھے تو اپنے سے بہت چھوٹی لڑکی کی طرف ملتفت ہونا غیر یقینی و ناممکن ہی لگ رہا تھا مگر ماما تھیں کہ مسلسل اسی وہم میں مبتلا تھیں۔

الحان کی جھنجلاہٹ پر وہ اپنے اضطراب سے تنگ آ کر رونے لگی تھیں جس پر وہ مزید الجھن محسوس کرنے لگا تھا۔

''پلیز..... پلیز ماما اب آپ روئیں تو نہیں۔ میں کچھ کرتا ہوں بلکہ دیکھتا ہوں کہ آپ کی باتوں میں کتنی سچائی ہے۔''

''تمہارا کیا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں؟ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں سب۔ تم اپنے پاپا کو غور سے دیکھو تو تمہیں علم ہو کہ ان میں کتنا بڑا چینج آیا ہے۔'' رافیہ فوراً ہی تنک کر بولیں۔

الحان خان شروع سے ماں سے بے حد قریب تھا۔ ماما نے اس کے لاڈ بھی بہت اٹھائے تھے، اس کی ہر جائز ناجائز خواہش ماننے اور منوانے کی کوشش کی تھی۔ اسی لیے اس کے دل میں ماما کے لیے جذبات بھی خاصے زیادہ تھے حالانکہ وہ ذرا خود پسند واقع ہوا تھا۔ ہمیشہ اپنی منوانے کا زعم بھی اس میں زیادہ تھا پھر بھی ماما کی کئی باتیں بلا چوں چراں مان لیتا تھا۔ اب بھی ان کی کیفیت دیکھ کر اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

''ٹھیک ہے، آپ کی خوشی کی خاطر میں آفس جوائن تو کر لوں گا مگر ماما آپ یہ بات ضرور یاد رکھیں، مجھے بزنس کا بالکل بھی ایکسپریئنس نہیں ہے کہیں پاپا کو نقصان نہ اٹھانا پڑ جائے۔'' الحان نے نیم رضامندی دیتے ہوئے اپنے خدشات بھی بیان کیے۔

''اس چڑیل سے جان چھڑانے کے لیے کچھ نقصان ہو جائے گا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے بھی تم سارا نقصان اس کے سر پر ڈال دینا۔ تمہارے پاپا تمہیں اسی کے حوالے کریں گے۔ وہ تمہیں ضرور گائیڈ کرے گی، تم اسی بات سے فائدہ اٹھا کر اسے بے دخل کر سکتے ہو۔''

رافیہ خان نے اپنی سوچیں واضح کیں تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سر ہلانے لگا حالانکہ اس کے اندر کا خود پسند مرد ایک لڑکی سے گائیڈنس لینے پر واویلا مچا رہا تھا مگر ماما کے لیے اب اسے خود پر جبر کرنا ہی تھا۔

☆=======☆=======☆

''رافیہ بتا رہی تھی کہ تم آفس جوائن کرنا چاہتے ہو۔''

تینوں نفوس ڈنر کے لیے اکٹھے ہوئے تھے جب فرحان خان نے بہت اطمینان سے الحان کو مخاطب کیا۔ پہلے تو وہ ذرا گھبرایا پھر سنبھل کر مسکرا کر بولا۔

''ماما چاہتی ہیں کہ اب میں اپنی ذمہ داری سمجھوں۔ آئی مین اب آپ کو بھی ریسٹ کی ضرورت ہے اور یہ سب مجھے ہی تو دیکھنا ہے اس لیے۔''

رافیہ خان اس کے اس طرح گڑبڑانے پر اسے گھورنے لگی تھیں۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ تمہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا ہے۔ میں خود یہی چاہتا تھا کہ تم اب بزنس دیکھو بلکہ بزنس کو سمجھو۔ اوکے، پھر تم کل صبح سے آفس آ جاؤ۔ میں تمہیں سارے اسٹاف سے انٹروڈیوس کروا دوں گا اور سارے ضروری معاملات بھی سمجھا دوں گا۔ اچھا ہوا کہ تم ان دنوں میں آفس جوائن کرو گے، اس ویک مجھے چیک اپ کے لیے بھی جانا ہے اور ایمان کی بھی ایک دو پرابلمز ہیں، انہیں بھی جا کر دیکھنا ہے۔''

فرحان خان کے چہرے پر سچی خوشی بکھری تھی۔ الحان کو تو وہ بہت پہلے سے اپنے آفس میں دیکھنے کے تمنائی تھے مگر وہ اپنی لاپروا فطرت کی وجہ سے انہیں ہمیشہ مایوس کرتا رہا تھا۔ اب انہیں سنعہ آذر کی وجہ سے تسلی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں بھی زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ وہ ساری ذمہ داریاں اٹھانے کی اہل تھی۔

رافیہ کے چہرے پر بھی ایک گونا سکون اترا تھا۔ وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ فرحان خان سنعہ آذر خان کے سائے سے بھی دور چلے جائیں۔

پاپا کے ساتھ سارے اسٹاف سے ملتے ہوئے الحان کا تجسس اسے مزید بے چین کیے ہوئے تھا۔ وہ اس ہستی کو سب سے پہلے دیکھنا اور ملنا چاہتا تھا جو اس کے لیے بھی چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اپنی بے چینی کا برملا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ سکون کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاپا کی ہدایات سن رہا تھا۔ اس نے فرحان کے آفس کے ساتھ بنے گلاس کیبن کو الجھن سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''یہاں کون بیٹھتا ہے؟ آئی مین، یہ سیٹ کیوں خالی ہے؟''

فرحان خان نے ابھی تک سنعہ آذر کے حوالے سے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب اس کے استفسار پر اطمینان بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتایا۔

''وہ سیٹ ''مس خان'' کی ہے۔ سمجھو کہ میرا دایاں بازو..... تمہیں اس سے بہت کچھ سیکھنا بھی ہے اور اس کی رسپیکٹ بھی کرنی ہے انڈر اسٹینڈ!''

فرحان خان کے انداز پر الحان ذرا سا ٹھٹکا تھا۔ لوگ اپنی اولاد کو اپنا دایاں بازو کہتے ہیں جبکہ اس کے پاپا اپنی ایک ورکر کو اپنا دایاں بازو کہہ رہے تھے۔ اسے ماما کی باتوں میں صداقت محسوس ہونے لگی۔ پاپا اسے نہ جانے کیا کیا سنعہ آذر کے بارے میں بتا رہے تھے مگر وہ کہاں سن رہا تھا۔

''مس خان چند دن کی چھٹیوں پر ہیں۔ میں تمہارے بارے میں اسے بتا چکا ہوں۔ تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔''

فرحان خان نے بیٹے کی خاموشی محسوس کر کے اسے تسلی آمیز انداز میں کہا تو وہ چونک کر گہری سانس لینے لگا۔

اگلے دو تین دن اس نے بمشکل صبر سے گزارے۔ پاپا اسے جو کچھ بزنس کے بارے میں بتا رہے تھے اس کی سمجھ میں کب آ رہا تھا۔ اس کے لیے تو صبح نو بجے سے شام پانچ چھ بجے تک آفس میں بیٹھنا ہی محال ہو رہا تھا۔ وہ کئی بار رسیاں تڑا کے بھاگنے کی کوشش کر چکا تھا مگر رافیہ اسے کامیاب ہونے کہاں دے رہی تھیں۔ اپنی ممتا کے واسطے دے کر اپنی اَن گنت مہربانیاں یاد دلا کر اسے مجبور کر کے واپس بھیج دیتی تھیں بلکہ اسے غیرت دلاتی تھیں کہ وہ اپنی ماں کا حق چھیننے والی ہستی کو ان کی زندگی سے دور نہیں کر سکتا۔

فرحان خان کو ایئر پورٹ ڈراپ کرنے کے بعد آج وہ معمول سے لیٹ آیا تھا۔ اپنے آفس میں داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نظر خالی کیبن کی طرف اٹھی تھی۔ آج تو اسے توقع تھی کہ وہ مس خان سے ضرور ملاقات کرلے گا مگر خالی کیبن نے اس کی توقع اور حسرت پوری نہ

کی تھی۔ وہ اپنے آفس میں داخل ہوا تو اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ کوئی خاتون تھی اس کی کرسی کے سامنے پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی تھی۔ آہٹ پر اس نے کھڑے ہو کر دروازے کی طرف رخ پھیرا۔

لمحہ بھر تو دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر ٹھٹک کر کھڑے رہ گئے۔ الحان خان کو تو اپنی بصارت پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے عرصے بعد، اس کے سامنے اسی کے آفس میں موجود ہو گی۔

مس خان اگلے ہی لمحے خود کو سنبھال کر اپنے ہاتھوں میں تھامے سفید پھولوں کے خوبصورت گلدستے کو اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔

''گڈ مارننگ سر۔ ویلکم ٹو آفس۔''

مس خان کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی ہلکی سی شناسائی معدوم ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ اس کی مخصوص مغرور سی مسکراہٹ سے چمک رہا تھا۔ اس نے پھر اسے متوجہ کیا تھا کیونکہ الحان خان مسلسل اپنی جگہ پر ساکت کھڑا تھا۔

''سر یہ پھول آپ کے لیے ہیں۔''

الحان خان نے گلدستہ تھامتے ہوئے اس کی آنکھوں میں وہی احساس، وہی رنگ دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آج بھی سب کچھ فتح کر لینے کی چمک موجود تھی۔ اس کے چہرے پر آج بھی اپنی ذات کا فخر و غرور موجود تھا۔ سنعہ آذر خان کا یہ مخصوص انداز پھر سے سب کچھ یاد کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ اب تک ویسی ہی تھی۔ رقیب جاں..... آج بھی وہ ایک رقیب کی حیثیت سے اس کے مقابل کھڑی تھی۔ اس کے بارے میں الحان کے احساسات کچھ بھی تھے، اس وقت اسے خود کو سنبھالنا تھا۔ اسے ترش نظروں سے دیکھتے ہوئے بحالت مجبوری اس کے دیئے گئے پھولوں کا شکریہ ادا کر کے اسے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ سنعہ آذر خان اپنی فطری خود اعتمادی کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''سر کی غیر موجودگی میں آپ کو کوئی پرابلم تو نہیں ہے یہاں؟''

سنعہ کی یہ خود اعتمادی الحان کے لیے تکلیف دہ ہی نہیں ناقابلِ برداشت بھی تھی اسی لیے اسے ترش لہجے میں جواب دیا۔

''یہ میرا آفس ہے یہاں مجھے کیا پرابلم ہو سکتی ہے؟''

''یہ تو اچھی بات ہے یقیناً ان تین چار دنوں میں آپ تمام فائلز کی ریڈنگ کر چکے ہوں

گے اور ہماری کمپنی کے کنٹریکٹس جن کمپنیز کے ساتھ ہیں، ان کے بارے میں بھی آپ جان گئے ہوں گے۔''

مس خان کا رواں لہجہ اس کی کام سے سنجیدگی کو واضح کر رہا تھا مگر الحان پر یہ سب گراں گزر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سعدہ آذر فوراً اس کے سامنے سے چلی جائے مگر وہ اپنے سامنے کسی فائل کو کھولے اس سے بات چیت کے لیے تیار نظر آ رہی تھی۔ الحان کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس کا باس نہیں، ملازم ہے جسے وہ اپنی مرضی سے چلانا چاہتی ہے۔

''آج شام چار.....''

''پلیز سعدہ آذر خان۔'' الحان نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔ ''ابھی میں ریسٹ کرنا چاہتا ہوں آپ پھر آ جایئے گا۔''

مس خان نے فائل سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نظر میں الحان کو آج بھی اپنے لیے تحقیر دکھائی دی تھی۔

''چند میٹرز ایسے ہیں جن پر ڈسکشن ابھی بہت ضروری ہے۔ یقیناً آپ کے نالج میں ہو گا کہ آج شام چار بجے ایم بینز کمپنی کے منیجر کے ساتھ ہماری میٹنگ ہے۔ آئی تھنک آپ کو اس پروجیکٹ کے بارے میں بریفنگ کی ضرورت ہو گی۔'' وہ بنا ہچکچائے اپنے پُر اعتماد لہجے اور فتح کن احساس کو آنکھوں میں بسائے اس سے مخاطب تھی۔

''جب سب کچھ آپ کو کرنا ہے تو مجھے بریفنگ کی کیا ضرورت ہے۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی الحان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ اگلے ہی پل اسے اپنی حماقت کا احساس بھی ہوا۔ وہ اپنے رویے سے اپنی بے بسی کا مظاہرہ کر کے اس مغرور حسینہ کو مزید تمسخر اُڑانے کا موقع دے رہا تھا۔

''پراجیکٹ کو اوکے تو آپ کو ہی کرنا ہے سر۔ اوکے، آپ ریسٹ کر لیں میں فائلز چیک کر لیتی ہوں، آپ کو جب پراجیکٹ پر ڈسکشن کرنا ہو تو میں حاضر ہو جاؤں گی۔''

سعدہ نے اپنے مخصوص انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تو الحان کی جان جل گئی۔ وہ اس سے بظاہر تو مؤدبانہ مخاطب تھی مگر الحان کو اس کی آنکھوں کا رنگ جلا گیا تھا۔

''فی الحال مجھے کوئی بھی ڈسٹرب نہ کرے مس سعدہ آذر۔ میں آپ کو خود ہی بلواؤں گا۔''

الحان نے اپنے لہجے میں حتی المقدور رعب و رعونت بھر کر اسے مخاطب کیا۔

''سر! یہاں سارا اسٹاف اور سر فرحان، سبھی مجھے مس خان کہتے ہیں۔ آئی ہوپ آپ

بھی مجھے مس خان ہی کہیں گے۔'' وہ جاتے جاتے اسے ٹوک گئی تھی۔

الحان نے اپنی جلتی نظریں اس کی پشت پر گاڑ دیں مگر وہ مکمل اطمینان کا مظاہرہ کرتی، اس کے اور اپنے آفس کے درمیان گلاس ڈور کو کھول کر اپنے کیبن میں داخل ہو گئی۔

الحان پہلے چند لمحے تو اسی مقام کو گھورتا رہ گیا، پھر جھنجھلا کر اس نے اپنے سامنے پڑی فائل کو بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ خود کو سکون پہنچانے کا اس کے پاس یہی حل تھا لیکن سکون کہاں تھا۔ سعدہ آذر خان کی آنکھوں کی تحقیر اور فتح کن احساس اسے تلخ یادوں کی طرف موڑ رہا تھا جہاں ماضی میں اسے اس لڑکی سے ایک ایک قدم پر رقابت رہی تھی یا دوسرے لفظوں میں نفرت..... یہی وہ لڑکی تھی جو اسے قابلِ اعتناء نہ سمجھتی تھی۔ اس کے پیکرِ شاہانہ اور مجسم دلبرانہ وجود سے منکر، اس کی ذہانت کو ٹھوکر میں رکھ کر، اپنے نسوانی تکبر اور سب کو جھکانے کا احساس لیے، اپنے اندازِ استغنا سے اس کی انا کو بھسم کر دیتی تھی۔ وہ لاکھ فرار چاہتا مگر سعدہ آذر خان کے رویے آج بھی اس کے پردۂ ذہن پر متحرک تھے۔ تمام تر جزئیات کے ساتھ..... شاید وہ اپنے دل سے اس کی نفرت نہیں نکال سکا تھا اور اب تو اس کا جذبہ رقابت تناور ہو چکا تھا۔

وہ ایک بار پھر ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا تھا۔

سعدہ آذر خان اور اس کا کوئی جوڑ، کوئی میل نہیں تھا۔ دونوں کی کلاس مختلف تھی۔ الحان اے کلاس کا نمائندہ تھا جبکہ شاید سعدہ آذر تو مڈل کلاس ہی تھی۔ دونوں کا اندازِ فکر جدا جدا تھا۔ دونوں کا تعلیمی میدان بھی الگ تھا۔ الحان خان والدین کی خواہش رد کر کے اپنی ضد اور دلچسپی سے انگلش لٹریچر میں فائنل کا اسٹوڈنٹ تھا جبکہ سعدہ آذر خان ایم بی اے کے فرسٹ ایئر میں تھی۔ دونوں میں حد درجہ تضاد تھا پھر بھی نہ جانے کیوں الحان سعدہ سے چڑتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یونیورسٹی بھر میں اس کی ذہانت کے چرچے اور ناگوار باتوں پر ہر ایک سے بلاخوف و خطر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے غصے کا اظہار کر دینا تھا۔ بہت سے لڑکے جن کا تعلق اس کے ڈیپارٹمنٹ سے بھی تھا، وہ سعدہ آذر کے رویوں سے ڈر کر اس کے سامنے بولنے سے کترانے لگے تھے۔ کئی ایک واقعتاً اس کی عزت و احترام میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔

الحان خان کے کچھ دوست ایم بی اے ڈیپارٹمنٹ میں بھی تھے اس لیے سعدہ آذر سے سامنا اکثر ہوتا رہتا تھا اور ناچار اس کے بارے میں بہت کچھ سننے اور جاننے پر بھی مجبور رہتا تھا۔ اسے سعدہ آذر کی ہر دلعزیزی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اس کے نزدیک سعدہ آذر کا اعتماد اس کی بیباکی تھی۔ ہر ایک کے مسئلے میں پڑنا خود نمائی تھی۔ اس کے خیال میں تو لڑکیوں کو،

خصوصاً سعدہ آذر کی کلاس کی لڑکیوں کو تو جھکی جھینپی نظروں اور خجالت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اپنی شرم وحیا کو ملحوظ رکھ کر صنفِ مخالف سے روبرو ہونا چاہیے مگر سعدہ آذر کا تو وطیرہ ہی الٹ تھا جس سے الحان خان جیسا خود پسند گلیمر بوائے بھی خود میں کچھ کمی محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ ایک صرف سعدہ آذر ہی تو تھی جو اس کی طرف نگاہِ غلط بھی نہ ڈالتی حالانکہ وہ اسے تپانے اور اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اکثر ہی اس کے ڈیپارٹمنٹ میں کھڑے ہو کر صنفِ نازک کی بے راہ روی پر کھلا ڈلا تبصرہ کیا کرتا۔ سعدہ آذر قریب کہیں موجود ہونے کے باوجود پلٹ کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتی تھی۔ اگر کبھی قسمت سے دونوں کا سامنا ہو بھی جاتا تو اس کی آنکھوں میں الحان خان کو ہمیشہ اپنے لیے تحقیر ہی نظر آتی۔ جیسے اس کی آنکھیں کہتی ہوں کہ تم جیسوں کے بھونکنے سے سعدہ آذر کو فرق نہیں پڑتا۔

یہی تحقیر، اس کا یہی انداز الحان خان میں نفرت کی آگ مزید سلگا دیتا تھا۔ بھلا وہ خود سعدہ آذر خان کو کیا سمجھتا تھا۔ معمولی سی حیثیت کی بے کشش نقوش والی گندمی رنگت کی عام سی لڑکی جس کی صرف سیاہ بڑی آنکھوں میں سب کچھ فتح کر لینے کا احساس تھا یا پھر اس کے ساڑھے پانچ فٹ قد بت پر اس کے کمر تک دراز بال تھے جو اسے دوسری لڑکیوں میں نمایاں کرتے تھے۔ الحان کے لیے تو اس کی یہ خصوصیات بھی متاثر کن نہ تھیں۔

سعدہ آذر سے رقابت کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی ہر دلعزیزی تقسیم ہو گئی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے غیر تعلیمی سرگرمیوں میں اس کے مقابل کوئی نہ تھا اور اب وہ اسے ہر مقام پر ہرانے اس کے سامنے موجود تھی۔ اسے آج بھی سعدہ آذر کی دھواں دھار تقریر کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوتی تھی جو اس نے یوم آزادی کے موقع پر پڑھی تھی۔ در پردہ اس نے الحان خان اور اس جیسے بہت سے لڑکوں کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی تھی جو یونیورسٹی کے ماحول میں گروپ بندیاں کر کے چپقلشیں بڑھا رہے تھے۔ اس کا ہر لفظ اسے اپنے جسم میں تیر کی مانند چبھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ سعدہ آذر کی آواز کے علاوہ ہال میں مکمل خاموشی تھی۔

''ہم آج جہاں کھڑے ہیں یہ ہماری منزل نہیں ہے بلکہ یہ تو نشانِ منزل ہے جو ہمیں ہماری منزلوں تک پہنچنے میں مدد دے گا۔ ان منزلوں ان بلندیوں تک جس کے خواب ہمارے اسلاف نے نہ صرف دیکھے بلکہ ہمیں ان کی تعبیریں بھی فراہم کیں۔ مگر افسوس..... آج کے نوجوان بدیسی بے راہ روی کا شکار ہو کر اپنے آباؤ اجداد کی ان قربانیوں کو بھول گئے ہیں، ان عظمتوں اور حرمتوں کو فراموش کر چکے ہیں جو ہمارے بزرگوں نے اپنا آپ کٹا کر بھی مقدم جانیں۔''

الحان اس تقریری مقابلے میں حصہ نہیں لے سکا تھا۔ اس کا گلا خراب تھا اور اسے شدید فلو تھا۔ اس کے باوجود وہ سعدہ آذر کو سننے چلا آیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے کانوں میں ٹشو پیپر کی گولیاں سی بنا کر کھسیڑ لیتا تھا، جب سائیں سائیں سے ذہن جھنجھنانے لگتا تو بحالت مجبوری کانوں سے ٹشو پیپر کی گولیاں نکال کر اس کی آواز سننے لگتا۔

''ہمارے نوجوان کو خود شناسائی کی ضرورت ہے۔ ہمیں کسی کی بھی تقلید سے پہلے یہ سوچنا ضرور چاہیے کہ ہم کس قوم، کس مذہب اور کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری نسل کو اپنی عزت و وقار کو بحال کرنے کے لیے محنت و لگن سے کام لینا چاہیے۔ اپنی قومی اقدار، اپنے معاشرتی تمدن کو بھی اسی طرح عزیز و محترم رکھنا چاہیے جس طرح یہ اپنے گھر میں اپنی ماؤں اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو محترم جانتے ہیں۔ اصلاح کا پہلا قدم اپنے گھر سے اٹھنا شروع ہو تو گھر ہی نہیں معاشرہ بھی سنور جاتا ہے۔ یہ تعلیمی درسگاہ ہمارا گھر، ہمارا مسکن ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس مسکن کو مزید سکون و آشتی فراہم کریں، اپنے مثبت اقدام اور بہترین عملی و اخلاقی کارکردگی کو بروئے کار لا کر اسے ایک مثالی درسگاہ بنا دیں۔ اس کے لیے اس درسگاہ کے ہر طالب علم کی معاونت بہت ضروری ہے۔''

الحان خان [illegible] بولتے دیکھ رہا تھا، کبھی کبھی سن بھی لیتا تھا۔ وہ بڑے اعتماد اور تمکنت سے چہرے کے گرد سرمئی دوپٹے کا ہالہ کیے اسٹیج سے اُتر رہی تھی۔

سعدہ آذر کی تقریر جیسے اس کے زخموں پر نمک پاشی کر گئی تھی۔ وہ اس کے لفظوں میں بھی اپنے لیے تحقیر و تذلیل محسوس کر رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعدہ آذر کو اس قدر بولنے کا موقع ہی نہ دیتا۔ اس وقت اسے اپنی بے بسی پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ وہ اسے کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

حسب توقع سعدہ آذر خان کو بہت سراہا گیا تھا۔ جج صاحبان نے اسے اول انعام کا حقدار ٹھہرایا تھا۔ فنکشن کے اختتام پذیر ہوتے ہی مبارک باد دینے کے لیے سب ہی اسے گھیرے ہوئے تھے اور وہ سب ہی سے مسکرا مسکرا کر مبارک باد وصول کر رہی تھی۔ الحان کا دل تو پہلے ہی جلا ہوا تھا اسے بھی جلانے کے لیے کچھ سوچ کر اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

''مس سعدہ آذر، مجھے آپ کے جیتنے کی امید نہیں تھی ورنہ میں بھی ان سب کی طرح ایک عدد پھول تو مبارک باد کے ساتھ ضرور پیش کرتا۔'' الحان نے کافی سنجیدگی کے ساتھ احسان جتانے والے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''اچھا کیا کہ آپ نے اپنے ایک عدد پھول کی بچت کر لی ورنہ اس وقت اسے واپس

لے جاتے ہوئے آپ کی انسلٹ ہو جاتی کیونکہ میں اجنبیوں سے پھول تو کیا مبارکباد بھی نہیں لیتی۔'' وہ اپنی بات کہہ کر وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

اپنے دوستوں کی موجودگی کی وجہ سے الحان کوئی پس و پیش بھی نہ کر سکا کیونکہ پہلے ہی اس کے دوست سعد آذر سے خار کھانے کی وجہ پوچھتے رہتے تھے جبکہ وہ سب کو اپنی خود پسندی کے اثر میں جواب دے چکا تھا کہ سعد آذر کی حیثیت اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد بھی کئی ایک مقامات پر دونوں کی مڈبھیڑ اسی انداز میں ہوئی تھی۔ سعد آذر کا اندازِ نظر بدلا تھا اور نہ ہی الحان خان کے اندر مچلتے سلگتے انا پرست مرد کو تسکین کا کوئی لمحہ میسر آیا تھا۔ حتیٰ کہ اس کا یونیورسٹی میں آخری دن بھی آ پہنچا تھا۔ لڑکیاں تو خیر سعد آذر کی ذہانت اور غیر نصابی سرگرمیوں میں نمایاں کارکردگی کی وجہ سے اس سے متاثر تھیں اور اس سے دوستیاں بڑھانے کو بے چین بھی رہتی تھیں، لیکن بیشتر لڑکوں کے ساتھ بھی سعد کے تعلقات دوستانہ اور خوشگوار تھے۔ الحان کے ڈیپارٹمنٹ کی چند ایک لڑکیوں سے بھی اس کی گہری دوستی تھی اور آج انہی کی خاطر وہ پارٹی میں موجود تھی جبکہ الحان خان کو اس کی موجودگی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ خضر جو کئی بار پہلے بھی الحان کو سعد کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ چکا تھا، اب بھی اس کے چہرے پر پھیلے تناؤ کو دیکھ کر شرارت سے اس کے قریب آ کر پوچھ رہا تھا۔

''کیا بات ہے، یاروں کے مزاج تو اچھے ہیں۔ یونیورسٹی چھوڑنے کا دکھ ہو رہا ہے یا اسپائسی گرلی (تیکھی لڑکی) تک رسائی نہ پانے کا؟ فکر کیوں کرتا ہے یار وہ تو ابھی ایک ڈیڑھ سال یہیں پر ہوگی۔''

خضر کی چھیڑ چھاڑ ڈیپارٹمنٹ کے سبھی لڑکوں سے تھی اور اسی نے سعد آذر کے غصیلے اور تیکھے رویے پر اسے اسپائسی گرلی کا ٹائٹل دیا تھا۔ اس وقت تو الحال خان دل کھول کر ہنسا تھا مگر اب اس نے کافی غصے اور درشتگی سے خضر کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

''تمہارے پاس اس فضول گوئی کے علاوہ کوئی اور بات ہے۔''

''بات تو میں نے وہی کی ہے جو تمہارے چہرے پر پڑھی ہے بلکہ تمہاری آنکھیں بھی ادھر ہی فوکس ہیں جہاں وہ بیٹھی ہے۔''

''کیا؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے خضر..... میں یعنی الحان خان ایک معمولی سی لڑکی کو..... دس از اے بگ جوک آف مائی لائف۔''

الحان کے چہرے پر تمسخرانہ ہنسی پھیل گئی اور پھر وہ ہنستا ہی چلا گیا۔

خضر پہلے تو اسے دیکھتا رہ گیا پھر قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ''وہ معمولی لڑکی نہیں ہے الحان! ویل یہ اپنی اپنی سوچ ہے اور اپنا اپنا خیال..... بتاؤ ذرا آج کتنے دلوں کو توڑنے کا ارادہ ہے؟'' خضر بھی اس کا موڈ دیکھ کر اپنے موڈ میں واپس آ گیا۔ وہ سعد آذر کو موضوعِ گفتگو نہیں بنانا چاہتا تھا۔

''یہ تو دل پیش کرنے والیوں پر منحصر ہے۔'' الحان بھی اپنی شخصیت کے زعم میں پلٹ کر اونچے قہقہے کے ساتھ ہنسا۔

''چلو پوچھ لیتے ہیں۔ ہیلو گرلز ہیئر ہیئر۔''

خضر بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔ تالی بجا کر سب کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ الحان کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہے گا اسی لیے مسکرائے جا رہا تھا۔ سبھی جو اپنے آپ میں مگن سے تھے خضر کے متوجہ کرنے پر ان کی جانب دیکھنے لگے جبکہ سعد آذر بنا توجہ دیئے وہاں سے ہٹ کر لان کے دوسرے سرے پر چلی گئی تھی۔

''کسی حسین مہ جبین کو اگر قسمت آزمانے کا شوق ہو تو سامنے آ جائے۔''

''کس سلسلے میں؟'' کورس میں آواز آئی تھی۔ خضر کی لگائی بجھائی سے سبھی واقف تھے۔

''یہاں دلوں کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے جس نازنین کا دل ٹوٹنے سے بچ گیا، اسے الحان خان بطور خاص اپنا دل پیش کر کے عمر بھر کی غلامی کا عہد کریں گے۔''

خضر نے الحان کی پہنچ سے ذرا دور ہٹتے ہوئے اعلانیہ کہا جس پر لڑکیوں کے چہرے تو غصے سے سرخ ہوئے ہی، الحان بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر خضر کی طرف لپکا۔ خضر کو پہلے ہی اس سے خدشہ تھا اس لیے وہ اس سے دور چلا گیا تھا اور اب اپنی طرف لپکتا دیکھ کر سفید رومال لہرا کر امن کی درخواست کر رہا تھا۔ لڑکیاں اس کی متوقع درگت پر کھلکھلا رہی تھیں۔

''ہنس لو مجھ غریب پر مگر اتنا یاد رکھو، آخر کو تم مجھ جیسوں کے ہی دامِ اُلفت میں آؤ گی، کل کو ہمارے ہی گھروں میں ہمارے چولہے جھونکو گی اور ہمارے ہی بچوں کی سوں سوں کرتی بہتی ناکوں کو اپنے ریشمی آنچلوں سے صاف کرو گی۔ پھر تمہاری ہنسی دیکھیں گے۔'' خضر نے باقاعدہ لڑکیوں سے جھگڑا مول لے لیا۔

''مسٹر خضر، یہ ماڈرن ایج ہے اور تم لڑکے تو ویسے بھی ماڈرن ازم کا پرچار کرتے رہتے ہو۔ تم جس سوسائٹی اور سسٹم کی تقلید کرتے ہو، وہاں یہ سب کام اب مرد کیا کرتے ہیں، سو ہمیں یاد دلانے کے بجائے اپنے مائنڈ کو پریپیئر کرو اس سب کے لیے۔ آخر کو یہ تمہارے ہی کام آنا ہے۔''

خضر کو منہ توڑ جواب دینے والی اس کی اپنی کزن ذوالنورین تھی جس سے اس کی شادی بھی متوقع تھی۔ سبھی لڑکیاں اس جوابی کارروائی پر ہاہو مچانے لگیں۔ خضر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے، مجبوراً الحان کی طرف لپکا۔

''یار میں تو تمہارا بھلا کروانا چاہ رہا تھا یہ سب تو میرے ہی پیچھے پڑ گئی ہیں۔''

''میرا بھلا کر رہے تھے یا مجھ سے دشمنی کر رہے تھے۔ میں اپنا دل پیش کروں گا..... غلامی کا عہد کروں گا.....اور کیا کہہ رہے تھے؟''

الحان نے دانت پیستے ہوئے اسے گردن سے پکڑنا چاہا تھا لیکن وہ جھکاوا دے کر دور ہٹ گیا۔ آنکھوں میں شرارت برقرار تھی۔

''تم نے مجھے مزید کہنے کا موقع ہی کب دیا ورنہ میں تمہارا سپائسی چوائس سے بھی حسینوں مہ جبینوں کو آگاہ کر دیتا۔''

''یو.....خضر آج تم میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے۔''

الحان اس کا اشارہ سمجھ کر اس کی طرف بڑھا۔ خضر نے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ایک طرف دوڑ لگا دی اور پھر جا کر رکا بھی کہاں، سعدہ آذر کے گروپ کے پاس بلکہ سعدہ سے ہی ٹکرا گیا۔ سعدہ جو ہاتھ میں کولڈ ڈرنک لیے کھڑی تھی، گرتے گرتے بچی، اس کا پارہ چڑھنا لازمی امر تھا۔

''نان سینس، اندھے ہو گئے ہو کیا؟ تم لوگوں کی بدتمیزی کی بھی انتہا ہو گئی ہے، آخر خود کو سمجھتے کیا ہو؟''

''سوری سسٹر رئیلی ایکسٹریملی سوری۔ میں جان بوجھ کر ادھر نہیں آیا، مجھے اس طرف لانے والا بھی میرے پیچھے ہے۔''

الحان کو بھی قریب آ کر جیسے بریک لگ گئی تھی۔

''اپنے کرتب دکھانے کے لیے اور ان پر خوش ہو کر تالیاں بجانے کے لیے تم لوگوں کو اور بہت سی مل جائیں گے۔ ہمیں تماشے دیکھنے کا شوق نہیں ہے۔ پلیز گو وے اور آئندہ کیئر فل رہنا۔''

سعدہ کا پارہ نیچے ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ خضر سے مخاطب تھی مگر آگ الحان کے تن بدن میں لگ گئی تھی۔

''مس سعدہ لگتا ہے آپ کو اپنے بارے میں بہت زیادہ خوش فہمی ہے۔'' الحان نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنا چاہے۔

''جی نہیں مجھے اپنی حقیقت کا اچھی طرح علم ہے۔ خوش فہمیاں پالنے کا شوق آپ جیسوں کو ہوا کرتا ہے۔ چلو نائلہ۔''

وہ اپنی مخصوص نظروں سے دیکھ کر الحان کو سلگاتی وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں وہی احساس تھا جیسے کہہ رہی ہو تم جیسے کتنے میرے آگے پیچھے پھرتے ہیں تم ہو کیا شے۔

الحان نے بہت ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اپنے دوستوں اور کولیگز کی باتوں کو سچ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ الحان خان سعدہ آذر خان سے جیلس ہوتا ہے۔

☆=======☆=======☆

وہ چند ایک دوستوں کے کہنے پر یونیورسٹی آیا تھا۔ فائنل سمسٹر کی تاریخ بھی قریب تھی۔ اپنے پروفیسر سے بھی ملنا تھا۔ موسم کے تیور خاصے بگڑے ہوئے تھے، اس کے باوجود بہت سے اسٹوڈنٹ یونیورسٹی کے ہالز میں موجود تھے۔ الحان کو توقع نہیں تھی کہ آج پھر اس کی ملاقات سعدہ آذر سے ہو جائے گی۔ سعدہ آذر دو لڑکیوں کے ساتھ یونیورسٹی پوائنٹ کے انتظار میں کھڑی تھی۔ بارش لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی اور بس کا نام و نشان نہ تھا۔ گیٹ سے گاڑی نکالتے ہوئے الحان نے کھڑکی سے سعدہ کے بھیگے وجود کو دیکھا جو بے نیازی سے کھڑی تھی جبکہ اس کے ساتھ کھڑی لڑکیوں کے چہرے پر پریشانی اور فکرمندی واضح تھی۔ ایک دو تو لفٹ لے کر چلی بھی گئی تھیں، شاید کسی نے سعدہ کو بھی آفر کی تھی مگر وہ درخت کے نیچے کھڑی نفی میں سر ہلا کر پیش کش ٹھکرا چکی تھی۔

خضر بھی اپنی بائیک پر الحان کے ساتھ ہی نکلا تھا۔ تمام صورتِ حال دیکھ کر اس نے الحان سے سعدہ کو لفٹ دینے کے لیے کہا تو الحان اچنبھے سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے جو میں اسے لفٹ کی آفر دوں۔''

''یار اسے اس وقت مدد کی ضرورت ہے۔ تم اپنے جھگڑے بھلا نہیں سکتے۔ صرف انسانیت کی خاطر تو تم اسے لفٹ دے سکتے ہو یا نہیں؟'' خضر کو وہ اس طرح تنہا کھڑی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''تو انسانیت کا حق تم ادا کر دو۔ تم سے تو کافی مراسم ہیں اس کے۔''

الحان کو خود بھی اپنے رویے کا اندازہ نہیں تھا اور نہ ہی اسے کبھی یہ ادراک مل سکا تھا کہ اس میں اور سعدہ آذر میں یہ کیسی اور کس قسم کی جنگ ہے جو دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔

''میں ایسا ضرور کرتا مگر تم دیکھ رہے ہو میں بائیک پر ہوں۔ وہ شاید میرے ساتھ نہ بیٹھے۔ ابھی وہ اسد کو بھی منع کر چکی ہے۔''

''تو کیا وہ میری کار میں بیٹھ جائے گی؟'' الحان جیسے نیم رضامند ہوا۔ ذہن میں سعدہ آذر پر اپنی برتری جتانے کا خیال بھی آیا تھا اور اس کی ممنونیت دیکھنے کا بھی۔

''موسم اتنا خراب ہو رہا ہے اور کسی کنوینس کا دور دور تک نشان نہیں ہے، آئی تھنک کہ وہ مان جائے گی۔ تم ایک بار اس سے کہو تو۔'' خضر نے اسے رضامند دیکھ کر تشکرانہ مسکراہٹ اچھالی اور اپنی بائیک اس کی گاڑی کی کھڑکی سے ذرا دور لے گیا۔ الحان بھی اپنی گاڑی موڑ کر سعدہ کے قریب لے گیا اور پھر کھڑکی سے جھانکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

سعدہ اس وقت سر پر فائل کا شیڈ بنائے کھڑی تھی۔ الحان کی موجودگی نے اس کے چہرے پر واضح ناگواری پھیلا دی تھی۔

''مس سعدہ آذر اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر سکتا ہوں۔'' الحان نے بھی جیسے بہت ضبط کر کے یہ سب کہا تھا۔

''نو تھینکس مسٹر میں خود چلی جاؤں گی۔'' سعدہ کے لہجے میں استقامت بھی تھی اور ہٹ دھرمی بھی اور نظروں میں وہی سلگانے والا تاثر جس نے الحان کے شگفتہ چہرے کے خدوخال میں تغیر پیدا کر دیا تھا۔

''یو نو، آپ جہاں کھڑی ہیں یہاں سے اب کسی کنوینس کا ملنا کتنا مشکل ہے۔ اب تو ساری یونیورسٹی خالی ہو گئی ہے، یہاں اب ہاسٹل کے آوارہ لڑکوں کی ٹولیاں ہی گشت کریں گی۔''

''آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' سعدہ کا لہجہ تپا ہوا تھا۔

الحان اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

''شاید آپ کو کسی اور کا انتظار ہے، ڈونٹ مائنڈ۔ انجوائے یور سیلف۔''

وہ بھی الحان خان تھا استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سعدہ کا جواب سنے بنا گاڑی آگے بڑھا دی تھی اور پھر اس نے دیکھا کہ وہ خضر کی موٹر بائیک پر بیٹھی اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ توہین کا شدید احساس اس وقت اس کے رگ و پے میں گردش کر گیا تھا۔ اس کی انا مسمار ہوئی تھی۔ سعدہ آذر نے جیسے بھرے بازار میں اس کی شخصیت کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔

کئی روز تک وہ اس واقعے سے اَپ سیٹ رہا تھا۔ کئی بار اس کے ذہن میں جنون اٹھا تھا کہ سعدہ آذر کو اس کے غرور، اس کی ضد کی ایسی سزا دے کہ وہ تاحیات یاد رکھے شاید وہ ایسا کر بھی گزرتا اگر اس کے فائنل سمسٹر نہ آ جاتے۔ پھر اس کے بعد اسے بھائیوں کے پاس باہر جانے اور دنیا بھر کی سیر کرنے کا شوق اٹھا تھا۔ اپنی زندگی کی دلفریب رنگینیوں اور دلچسپیوں

میں گھر کر اسے سعدہ آذر تو کیا اس کا نام تک یاد نہیں رہا تھا لیکن آج اس سے اپنے ہی آفس میں پھر سے رقیب کی حیثیت سے سامنا ہوا تھا، جس ہستی نے اسے ماضی میں شدید اذیت میں مبتلا رکھا تھا وہی اب اس کی ماں کے لیے بھی آزار ثابت ہو رہی تھی۔

سعدہ آذر کے وہی رنگ ڈھنگ تھے۔ وہی غرور سے تنی گردن، تمسخرانہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں فاتحانہ چمک لیے وہ پھر سے اس کی زندگی میں چلی آئی تھی۔ الحان سوچ رہا تھا کل اور آج میں بہت فرق تھا۔ کل وہ دوستوں اور لڑکیوں میں اپنا امیج بچانے کے لیے سعدہ آذر کے رویوں پر کوئی جارحانہ ردِعمل دکھانے سے ڈرتا تھا لیکن آج..... آج سعدہ آذر اس کی ملازمت میں تھی اور وہ اس سے اپنی تمام اذیتوں کا بدلہ لے کر نہ صرف خود کو تسکین پہنچا سکتا تھا بلکہ اپنی ماں کو بھی ان کی پریشانیوں اور الجھنوں سے نکال سکتا تھا۔

موبائل کی مسلسل بجتی ٹیون نے اسے ماضی سے کھینچ لیا تھا۔ اس کی ماما نے اسے لنچ پر نہ آنے پر باز پُرس کی تھی۔ انہیں تو اس نے کام کا بہانہ کر کے ٹالا تھا مگر خود سعدہ آذر سے مزید کبیدہ ہو رہا تھا۔ اتنی دیر سے کسی نے اس سے رابطہ ہی نہیں کیا تھا نہ ہی اس کی کوئی ضرورت پوچھی تھی۔ وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ وہ خود ہی سب کو منع کر چکا ہے۔ غیر ارادی طور پر اس نے گلاس وال کے پار دیکھا۔ سعدہ آذر سیٹ پر بیٹھی ہوئی تو نظر نہیں آتی تھی البتہ کیبن میں چلتے پھرتے یا پھر کھڑے ہوتے ہوئے نظر آ جاتی تھی۔ اب بھی وہ اپنی میز کے پاس کھڑی کسی ملازم سے کچھ باز پُرس کر رہی تھی۔ اس کے آدھے رخ سے بھی اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی اور غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ ملازم سر جھکائے اس کی ڈانٹ سن رہا تھا اور آخر میں مؤدبانہ کچھ کہہ کر اس کے آفس سے نکل گیا۔

الحان کے دل کو پھر کچھ ہوا۔ سعدہ آذر کا یہ استحقاق بھرا رویہ اس کے دل میں پھانس بن کر اٹکا تھا۔ اسی دم اس نے سعدہ کو انٹرکام کے ذریعے اپنے آفس میں آنے کے لیے کہا۔

''یس سر۔'' وہ فوراً ہی اس کے آفس میں آئی تھی۔

''کیا ہمارے آفس میں لنچ ٹائم نہیں ہوتا؟''

سعدہ آذر نے اس کے استفسار پر قدرے حیرت سے دیکھا۔

''ہوتا ہے، کیوں سر؟''

''پھر آپ نے مجھے لنچ ٹائم پر لنچ کے لیے کیوں نہیں کہا۔''

''میں..... آپ کو لنچ کے لیے کہتی؟ سوری سر، اٹس ناٹ مائی ڈیوٹی۔ آپ اپنا ڈیلی پروگرام اور شیڈول ارینہ سے ڈسکس کیا کیجیے۔ وہ آپ کو یاد دلا دیا کرے گی۔'' سعدہ نے

اپنے مخصوص لب و لہجے میں اس سے بات کی۔

''پھر آپ کی یہاں کیا ڈیوٹی ہے؟''

الحان کا انداز ہی نہیں، اس کا ہر تاثر مالکانہ تھا۔

سعدہ کو اب حیرت نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ تو وہ اس کی فطرت سے واقف تھی، کچھ فرحان خان بیٹے کے لاابالی پن اور لاپرواطبیعت کے بارے میں اسے بتا چکے تھے اور سعدہ کو صبر و تحمل سے پیش آنے کی تلقین کے ساتھ اس کے ساتھ تعاون کی تاکید بھی کر چکے تھے اور اپنے رہنما کی بات تو وہ کبھی ٹال نہیں سکتی تھی اس لیے قدرے سکون کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''وقت کے ساتھ ساتھ آپ کو میری ڈیوٹیز بھی معلوم ہو جائیں گی۔ ویل آپ نے خود ہی کہا تھا کہ آپ ریسٹ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو کوئی ڈسٹرب نہ کرے تو اسی لیے یہ مس ٹیک ہوئی ہے۔ میں ارینہ سے کہہ دوں گی وہ آئندہ ہر بات کا خیال رکھا کرے گی۔''

سعدہ خان اس وقت مصالحت چاہتی تھی کیونکہ اسے ہر حال میں کمپنی کا مفاد عزیز تھا اور الحان کو ابھی میٹنگ کے لیے بھی بریف کرنا تھا۔

سعدہ خان کے طویل معذرتانہ لہجے پر الحان کو قدرے سکون میسر آیا تھا۔ اپنی غلطی کا احساس ہونے کے باوجود وہ اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اپنے ترخے ہوئے لہجے میں جیسے اس کی نااہلی اس پر جتانے کی کوشش کی۔

''پاپا نے آپ کی ایفیشنسی کی جس قدر تعریف کی ہے مجھے تو یہ ان کا فریبِ نظر ہی لگتا ہے۔''

الحان کا ذو معنی لہجہ سعدہ کو سمجھ نہ آیا۔ وہ اس وقت ویسے بھی کام کے علاوہ کسی طرف توجہ دینا نہیں چاہتی تھی، سو اس سے میٹنگ کے بارے میں ڈسکس کرنے لگی۔ الحان کو بھی مجبوراً اسے سننا پڑا۔ وہ بہت روانی اور ماہرانہ انداز میں اسے بہت کچھ بتا رہی تھی سمجھا رہی تھی، مگر الحان کی دلچسپی تو جیسے مفقود ہو چکی تھی۔ وہ بہت بے زاری کے ساتھ اسے سن رہا تھا۔

☆=======☆=======☆

''میں نے سنا ہے کہ پاپا آپ کو پک اینڈ ڈراپ کرتے تھے۔ کیا آپ مجھ سے بھی یہی توقع کر رہی ہیں؟''

سارا اسٹاف جا چکا تھا۔ سعدہ آذر بھی جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی جب اس نے الحان کی آواز اپنے قریب سنی۔ وہ اس کے کیبن میں کھڑا انگلیوں میں کی رِنگ گھماتا نہایت کھلنڈرے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ سعدہ نے اس وقت اسے دیکھنا ضروری نہیں سمجھا

البتہ اسے جواب ضرور دیا۔

''میں ہر کسی سے توقعات وابستہ نہیں کرتی۔''

اس کے جواب نے الحان کے خوشگوار موڈ کو پھر سے بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ آپ پاپا کے لیے ڈرائیونگ بھی کرتی تھیں۔ اب پاپا کی جگہ پر میں ہوں۔ آپ کو میرے لیے ڈرائیونگ کرنے میں بھی پرابلم تو نہیں ہو گی۔'' الحان اسے زچ کرنا چاہتا تھا۔

''آپ کے لیے ڈرائیونگ؟ کیا میں آپ کی شوفر ہوں یا یہاں کا کوئی نیا ڈسپلن ہے۔''

سعدہ کا انداز ہنوز برقرار تھا۔ وہ اس سے کسی طرح بھی مرعوب نہیں تھی۔

''پاپا کے ساتھ آتے جاتے ہوئے کیا آپ کو اپنی حیثیت یاد نہیں تھی یا پھر کوئی ڈسپلن.....'' الحان اپنے لہجے میں چھپے طنز کو واضح کر گیا۔

''کچھ ہستیوں کا احترام ہمیں اپنے اصول بدلنے پر مجبور کر دیتا ہے اور یہ انہی کے لیے ہوتا ہے جو قابلِ اعتبار ہوں۔ سر خان جیسی ہستی سے بہت کچھ سیکھنے کے لیے میں ڈرائیونگ بھی کر سکتی ہوں اور..... ٹائم اوور ہو گیا ہے، میں چلتی ہوں گڈ بائے سر۔''

اس نے اپنے مخصوص لہجے میں کہتے ہوئے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی پھر الحان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اپنی توہین کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر اپنا بیگ کندھے پر لٹکائے آفس سے نکل گئی۔

الحان پھر سے تلملا گیا تھا، سعدہ آذر اس کے ہی آفس میں اس کی بے اعتباری جتا کر نکل گئی تھی اور وہ بے بسی سے کھڑا تھا۔

☆=======☆=======☆

سعدہ آذر کا تعلق مڈل کلاس سے تھا جہاں اپنی سفید پوشی کا بھرم بھی مشکل ہی قائم رکھا جاتا ہے۔ اس کی امی کو اس کے باپ نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ سعدہ کے نانا جوان بیٹی اور نواسی کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھے اور نہ ہی ان میں اتنا حوصلہ تھا کہ بیٹی کو ساری زندگی اپنے دروازے پر بٹھائے رکھیں۔ لوگوں کی باتوں اور دوستوں کے صلاح مشوروں کے بعد انہوں نے بیٹی کی دوسری شادی کر دی تھی۔ یوں سعدہ نے اپنا بچپن سوتیلے رشتوں سے محبت و اعتماد پانے کے لیے کھویا تھا۔ یہی اس کی امی کنیز فاطمہ کی تلقین بھی تھی۔ اس نے اپنی تعمیر کے لیے بہت محنت و جدوجہد کی تھی۔ اسے اسی بات کا اطمینان کافی تھا کہ اس کی ماں کو اس کے حوالے سے کبھی کوئی شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی تھی۔ اس نے اپنے لیے،

اپنی امی کے سکھ کے لیے بہت اونچے خواب دیکھے تھے۔ اپنی سوتیلی تین بہنوں اور چھوٹے بھائی کے بہترین مستقبل کے لیے اسی نے ہر سفر طے کرنا تھا کیونکہ چند سال پہلے اس کی ماں کو تحفظ دینے والا وجود، اس کا سوتیلا باپ بھی طویل بیماری کاٹ کر دنیا سے رخصت ہو چکا تھا اور اب اپنی امی کی ذمہ داریاں بانٹنے کے لیے وہ اسی طرف آئی تھی۔ وہ اپنی ذات کی اعلیٰ خوبیاں جانتی تھی اسی لیے اسے خود پر اعتماد بھی تھا اور یہ اعتماد تو عرصہ دراز سے اس کے اندر سے ابھرنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد اپنے کنبے کی کفالت تھی اور اسی مقصد نے اسے کسی مقام پر بھی بھٹکنے نہیں دیا تھا۔ فرحان خان کی کمپنی جوائن کرتے ہوئے بھی اس نے اسی مقصد کو مدِ نظر رکھا تھا اور فرحان خان سے اپنے مسائل بھی کافی حد تک بیان کیے تھے۔ اسے نہ تو فی الحال کوئی فلیٹ چاہیے تھا اور نہ ہی گاڑی کی ضرورت تھی۔ وہ ان الاؤنسز سے اپنی بہنوں کا جہیز بنا سکتی تھی سو اس نے ان مراعات کے بدلے الاؤنسز کیش لینے پر ترجیح دی تھی۔ فرحان خان کو سعدہ خان کی کارکردگی پر بھروسہ تھا اسی لیے وہ اسے خصوصی توجہ دیتے تھے۔ اس سے شفقت بھرا رویہ رکھتے تھے۔ انہی کی شفقت و احسان کی وجہ سے سعدہ نے الحان کو برداشت کرنے کی ہمت کر لی تھی۔ ورنہ الحان خان جیسے خود پسند اور اکھڑ بندے کے ساتھ کام کرنا وہ کبھی گوارہ نہ کرتی۔

☆=======☆=======☆

''مس سعدہ آذر، اب ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنا ہے تو ایک دوسرے کی حیثیت و اہمیت کو بھی ایکسیپٹ کر لینا چاہیے۔ آئی ہوپ آئندہ آپ کو مجھ سے جو شکایت ہو گی وہ آپ مجھ سے ہی کہیں گی۔ پاپا سے نہیں۔''

اگلے دن ہی وہ قدرے نرمی اور سنجیدگی سے سعدہ کو بہت کچھ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ رات ہی اسے فون پر اپنے پاپا سے کافی لمبا چوڑا لیکچر سننے کو ملا تھا۔ انہوں نے خاص طور پر سعدہ کی رسپیکٹ کرنے کی تلقین کی تھی۔ الحان کو گمان بھی نہیں تھا کہ سعدہ آذر فرحان خان سے رابطہ کر کے اس کی شکایت کرے گی۔

سعدہ جو اس کے کہنے پر کافی پینے بیٹھی تھی۔ اسے کافی سرو کرتے ہوئے اس نے اسے اپنی مخصوص نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے سر خان سے آپ کی شکایت کی ہے؟ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے سر۔''

سعدہ کے چہرے پر کوئی الجھن یا خجالت نہیں تھی جس نے الحان کے ماتھے کی شکنیں بڑھا دیں۔

''تو کیا پاپا کو الہام ہوتا ہے کہ.....''

بات کرتے کرتے الحان کو احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی بے بسی واضح کرنے جا رہا ہے۔ اس کی بات سے وہ مزید شہ پا سکتی تھی، وہ تو اب اپنی ہر بات منوانے کی ٹھان چکا تھا۔ پاپا کے کہے پر عمل کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

شاید وہ تمہارے بارے میں اچھی طرح آگاہ ہیں.....

سعدہ آذر کی تو خاموشی بھی زبان تھی جو الحان خان کی سماعتوں کو مخدوش کر گئی تھی۔ گرم گرم کافی کا کپ لبوں سے لگا کر اس نے گرم نظروں سے ہی اسے دیکھا۔

''آج شام آپ آفس ٹائم کے بعد میرے ساتھ شہباز کی پارٹی میں چل رہی ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' الحان نے پھر سے لہجہ ہموار کیا۔

''شہباز کی پارٹی میں میرا کیا کام ہے؟ وہاں آپ فیملی فرینڈ کی حیثیت سے انوائیٹڈ ہیں۔'' سعدہ اپنے لہجے کو ناہموار بنانے سے بچا نہ سکی۔

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں اس لیے آپ کو چلنا ہے۔ پاپا کے ساتھ بھی تو آپ ہر جگہ جایا کرتی تھیں۔'' اس کے انداز میں بچوں والی ہٹ دھرمی تھی۔

سعدہ نے سنجیدگی سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''سر خان کے ساتھ میں صرف بزنس پارٹیز یا میٹنگز میں جایا کرتی تھی، ان کے فیملی فرینڈز کی طرف نہیں۔''

''لیکن آپ چل رہی ہیں بس۔'' سعدہ کی بات اس نے قطعیت سے رد کی۔

''میں سر سے وعدہ کر چکی ہوں کہ آپ کو کام کے سلسلے میں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی لیکن آفس کے کام و مفاد کے علاوہ میں آپ کی کوئی بھی بات ماننے کی پابند نہیں ہوں۔ میں آپ کی ملازم ضرور ہوں ملکیت یا میراث نہیں ہوں۔ میرا ہنر آپ کی فرم کے لیے ہے، میری ذات اور میری مرضی نہیں۔'' سعدہ قدرے برہمی کا مظاہرہ کرتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا آپ ہر بات پاپا کے کہنے کے بعد ہی مانیں گی؟'' الحان کے لبوں پر کمینی سی مسکراہٹ تھی۔

وہ اگر اس کے ذہن کے شکوک جان جاتی تو ضرور اسے شوٹ کر دیتی۔ سر خان اس کے لیے استاد و رہنما ہی نہیں باپ جیسی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ اسے ہمیشہ فرحان خان کے وجود سے پدرانہ شفقت و تحفظ کا احساس ملا تھا۔ اسی احساسِ تسکین کے لیے تو وہ پانچ سالہ کنٹریکٹ

سائن کر چکی تھی ورنہ تو وہ الحان خان جیسے خود پسند کو پہلی بار ہی اس آفس میں دیکھ کر یہاں سے چلی جاتی۔

''آپ اپنے گھر انفارم ضرور کیجیے گا کہ آج لیٹ ہو جائیں گی۔''

الحان نے جیسے اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی، وہ اپنی ضد پر قائم تھا کہ سعدہ آذر کو زچ کرنے کے لیے اب اسے ہر جگہ اپنے ساتھ گھسیٹے گا۔

شہباز کے گھر پارٹی میں موجود مہمان الحان اور سعدہ خان کو ایک ساتھ دیکھ کر کافی حیران تھے۔ وہ بزنس پارٹیز میں تو اکثر نظر آتی تھی لیکن یہ شہباز کی نجی دعوت تھی جس میں اس کی آمد اچنبھا ہی تھی۔

سعدہ کا موڈ اندر ہی اندر سخت بگڑا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چلا تھا ورنہ الحان خان کو اچھی طرح سبق سکھا دیتی۔ الحان اس کی مجبوری و بے بسی سے حظ اٹھاتے ہوئے سبھی سے مل رہا تھا اور ایک آنکھ اس پر بھی رکھے ہوئے تھا۔ وہ یہاں تقریباً سبھی کو جانتی تھی اور مروت میں خوش دلی کا مظاہرہ بھی کرنے پر مجبور تھی۔

الحان کو اس کے سب سے گھلنے ملنے پر حیرت کے ساتھ تکلیف بھی ہو رہی تھی۔ وہ تو اسے زچ کرنے کے لیے اپنے تئیں اسے غیر متعلقہ جگہ پر لے کر آیا تھا جبکہ وہ سبھی کے ساتھ اپنے اخلاقی مظاہرے پیش کرتی نظر آ رہی تھی۔ اصل بات تو یہ تھی کہ الحان سے زیادہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا۔ وہ مسز شہباز کی بہن انعم کے ساتھ تو کافی دوستانہ انداز میں بیٹھی گفتگو کرتی نظر آئی تھی۔ وہ الحان کی گھورتی نظروں کو محسوس کر کے بھی خود میں مگن ہو گئی تھی۔ انعم نے بھی الحان کے رویے کا نوٹس لے کر اس سے استفسار کیا۔

''یار یہ تمہارا اپنا باس کچھ زیادہ ہی ٹیپکل باس نہیں بن رہا؟ روایتی قسم کا حاکم۔'' انعم فرحان خان سے اچھی طرح واقف تھی اس لیے اسے بھی یہ باس والا رویہ پسند نہیں آیا تھا۔

''ماں باپ کے لاڈ پیار میں بگڑے ہوئے بچے اسی ٹائپ کے ہوتے ہیں۔ سب پر حکم چلانے اور اپنی منوانے والے۔ اپنی دولت کا زعم تو ہو گا ہی جب انہیں والدین سے تربیت بھی ایسی ملی ہو۔'' سعدہ نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے دور کھڑے شہباز اور الحان خان پر بھی نگاہ ڈالی۔

''لیکن انکل فرحان میں تو ایسی بات نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ تو ان کا رویہ بہت اچھا ہے، میں خود بلکہ سبھی فیل کرتے ہیں کہ انکل فرحان تمہارے ساتھ بیٹیوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ ان کے انداز میں کم از کم تمہارے لیے افسری نہیں ہے۔'' انعم کبیر اس کی کالج فیلو بھی رہ

چکی تھی اس لیے اس کے بارے میں کافی کچھ جانتی تھی۔

''میں نے کہا تو ہے کہ تربیت کا اثر ہوتا ہے اور اولاد کی تربیت میں باپ سے زیادہ ماں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ آئی تھنک ان کے معاملات بھی زیادہ تر ان کی ماما کے ہاتھ میں رہے ہیں، سر خان کا عمل دخل تو یقیناً واجبی سا ہو گا۔ مائی گاڈ گیارہ بج رہے ہیں۔''

بات کرتے کرتے سعدہ کی نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر پڑی تو وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنی امی کی پریشانی کا خیال کر کے انہیں فون تو کر دیا تھا پھر بھی خاصی دیر ہو گئی تھی، وہ عموماً دس بجے تک گھر چلی جاتی تھی۔ وہ انعم سے معذرت کر کے الحان کی طرف بڑھ گئی جو شہباز کے علاوہ چند ایک دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ سعدہ نے قریب پہنچ کر مداخلت کی۔

''سر گیارہ بج رہے ہیں، میں چلتی ہوں۔''

سعدہ کو پہلی بار عجیب سی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ فرحان خان سے اسے کبھی کہنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس کی مداخلت پر شہباز بھی چونک اٹھا۔

''رئیلی آپ تو خاصی لیٹ ہو گئی ہیں مس خان..... میرا ڈرائیور ڈراپ کر دے گا آپ کو۔''

''نو..... نہیں یار یہ میرے ساتھ آئی تھیں تو میں ہی انہیں ڈراپ کروں گا۔'' الحان نے شہباز کو جواب دے کر اس کی جانب دیکھا۔ ''جائیے مس سعدہ انجوائے کیجیے، ابھی تو گیارہ ہی بجے ہیں۔''

''سر میں بہت لیٹ ہو چکی ہوں۔ میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

سعدہ نے بہت دقت سے اپنی برہمی چھپائی تھی۔

''کیوں پریشان ہوں گے۔ وہ جانتے نہیں کہ آپ جاب کرتی ہیں۔ آپ کو دیر سویر کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے نہ ہی آپ کے گھر والوں کو۔''

الحان اس کی کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔ سعدہ کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا مگر وہ اس وقت کوئی ایشو بنوانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے بس کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

''جائیے اپنی فرینڈز کے ساتھ بیٹھیں۔ مجھے جب جانا ہو گا میں بلوا لوں گا۔''

سعدہ تو پیچ و تاب کھاتی ضبط کرتی پھر سے انعم کے پاس جا بیٹھی تھی۔ شہباز نے البتہ اس کے رویے کو اس پر جتایا تھا۔

''یار تمہارے جانے کا موڈ نہیں ہے تو کم از کم مس خان کو تو جانے دو اس کے گھر والے

واقعی پریشان ہوں گے۔'' شہباز اسے ایک طرف لے گیا تھا۔

''تمہیں اس کی کیوں فکر ہے؟'' الحان نے تیکھے پن سے پوچھا۔

''اس لیے کہ مجھے لڑکی ذات کی مجبوریوں کا علم ہے۔ اسے گھر سے نکل کر کام کرنے کی اجازت تو ملی ہوگی مگر چند شرائط کے ساتھ۔ مردوں کی طرح راتوں کو دیر تک گھر سے بلا مقصد غائب رہنے کی آزادی ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کو نہیں ملا کرتی۔ تمہیں اس کی مجبوری سمجھنی چاہیے، نا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔'' شہباز نے اسے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا جس پر وہ مزید چڑ گیا۔

''تو کس نے کہا ہے کہ گھر سے نکل کر کام کرے، بیٹھی رہے پردہ کر کے..... اگر اسے میرے ساتھ کام کرنا ہے تو یہ سب بھی برداشت کرنا ہوگا۔ وہ میرے لیے صرف ایک ایمپلائی ہے۔ میل فی میل کا جھگڑا میں نہیں جانتا۔''

''تمہیں تو سمجھانا ہی فضول ہے۔ تمہاری تو ہر بات ہی نرالی ہوتی ہے۔''

شہباز بھی عاجز آ کر خاموش ہو گیا۔ وہ اپنے اور اس کے درمیان کسی اور کی وجہ سے کشیدگی بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی خاموش ہو کر اِدھر اُدھر متوجہ ہو گیا تھا۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے واقعی اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ اسے شہباز سے اپنے خیالات بیان کرنے پر کچھ خجالت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی اخلاقیات اتنی زیادہ بگڑی ہوئی نہیں تھیں جتنا وہ مظاہرہ کر رہا تھا۔ قریب سے گزرتے ملازم کو بھیج کر سعدہ کو آنے کے لیے کہا اور پھر شہباز سے اجازت لیتا ہوا باہر کی جانب قدم بڑھائے۔ شہباز اس کے ساتھ ہی ہال سے نکلا تھا۔

''جناب کا موڈ اتنی جلدی کیسے چینج ہو گیا۔''

''بس یار کیا کروں، دیر تو خاصی ہو ہی گئی ہے۔ مجھے یاد آیا کہ ماما بھی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ ایکچوئلی وہ چاہتی ہیں کہ میں جلد از جلد بزنس کو سمجھ لوں جبکہ مجھے تو آفس کا ماحول ہی اپیل نہیں کر رہا۔ اسی لیے میرا رویہ کچھ اس قسم کا ہو رہا ہے۔'' الحان کی سمجھ میں خود نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے رویے کی صفائی کیوں پیش کر رہا ہے۔

''شروع میں تو ایسا ہی ہوگا پھر سب سمجھ آنے لگے گا۔ ڈونٹ وری، سعدہ آذر کافی ٹیلنٹڈ ہے، تمہیں جلد ہی بزنس کے بارے میں بہت کچھ سمجھا دے گی۔ تم بھی ذرا اپنے رویہ کو کوآپریٹو رکھو۔''

شہباز نے پھر اسے نصیحت کی تو وہ جھنجھلا گیا۔

''تم اپنی رائے اپنے پاس ہی رکھو اور محترمہ کو ذرا جلدی بلوا دو۔ اب اسے دیر نہیں ہو رہی۔'' الحان نے ادھ جلا سگریٹ فرش پر پھینک کر بوٹ سے مسلا۔ اسی لمحے سعدہ، انعم کے ساتھ آ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ بہت خاموشی سے اسے ڈراپ کرنے جا رہا تھا۔

سعدہ آذر کا گھر گنجان علاقے میں تھا۔ ان کا گھر آبادی کے شروع میں ہی تھا جہاں گلیاں کچھ کشادہ تھیں اس لیے گاڑی دروازے تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ سعدہ نے گھر کے آگے اُترتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا تھا جس پر وہ سر کو ہلکی سی جنبش دے کر گاڑی ریورس کر کے لے گیا تھا۔

''آج اتنی دیر؟'' اس کی امی نے اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی کافی تشویش کا مظاہرہ کیا۔

''میں نے آپ کو فون کر تو دیا تھا اور وجہ بھی بتا دی تھی۔'' وہ اپنے کمرے میں جاتے جاتے رک کر انہیں بتانے لگی۔

''لیکن پہلے تو تمہیں کبھی اتنی دیر نہیں ہوتی تھی۔ سب پریشان تھے، تمہارا پوچھ رہے تھے۔''

یہ سب کون تھے، وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس کا سوتیلا تایا زاد غزنی جو اس میں دلچسپی رکھتا تھا وہی اس کے آنے جانے کی خبر بھی رکھتا تھا۔ سعدہ کو ان کے ارادوں کا علم تھا۔ وہ سب غزنی کی نوکری لگنے کے انتظار میں تھے پھر سبھی کا خیال تھا یعنی اس کے سوتیلے تایا اور ان کی فیملی کا کہ سعدہ اور غزنی کا نجوگ ملا دیں۔ انہیں سعدہ آذر میں کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی اپنائیت، اصل مطلب تو اس کی پُرکشش کمائی سے تھا جو ہر ماہ انہیں للچا دیتی تھی۔

سعدہ تو پہلے ہی اپنی امی سے انکار کر چکی تھی کہ تایا جان اپنی بھتیجیوں میں سے کسی ایک کو اپنی بہو بنا لیں، اس کا خیال دل سے نکال دیں۔ ابھی تو اسے اپنی بہنوں کو رخصت کرنا تھا اور پھر اپنے بارے میں سوچنا تھا۔

وہ لباس بدل کر آئی تو اوپر کے پورشن سے غزنی اُتر کر آ رہا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کرتی ہوئی چھوٹے سے باورچی خانے میں گھس گئی۔ جہاں امی اس کے لیے کھانا گرم کر رہی تھیں۔

''کھانا میں کھا کر آئی ہوں امی، آپ باہر جائیں آرام کریں۔ میں اپنے لیے چائے بنا کر آ رہی ہوں۔''

وہ کچھ دیر بعد چائے بنا کر نکلی تو غزنی امی کے پاس بیٹھا تھا۔ سعدہ نے اس کے سامنے

بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بنا تمہاری جاب کا، انٹرویو تو تمہارا کافی اچھا ہوا تھا ناں۔''

''اس ملک میں بنا سفارش کے بھی کچھ ہوا ہے۔ ہم غریبوں کے پاس نہ سفارش ہوگی نہ جاب ملے گی۔ ہاں اگر میں لڑکی ہوتا تو جاب حاصل کرنا میرے لیے بھی مشکل نہ ہوتا۔ جیسا کہ تمہیں کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی۔ رزلٹ سے پہلے ہی تمہیں آفرز آ گئی تھیں۔''

اس کے مذاق میں چھپے طنز کو صرف سعدہ ہی سمجھ سکتی تھی۔

''صرف لڑکی ہونا ہی شرط نہیں ہے، محنت اور کوشش بھی ضروری ہوتی ہے اور کچھ عمل دخل نیتوں کا بھی ہوتا ہے۔ ابھی شاید تمہاری قسمت میں اپنی کمائی کھانا نہیں لکھا۔''

سعدہ نے اسے اپنے مخصوص انداز میں دیکھا جس پر وہ فوراً ہی سٹپٹا گیا۔ سعدہ کا یہ انداز ہی تو سب کو ڈسٹرب کرتا تھا۔ اپنی ہی نظروں میں بے وقعت کرتا ہوا۔

''آج تمہیں زیادہ ہی دیر نہیں ہوگئی؟'' غزنی نے فوراً بات پلٹی۔

''ہاں دراصل آج آفس میں کام زیادہ تھا پھر ایک پارٹی میں جانا بھی ضروری تھا۔ گھر کا چولہا جلانا ہو تو اتنی دیر سویر تو برداشت کرنا پڑتی ہے۔ تمہیں کوئی پریشانی تھی؟''

سعدہ نے اس طرح جتایا کہ وہ خجل سا ہوگیا۔ عرصہ تین سال سے وہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا اور والدین پر اضافی بوجھ بنا ہوا تھا۔

غزنی نے نفی میں سر ہلایا اور پھر خدا حافظ کہتا اٹھ کر سیڑھیوں کی جانب چلا گیا۔ سعدہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہوگئی۔ اسے ایسے کم ہمت لڑکے کبھی پسند نہیں رہے تھے۔

☆=======☆=======☆

فرحان خان گئے تو اپنے ریگولر چیک اپ کے لیے تھے۔ انہیں یہ خبر نہ تھی کہ اس بار ان کی کچھ رپورٹس ٹھیک نہیں ہوں گی۔ دل نے اچانک انہیں دھوکا دیا تھا۔ انجائنا نے ان کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ صورتِ حال ابھی زیادہ تشویشناک تو نہیں تھی پھر بھی شایان اور ایمان متفکر ہوگئے تھے اسی لیے انہوں نے فرحان خان کو علاج معالجے کے لیے روک لیا تھا۔ رافیہ کو ان کے مزید قیام سے تشویش سے زیادہ تسکین میسر آئی تھی۔ وہ تو دل سے یہی چاہتی تھیں کہ وہ سعدہ خان کے سائے سے بھی دور رہیں کیونکہ ابھی تک الحان خان نے ان کی کسی توقع کو پورا نہیں کیا تھا۔ وہ ہر روز سعدہ کو نوکری سے نکال دینے کا پوچھتیں۔ شروع شروع میں تو الحان انہیں بہلاتا رہا آخر اس بار جھنجھلا کر انہیں بہلاوؤں سے نکالا۔

''تم اس وقت اتھارٹی رکھتے ہو، اسے کسی بھی وجہ سے نکالنے کے بعد تمہیں کسی کے

سامنے جوابدہ نہیں ہونا پڑے گا۔ تم سوچ کیا رہے ہو؟''

رافیہ پھر سے ڈپریشن کا شکار تھیں اب تو انہیں سعدہ اپنے خوابوں میں بھی آنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کی مخصوص فتح کن چمک انہیں خوفزدہ کرنے لگی تھی۔ انہیں محسوس ہوتا تھا کہ یہ لڑکی ان کا سب کچھ چھین کر انہیں تہی داماں کر جائے گی۔

''یہ پاسیبل نہیں ہے ماما۔ ہمارا اس کے ساتھ پانچ سال کا کانٹریکٹ ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ سے ہماری فرم کو بہت بینیفٹ ملے ہیں۔ اسی کی محنت سے پاپا نے کافی بڑے پراجیکٹ کمپلیٹ کیے ہیں۔ وہ واقعی ٹیلنٹڈ ہے۔ پاپا نے کچھ سوچ کر ہی اسے ہائر کیا ہوگا۔ بالفرض میں آپ کی خوشی کی خاطر کوئی بھی طریقہ اپنا کر اسے اپنے آفس سے نکال دیتا ہوں۔ وہ تو کہیں بھی جا سکتی ہے، اسے اپنی جگہ بنانے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ یہ سوچیں پھر میں کیا کروں گا، مجھے تو اس بزنس کی اے بی سی بھی نہیں معلوم اور پاپا بھی یہاں نہیں ہیں۔''

الحان خان نے گزشتہ چند ہفتوں میں سعدہ خان کی ذات کو اپنی فرم کی بہت بڑی ضرورت محسوس کرنے کے بعد یہ تجزیہ کیا تھا اور اب اس سے دلی کدورت رکھنے کے باوجود اس کی اہمیت کو پوری سچائی سے نہ صرف تسلیم کر رہا تھا بلکہ اپنی ماما کو بھی قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں کیا کروں جان، وہ لڑکی میرے حواسوں پر سوار رہنے لگی ہے۔ تم کچھ کرو، کوئی ایسا طریقہ سوچو کہ تمہارے پاپا اس کا خیال بھی چھوڑ دیں۔ تم..... تم دیکھتے ہو ناں بلکہ وہ تمہیں بھی تو اس کے حوالے سے وارن کرتے رہتے ہیں۔ اتنی دور بیٹھ کر بھی انہیں صرف اسی چڑیل کا خیال رہتا ہے۔''

الحان نے قدرے چونک کر اپنی ماما کو دیکھا۔ اس کی ماما جذباتی تھیں اتنا تو اسے پتہ تھا مگر اس قدر جذباتی ہوں گی اسے آج اندازہ ہو رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیا کیا سوچتی رہتی تھیں۔

''ماما آپ جو سوچ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''تم سب یہی کہتے رہنا کہ کچھ نہیں ہے جب پانی سر سے اونچا ہو جائے گا پھر میرے ڈوبنے کا نظارہ کرنا۔'' وہ رو دینے کو تھیں۔ ان کا اضطراب ان کا جنون انہیں کسی کل چین لینے نہیں دے رہا تھا۔

''ماما ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ پاپا خود اس وقت تکلیف میں ہیں اور آپ ان سے یہ توقعات وابستہ کر رہی ہیں۔ آپ ایسا کریں آپ چند دنوں کے لیے پاپا کے پاس چلی جائیں۔ پھر

آپ کی ساری ٹینشن ختم ہو جائے گی۔'' اس نے انہیں اپنے تئیں اچھا مشورہ دیا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو میں ایمان کے گھر نہیں جاؤں گی اور تمہارے پاپا اسی کے پاس ہیں۔''

انہوں نے فوراً ہی برہمی کا مظاہرہ کر کے اس کا مشورہ رد کیا۔ ان کا ایمان کی بیوی سے بھی اختلاف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے بیٹے اور پوتے پوتیوں کو ان سے ملنے نہیں دیتی۔ اسی لیے وہ کافی عرصہ سے پاکستان نہیں آئے تھے نہ ہی رافیہ نے انہیں بلانے پر اصرار کیا تھا اور نہ خود گئی تھیں۔

''پھر آپ کی پریشانی کیسے ختم ہو گی؟''

الحان زچ ہو کر پوچھ رہا تھا۔ ماما بھی تو ہر روز اس کی کلاس لینے بیٹھ جاتی تھیں۔ انہیں خوش رکھنے کی خاطر وہ اپنے مشاغل اور دلچسپیاں تو جیسے بھولتا جا رہا تھا۔ دوستوں کے لیے بھی اب اس کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا۔

''حنی..... جان کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اسے اپنے ساتھ انوالو کر لو۔''

رافیہ نے جس آرام سے اسے یہ مشورہ دیا تھا اس سے ان کی ذہنی حالت کا اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔

''وہاٹ..... مام..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''تمہارے پاپا اس کی شرافت کے بہت گن گاتے ہیں نا، صرف انہیں دکھانے کے لیے..... کہ وہ دولت و آسائشات کے لیے انہیں چھوڑ کر ان کے بیٹے سے.....''

رافیہ کا جنون اپنے ہی بیٹے کو کیا ترغیب دے رہا تھا۔ وہ اپنے جنون کے ہاتھوں سب کچھ بھلائے دے رہی تھیں۔

''پلیز مام..... آئی نو، وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔''

الحان کا ضمیر احتجاجاً چیخ اٹھا تھا۔ اسے اپنی ماما کے خیالات سن کر دھچکا سا لگا تھا۔

''چند دن میں تم نے جان لیا کہ وہ کیسی ہے اور کیسی نہیں ہے؟ الحان وہ بہت شاطر لڑکی ہے۔ تمہارے پاپا نے اس پر بہت لٹایا ہے۔ ایسی لڑکیاں صرف روپیہ پیسہ اینٹھنے کے لیے اپنی اداؤں کے جال بچھاتی ہیں اسی لیے تو..... کیا تمہیں اپنی ماں کی اذیت کا ذرا خیال نہیں ہے؟ تمہیں معلوم ہے میں نے تمہارے لیے کتنے دکھ جھیلے ہیں۔ تمہاری ہر ضد منوانے کے لیے تمہارے پاپا کے ساتھ ایک جنگ لڑی ہے اور تم مجھے ذرا سی کوشش سے اس جان لیوا عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکتے؟''

الحان کے لیے اپنی ماما کے آنسو ہمیشہ ناقابلِ برداشت رہے تھے اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ الحان کو ان سے بہت لگاؤ تھا۔ اب بھی وہ ان کی اذیت محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے اپنے ضمیر کے وقتی احتجاج کو بھی اس نے ماما کی محبت کی گولی دے کر گہری نیند سلا دیا۔

''کیا آپ میری اس کے ساتھ انوالومنٹ برداشت کر لیں گی؟'' ماں کی ترغیب نے اس کی خوابیدہ انا اور خود پسندی کو بھی جگا کر توانا کر دیا تھا۔

''میں تمہارے لیے لڑکی دیکھ رہی ہوں، جلد ہی تمہاری شادی بھی کرنا چاہتی ہوں۔ تب تک تم اسے بے نقاب کر دو تاکہ تمہارے پاپا کے سر سے اس کا بخار اُتر جائے۔'' رافیہ ہنوز اپنے احساسات کے مدار میں گردش کر رہی تھیں۔

الحان کے چہرے پر بھی عجیب سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ تصور میں سعدہ آذر کا شکست خوردہ وجود اور بجھی ہوئی آنکھیں در آئی تھیں۔ اسے اپنے احساس کی تسکین کا راستہ جو مل رہا تھا۔

☆=======☆=======☆

سعدہ آذر کچھ دنوں سے الحان خان کے رویوں میں نمایاں تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ شروع کے چند ہفتے اس نے سعدہ کو جس انداز میں زچ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے اس کا دل تو چاہتا تھا کہ نوکری چھوڑ کر چلی جائے۔ وہ ہر کام الٹ کرتا رہا تھا۔ اپنی غلطی ہونے کے باوجود سعدہ پر غصہ نکالا کرتا تھا۔ ضروری فائلز پر سائن کیے بنا آفس سے بنا بتائے غائب ہو جاتا تھا۔ سعدہ کے لیے اس کی کام سے بے رغبتی ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی جبکہ فرحان خان کی خاص ہدایات تھیں۔ وہ اپنے اس لاپروا اور غیر ذمہ دار بیٹے کو ہر حال میں بزنس میں انوالو کرنا چاہتے تھے اور اس کی توقع انہیں سعدہ خان سے ہی تھی کہ وہ الحان خان کو بزنس کے اسرار و رموز اچھی طرح سمجھا سکتی ہے۔ سعدہ خان نے اس حوالے سے کوئی ذمہ داری تو نہیں لی تھی، اسے مجبوراً الحان خان کے ساتھ تعاون کرنا پڑ رہا تھا۔ فرحان خان کے مزید قیام کی اطلاع کے بعد ہی وہ قدرے سنجیدہ ہو کر بزنس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ سعدہ سے اس کا لہجہ بھی طنز سے عاری ہو گیا تھا۔ اب وہ اسے زبردستی کسی پارٹی میں لے جانے کی ضد بھی نہیں کرتا تھا بلکہ فرحان خان کی روش اپناتے ہوئے بزنس پارٹیز میں سے بھی دس بجے سے پہلے اٹھ آتا تھا۔

الحان کے رویے کی نرمی اور کام کے لیے سنجیدگی نے سعدہ آذر کے سر سے کافی بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔ وہ اس کے آمرانہ طرزِ عمل سے کافی ٹینس رہی تھی، بہت عرصے بعد الحان نے اس

کے کام کو سراہنا شروع کیا تھا۔ اسے اس سے زیادہ چاہیے بھی نہیں تھا۔

☆=======☆=======☆

''مس سعدیہ آج آپ کو گھر جانے کی زیادہ جلدی تو نہیں ہے؟'' بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا جا رہا تھا۔

سعدیہ آذر اس وقت اس کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ دونوں ایک میٹنگ اٹینڈ کر کے آ رہے تھے۔ آفس ٹائم اوور ہو چکا تھا، سو الحان نے ہی اسے اس کے گھر ڈراپ کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔

سعدیہ نے واضح حیرت کے ساتھ اس کی جانب رخ موڑ کر دیکھا تو وہ اپنی بات کی وضاحت دینے لگا۔

''دراصل ادھر قریب ہی میرے ایک فرینڈ کا گھر ہے۔ وہ پاکستان آیا ہوا ہے مجھے معلوم ہی نہ تھا۔ رات اس نے مجھے فون کر کے کافی شرمندہ کیا ہے، زیادہ دیر نہیں ہوگی صرف آدھا گھنٹہ پلیز۔''

سعدیہ کے لیے الحان کا شیریں لہجہ نئی بات تھی۔ سعدیہ خان کو الحان کی پُرکشش شخصیت کے باوجود خود پسندی زیادہ نظر آتی تھی، اس لیے اسے کبھی اس کے مصلحت آمیز رویوں پر دل سے اعتبار بھی نہیں آیا تھا۔ اب بھی وہ اس کے شیریں اور دوستانہ انداز کو فریبِ نظر سمجھ رہی تھی۔ اسے سوچ میں پڑے دیکھ کر الحان نے گاڑی کی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے پھر سے اپنی بات پر زور دیا۔

''سعدیہ میں گھر جاؤں گا تو پھر مجھے آنے کا ٹائم نہیں ملے گا۔ کل آپ جانتی ہیں آفس میں کس قدر مصروفیت ہوگی۔ ادھر سے بس اب پانچ منٹ کی ڈرائیو ہوگی۔ آپ کو گھر والوں کی پریشانی ہے تو فون کر لیں۔''

الحان اس سبھاؤ سے بات کرنے کا عادی کب تھا۔ سعدیہ کو بھی فی الحال اسی کی ماننا پڑی کیونکہ بہرحال آدھے گھنٹے کی تاخیر تو وہ گوارہ کر ہی سکتی تھی۔

''او کے، لیکن پلیز صرف بیس پچیس منٹ سے زیادہ نہیں۔'' سعدیہ نے اپنے احساسات پر قابو پا کر رضامندی دی۔

الحان کے کہے کے مطابق ٹھیک پانچ منٹ بعد اس کی گاڑی پوش ایریا کے خوبصورت کاٹیج کے گیٹ پر رکی جو سرخ و سفید پھولوں کی سبز بیلوں سے ڈھکا بہار کا منظر پیش کر رہا تھا۔

''کیا یہ آپ کے دوست کا گھر ہے؟'' سعدیہ خان کافی حیرت سے استفسار کر رہی تھی۔

''یس! کیا آپ جانتی ہیں؟'' الحان کے لہجے میں جوابی حیرت تھی۔ وہ سعدیہ کی آنکھوں میں الجھن دیکھ رہا تھا۔

''نہ..... نہیں میں نے بس ایسے ہی پوچھا تھا۔ آپ اپنے دوست سے مل لیجیے میں گاڑی میں ہی بیٹھتی ہوں۔'' سعدیہ نے جلد ہی خود پر قابو پا کر اپنا سابقہ طرزِ عمل اپنایا۔

''یہ کیسے ممکن ہے مس سعدیہ، آئی مین آپ کا کار میں بیٹھے رہنا مناسب تو نہیں لگتا۔ کیا آپ مجھ سے ایسی بدتہذیبی کی توقع رکھتی ہیں کہ میں آپ کو یہاں بیٹھا چھوڑ کر اندر دوست سے ملنے چلا جاؤں گا۔''

اس کے پہلے ہارن پر ہی گیٹ کھل گیا تھا اور اب اس کی گاڑی کاٹیج کے پورچ میں کھڑی تھی۔

''کم آن پلیز۔'' الحان نے نرمی و سختی کے یکساں لب و لہجے میں اسے اُترنے پر مجبور کر دیا۔

سعدیہ اس کے رویے کا جواز ڈھونڈنے سے قاصر تھی۔ ملازم کی رہنمائی میں وہ خوبصورت ڈرائینگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ ڈرائینگ روم کا ماحول سحر انگیز تھا۔ وائٹ کلر اسکیم کا فسوں حواسوں پر بھی اثر انداز ہو رہا تھا۔ سعدیہ کو لگا تھا کہ یہاں کوئی طلسمی کشش ہے، کچھ غیر مرئی ہے یا پھر غیر فطری..... سعدیہ کے احساسات بوجھل ہو رہے تھے۔

ڈرائینگ روم کے اندرونی دروازے سے درمیانے قد کاٹھ کا نوجوان چہرے پر استقبالیہ مسکراہٹ لیے گرمجوشی سے آ کر الحان خان سے بغلگیر ہو گیا۔ اس اجنبی نے الحان کے کندھے پر سے سعدیہ کو جھانک کر الحان سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ سعدیہ کو اس کی مسکراہٹ جھنجھلانے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ شخص بنا تعارف کے ہی اپنی آنکھوں میں شناسائی رکھتا تھا۔ جیسے وہ اس کے متعلق جانتا ہو یا پھر اسے آگاہ کیا گیا ہو جبکہ سعدیہ آذر نے آج ابھی پہلی بار اس شخص کو دیکھا تھا جو اپنی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہر تاثر میں اس کے لیے داد و تحسین رکھتا تھا۔

سعدیہ آذر کے احساسات مزید کبیدہ ہونے لگے۔ الحان خان کے ساتھ آنے کی غلطی کا احساس بھی اسے ہونے لگا تھا۔

''شرجیل یہ میری پرسنل اسسٹنٹ ہیں سعدیہ آذر خان! بہت بولڈ اور ٹیلنٹڈ بھی ہیں۔''

سعدیہ آذر کو تعارف کا انداز پسند نہیں آیا تھا۔ الحان خان کے ساتھ وہ شخص بھی مسکرا رہا تھا جبکہ سعدیہ نظریں جھکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے الجھن پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی خاموش بیٹھی تھی۔

''تعارف کا سلسلہ تو چلتا رہے گا پہلے یہ بتاؤ، چائے، کافی، ٹھنڈا کیا چلے گا؟'' شرجیل مخاطب الحان سے تھا مگر نگاہیں سنعہ آذر خان پر مرکوز تھیں۔

''نہیں پلیز کچھ نہیں چاہیے، سر چلیں پلیز۔'' سنعہ نے اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے فوراً انکار کیا اور پھر الحان سے واپسی کے لیے درخواست بھی کی۔

''ابھی تو آئے ہیں آپ لوگ، کم از کم چائے کافی تو پئیں اگر ڈنر تک نہیں رک سکتے تو۔'' شرجیل نے اپنی مسکراہٹ کو برقرار رکھتے ہوئے فرائضِ میزبانی نبھانے کی کوشش کی۔ الحان اس عرصہ میں بے نیازی سے بیٹھا تھا۔ ''میں چائے کے لیے کہہ کر آتا ہوں۔'' وہ پھر فوراً ہی اٹھ کر چلا گیا۔

''مس سنعہ آذر آپ کو میرے ساتھ آنے میں کوئی پریشانی تھی تو آپ مجھے پہلے ہی منع کر دیتیں۔'' الحان نے کافی سنجیدگی و ناراضگی سے اسے اس کا رویہ جتایا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے سر۔'' سنعہ نے پھر سے اپنے احساسات جھٹلا کر اپنے اعتماد کا مظاہرہ کیا۔

سنعہ آذر کا سہما، گھبرایا، الجھن زدہ رویہ الحان کے لیے خاصی تسکین کا باعث بن رہا تھا۔ آج پہلی بار اس نے سنعہ کو پلکیں جھکا کر تذبذب میں بات کرتے دیکھا تھا۔ ورنہ تو اس کی ریشمی پلکیں کبھی رخساروں پر جھکی دیکھی ہی نہ تھیں۔

الحان نے پہلی بار بھرپور نظروں سے سنعہ کا جائزہ لیا تھا جس سے سنعہ کے اندر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ الحان خان کی عامیانہ سی نظریں اس کے اعتماد کے آئینے کو چکنا چور کر گئی تھیں۔ بہرحال اسے کسی طرح یہ وقت کاٹنا تھا۔ سو خود کو پُر اعتماد ظاہر کرنے کے لیے اپنے حواس پر بھی قابو پایا۔ الحان مسلسل اس کی طرف متوجہ تھا۔ اپنے دوست شرجیل کی آمد پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا جو ملازم کے ساتھ لوازمات بھری ٹرالی اور چائے لے کر آیا تھا۔ سنعہ کو مزید اچنبھا اس وقت ہوا جب الحان نے ہی اسے چائے سرو کی۔ ورنہ ہر جگہ سنعہ اسے چائے کافی سرو کرتی تھی۔ اسے الحان سے ایسی مہربانی کی توقع نہیں تھی۔

''شرجیل تم ان تکلفات میں نہ ہی پڑتے تو اچھا تھا۔ میں مس سنعہ آذر کو آدھے گھنٹے کا کہہ کر لایا ہوں۔ اب آدھا گھنٹہ تو چائے پیتے ہی گزر جائے گا اور میں تم سے ضروری باتیں بھی نہیں کر سکوں گا۔'' الحان کا رویہ پل پل بدل رہا تھا۔

''تو کیا ہے، تم مس سنعہ آذر سے آدھا گھنٹہ مزید لے لو۔ یہ تمہیں ضروری باتیں کرنے سے منع تو نہیں کریں گی۔''

شرجیل کی وہی پُر اسرار مسکراہٹ تھی جس نے سنعہ کا اعتماد متزلزل کر دیا تھا پھر بھی اس نے دونوں کو دیکھتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

''سر، آدھا گھنٹہ تو کیا آدھی رات تک یہاں رک سکتے ہیں۔ مجھے یہاں سے اکیلے جانے میں کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔ سر آپ آرام سے بیٹھ کر باتیں کیجیے اور مجھے اجازت دیجیے۔'' سنعہ چائے سامنے رکھ کر دوپٹے کو کندھوں پر مزید درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سنعہ! میں نے تو آپ سے آدھی رات تک رکنے کی بات نہیں کی۔ آپ چائے ختم کیجیے پھر چلتے ہیں۔''

الحان اس کے اٹھ کھڑے ہونے پر فوراً ہی بوکھلا اٹھا۔ سنعہ کو بھی ناچار بیٹھ کر چائے کا کپ اٹھانا پڑا۔ شرجیل کو اس کا ملازم بلا کر لے گیا تھا۔ الحان بھی چائے کا کپ تھامے اس کے پیچھے لپکا تھا۔

دونوں کے جانے کے بعد سنعہ کے تنے اعصاب ذرا ڈھیلے پڑے تھے۔ وہ بے دلی سے چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ اس کی چائے ختم ہونے تک دونوں ہی نہیں آئے تو سنعہ نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے میگزین کو اٹھا کر ورق گردانی شروع کر دی۔

آج سے پہلے اسے الحان خان کے ساتھ وقت گزارنا اتنا گراں نہیں گزرا تھا۔ ورق گردانی کرتے کرتے ہی اسے اپنے سر میں بوجھل پن محسوس ہوا تھا۔ لفظوں کی تھرتھراہٹ اسے اپنی بصارت کی خرابی لگ رہی تھی۔ دو تین بار اس نے پلکیں جھپک کر سرخیاں پڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن لفظ نظر کے آگے تھرک رہے تھے۔ سر میں ہلکے ہلکے درد کی اٹھان اچانک ہی ہوئی تھی۔ سنعہ آذر کی چھٹی حس نے اسے آگاہ کیا کہ وہ کسی گہری سازش کا شکار ہو چکی ہے۔ اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کرنے والی شے یقیناً وہ چائے تھی جو چند لمحے پہلے اس کے معدے میں منتقل ہو کر اپنا کام دکھا گئی تھی۔ سنعہ آذر کو الحان خان سے ایسی گھٹیا حرکت کی امید نہیں تھی۔ تیز نشے نے اسے غم و غصے کے اظہار کے قابل بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے مفلوج ہوتے ذہن کے ساتھ اپنے وجود کو حرکت دینے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھنا چاہا تھا مگر اس کے حواس اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ ہر چیز اس کی نظروں کے سامنے تیزی سے گھوم رہی تھی۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے پھر سے صوفے پر ڈھے گئی تھی اور پھر چند منٹوں میں ہی وہ گہری مدہوشی میں صوفے پر پڑی تھی۔ اس کا آنچل اس کے کندھے سے سرک گیا۔ لمبے بالوں کی چوٹی گردن سے بل کھا کر کسی ناگن کی طرح اس کے سینے پر پڑی تھی۔

کچھ دیر بعد الحان خان اپنی فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔ آج اس نے اس مغرور حسینہ کو شکست دے دی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد سنعہ آذر اپنی تمام تر بے بسی سمیت اسی کاٹج کے بیڈروم کی زینت بنی پڑی تھی۔

الحان خان کو پہلی بار سنعہ آذر خان کی دلکشی کا احساس ہوا تھا۔ آج سے پہلے وہ اس کے لیے عام سی لڑکی تھی۔ روکھی، پھیکی، کم رُو..... سنعہ آذر کا یہ قیامت خیز حسن آج سے پہلے نہ جانے کہاں پوشیدہ تھا یا پھر شاید اس نے خوابیدہ حسن کو کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب وہ اس سے ذرا فاصلے پر آرام دہ کرسی پر بیٹھا اپنی مست خرام سوچوں کے ساتھ اس کی دلکشی سے اپنی نظروں کو خیرہ کر رہا تھا۔ سنعہ آذر کو مغلوب کرنے کے لیے یہ گھٹیا قدم اٹھا کر بھی وہ مطمئن تھا۔ سنعہ آذر کو اپنے سامنے جھکے ہوئے دیکھنا اس کی شدید ترین خواہش بن چکی تھی۔ اسی دن کے لیے تو وہ کب سے خود پر جبر کر کے راہ ہموار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا آج کے بعد سنعہ آذر اس کے تو کیا، کسی کے بھی سامنے اپنی فاتحانہ مسکراہٹ نہیں بکھیر سکے گی۔ اس کی آنکھوں میں آج کے بعد سب کچھ پانے کا خمار نہیں اُترے گا۔ وہ اس کے لبوں پر چپ کی مہر اور آنکھوں میں بے بسی دیکھنے کے لیے بہت بے تاب تھا۔ منفی جذبات کی رو میں بہہ کر اس کے قدم چند بار اٹھے پھر وہ سنعہ آذر کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ وہ ہنوز نشہ آور دوا کے زیر اثر دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔ شعلہ و شبنم کی یکساں خصوصیات لیے اس کا حسنِ تاباں نشہ بن کر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ احساسات و جذبات کی نئی اچھوتی لہر انگ انگ میں بس گئی۔ وہ بے خودی کی آخری حد پر تھا۔ جب کسی غیر مرئی طاقت نے سنعہ آذر کے ریشمی بالوں کو چھونے سے روک کر اس کے اندر انسانیت جگانے کی کوشش کی۔

''الحان خان یہ تم کیا کر رہے ہو؟''

یہ آواز اس کے اندر سے اٹھی تھی یا کمرے کی دیواروں سے نکلی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یک لخت ہی وہ ٹھٹک گیا تھا۔

''کسی کمزور و بے بس کو دھوکے سے زنجیروں میں جکڑ کر سزا سنانا بہادری تو نہیں۔ کیا تم اسے درست سمجھتے ہو؟''

وہی آواز اسے پھر سے جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس کے اندر پھر بھی مزاحمت جاری تھی۔ اس کے مچلے جذبات اتنی جلدی قابو میں آنے والے کہاں تھے۔

تو کیا میں اس کو چھوڑ دوں؟ ایک مدت بعد تو مجھے اس کی شکست دیکھنے کا موقع ملے گا۔ کیا میں اپنی فتح کو ہار میں بدل دوں اور زندگی بھر تڑپتا رہوں۔

''لیکن اس طرح ایک بے بس اور ہوش و حواس سے بیگانہ لڑکی کو اپنی ہوس کا شکار کرنا بھی مردانگی تو نہیں ہے۔ تمہیں اس کی شکست دیکھنے کی آرزو تھی تو اسے اس طرح دھوکا دے کر محبوس کیوں کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے جذبات کا اظہار کیوں نہیں کیا۔ کیا تم سمجھتے ہو اس طرح تمہیں تسکین مل جائے گی۔'' اس کا ضمیر اسی کے سامنے ڈٹ کر سوال اٹھا رہا تھا۔

الحان خان اضطراری کیفیت میں بیڈ کے کنارے سے اٹھا اور پھر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

نہیں یہ میری ہوس نہیں ہے بلکہ وہ نفرت ہے جو مجھے سنعہ آذر خان سے ہے۔ اس کے غرور اور حقارت نے چند برس پہلے بھی مجھے اذیت دی تھی اور آج بھی یہ میری انا و مردانگی کو کھلے عام چیلنج دیتی ہے، کہ اسے کوئی نہیں جھکا سکتا۔ اسے میں سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

اس کی ہٹ دھرمی کم نہ ہوئی تھی۔ اس کا تنفر مزید بڑھا تھا۔

تم بھی تو مسلسل اس کی توہین کرتے رہے ہو۔ اس کی ذات کی نفی کر کے..... تم نے کوئی موقع، کوئی وار خالی نہ جانے دیا۔ اگر اس نے ماضی میں تمہاری اہمیت، تمہاری برتری کے آگے سرنگوں نہیں کیا تھا تو تم اب اس کی برتری کو تسلیم نہ کر کے حساب برابر کر چکے ہو۔ تم بھی اس کھیل میں برابر کے شریک ہو، بتاؤ اپنے لیے تم نے کیا سزا تجویز کی ہے؟ اپنے لیے تم نے کون سا زنداں تراشا ہے جس میں تم مقید رہو گے، تمہارے اس قبیح جرم کا حساب کتاب کون کرے گا؟ ابھی تو تم سے اس کی آنکھوں کی فتح کن چمک اور خود پر صحیح زعم برداشت نہیں ہوتا تو کیا تمہاری مردانگی یہ قبول کر لے گی کہ تم صریح گناہ کر کے اپنے مجرمانہ وجود کے ساتھ اس کا سامنا کر سکو؟ اس کی آنکھوں میں نفرت و حقارت کے ساتھ اپنی ذلالت کا اشتہار لگا بھی دیکھ سکو گے؟ اس کے دل میں اس کے ذہن میں تم اپنی حقیقت بدل سکتے ہو۔

ضمیر کی آواز نے اسے پُل صراط پر لا کھڑا کیا تھا۔ سارے سود و زیاں اس کے سامنے تھے۔ وہ خود کو بہت ہلکا و بے وقعت محسوس کر رہا تھا۔ بے چینی و بے تابی سے اس نے مڑ کر سنعہ آذر کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ اس کے چہرے پر وہی احساس تھا جس سے وہ مرعوب و بدظن تھا۔ پاکیزگی و معصومیت سے اس کا ہر نقش دمک رہا تھا۔ وہ اس بے خودی میں بھی اپنی محافظ آپ تھی۔ وہ آج بھی ناقابلِ تسخیر تھی۔

الحان نے شرمندہ ہو کر اپنی نگاہ جھکا لی پھر اس کی نظر اپنی رسٹ واچ پر ٹھہر گئی۔ گھڑی کی سوئیاں دو بجانے والی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب سنا ہے کہ پروردگار عالم اپنے بندوں سے نہایت نزدیک آ کر پوچھتا ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا۔ میں اسے عطا کروں گا.....

سعدہ آذر کی بے بسی نے بھی شاید فریاد کی تھی تبھی ذاتِ کریمی نے اس پر کرم کیا تھا اور الحان کے اندر سانس لیتے شیطان کو اپنی کبریائی کا احساس دلا کر اس سے دور بھگا دیا تھا۔

وقت کی نازک صورتِ حال نے اسے مزید پشیمان کر دیا۔ خود کو لمحاتی سکون پہنچانے کے لیے اس نے ایک باعصمت لڑکی کو ہی سزا نہیں دی تھی بلکہ خود بھی ساری زندگی کا عذاب مول لے لیا تھا۔ اسے جذبات میں صرف سعدہ آذر کی شکست نظر آئی تھی، اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کے اس اقدام کے بعد کیا سعدہ آذر جیسی لڑکی اسے یا اس کے خاندان کو آرام سے جینے دے گی۔ الحان خان کو اب ان رسوائیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک جوان لڑکی گھر والوں کو مطلع کیے بغیر گھر سے غائب تھی۔

الحان کی بے بسی انتہا پر تھی کہ وہ اب اپنے جرم کی تلافی کس طرح کرے گا۔ وہ سعدہ آذر کی نظروں کا سامنا کیسے کرے گا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے تھکنے لگا تھا۔ آرام دہ کرسی پر ڈھتے ہوئے وہ اپنی بے بسی کے بوجھل احساسات کے ساتھ آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔ آخر تو اسے سعدہ آذر کی نظروں کا سامنا کرنا ہی تھا۔ یہی اس کی سزا تھی۔

☆=======☆=======☆

بوجھل ہوتے ذہن کے ساتھ رات کے تیسرے پہر اس نے اپنی آنکھوں کو بمشکل نیم وا کیا۔ نیم تاریک ماحول میں اپنے لیے شناسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ذہن کا خالی پن اور ماحول کی اجنبیت اسے خواب کا احساس دے رہے تھے۔ ہاتھ کی جنبش سے زمین پر بچھے اپنے بستر کی سختی کو ٹٹولا تو ہاتھوں میں انجانا سا گداز لمس بن کر اترا۔ یہ ریشمی گداز جیسے اس کے حواس بیدار کرنے لگا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اپنے خفتہ ذہن کو جگاتے ہوئے کچھ سوچنے کی کوشش کی۔ ذہن پر بوجھل احساسات کی دبیز تہہ تھی جسے اس نے بہت مشکل سے جھٹک کر اتارا تھا اور پھر اسے ہر بات ہر خیال یاد آنے لگا۔ الحان خان کا ہر جھوٹ، مکر فریب سبھی کچھ..... شام کی چائے سے بوجھل ہوتا ذہن اور الحان خان پر بے اعتمادی کا پہلا اور پختہ تاثر اور پھر اپنی نفرت و احتجاج کا کمزور مزاحمتی انداز۔ پھر اس کے بعد اپنی بے بسی..... مدہوشی اور طویل تاریکی..... خوف و ہراس کی شدید لہر اس کے وجود میں اُتری تھی۔ وقت اس کی دسترس سے نکل چکا تھا۔ یہ جان لیوا احساس اسے فوراً اٹھ کر بیٹھنے پر مجبور کر گیا۔

کمرے میں ہلکی نیلی روشنی کا غبار سا پھیلا تھا جس میں اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے وجود سے جدا دوپٹے کا سراغ بھی نہیں مل رہا تھا۔ چہرے پر بکھرے بالوں کو سمیٹتے

ہوئے اسے حلق میں کانٹے چبھنے کا احساس ہوا۔ آنے والے لمحوں کے ہراس نے اس کی آنکھیں نم کر دی تھیں۔ اسے اپنے نصیب کی سنگینی جکڑنے لگی تھی۔ سوچوں کا اژدھا منہ کھولے اسے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔ اسے رہ رہ کر اپنی امی کی بے بسی یاد آنے لگی تھی جنہوں نے اس کی اس غیر موجودگی کو نہ جانے کیا سمجھا ہوگا۔ اسے اپنی بہنوں کی اذیت کا بھی اندازہ ہو رہا تھا جو مستقبل میں ان کا مقدر بننے والی تھی۔ امی نے نہ جانے کس کس کو کیا کیا کہہ کر اس کے غائب ہونے کی توجیہہ دی ہوگی۔

وہ یہی سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی کہ وہ کیسے اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے و فریب کو ثابت کرے گی۔ کیسے لوگوں کو بتائے گی کہ وہ بے گناہ ہے۔ رات بھر غائب رہنے کے بعد بھی ابھی تک پاکیزہ، اَن چھوئی ہے۔ وہ ستمگر شاید اسے اسی طرح رسوا کرنا چاہتا تھا۔

آنسوؤں کی برسات نے اس کا چہرہ ہی نہیں دامن بھی گیلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا ٹپکتا ہر آنسو الحان خان سے نفرت کا ثبوت تھا۔ اس کی ہر سوچ الحان خان کی کمینگی پر سوال بن رہی تھی۔

الحان خان تم نے مجھے اس طرح دھوکے سے یہاں لا کر مقید کیوں کیا۔ کاش تم مجھے نشے کے بجائے زہر پلا دیتے کم از کم میں خود اپنا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے تو بچ جاتی۔ نہیں..... میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں الحان خان۔

اس کی سسکیاں کمرے میں گونج اٹھیں تو آرام دہ کرسی پر اونگھتا الحان بھی چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ فوراً ہی سوئچ سورڈ کے پاس جا کر اس نے کمرے کی لائٹس آن کر دیں۔ ایک ساعت میں ہی سارا ماحول دودھیا روشنی میں نہا گیا۔ چند لمحے پہلے کی تاریکی پل بھر میں غائب ہو گئی تھی۔ سعدہ آذر سکڑی سمٹی اپنے گھٹنوں میں سر پھنسائے بری طرح سسک رہی تھی۔ وہ دبیز قالین پر چلتا ہوا بیڈ کے قریب آ کر کھڑا ہوا۔

''آئی ایم ویری سوری سعدہ آذر خان۔'' آواز بھی شرمندگی کے احساس سے بوجھل تھی اور چہرہ بھی اپنے جرم کا اعتراف کرنے سے بجھا بجھا تھا۔

سعدہ کے لیے یہ آواز یہ اعتراف کسی بچھو کے ڈنک سے کم نہیں تھا۔ وہ اس کے اس قدر قریب تھا اور وہ بے خبر تھی۔ اس نے بے یقینی سے سر اٹھا کر اپنے سامنے دیکھا، وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ اپنے مکروہ عمل کے بعد بھی وہیں تھا۔ سعدہ کو اس کی جرأت و ہمت پر تعجب ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی کے ساتھ ساتھ شعلوں کی لپک بھی تھی۔ وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکار اٹھی۔

''تم..... تم اب کس بات کے لیے سوری کر رہے ہو۔ تم نے کیا ہی کیا ہے الحان خان..... تم نے صرف ایک لڑکی کو رسوا کرنے کی کوشش ہی تو کی ہے۔ اس کے اعتماد سے ہی تو کھیلے ہو۔ یہ ایسا بڑا جرم تو نہیں ہوتا کہ سوری کہا جائے۔''

الحان خان اب اسے سننے پر مجبور تھا۔ اپنی معذرت کو دہرانے لگا۔

''سنعہ خان رئیلی آئی ایم ویری سوری آل آف دس۔''

''تمہاری اس مصنوعی معذرت سے کیا میرے لیے وقت پلٹ جائے گا؟ کیا اس ''سوری'' سے وہ لمحے واپس آ جائیں گے جن میں میری دنیا تباہ ہو گئی؟ کیا تم میری ماں کی بدگمانی دور کر سکو گے؟ کیا لوگوں کی زبانوں پر بھڑکتے شعلوں کو تمہارا یہ لفظی پچھتاوا ٹھنڈا کر سکے گا۔ کیا تم میری آئندہ زندگی کو خاکستر کرنے کے بعد داغدار ہونے سے بچا سکتے ہو۔ اب سوری کہتے ہو۔''

وہ جوش سے بولتی بولتی پھر سسک اٹھی۔ سنعہ آذر کو خود خبر نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ بس ایک طوفان تھا جو باہر آ رہا تھا۔ الحان خان کے وجود میں مزید کھڑے ہونے کی سکت جیسے ختم ہو گئی تھی۔ اس کے پاس سنعہ کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا، وہ بے بسی کے احساس سے مغلوب ہو کر بیڈ کے کنارے پر ٹک کر اپنی صفائی دینے کی کوشش کرنے لگا۔

''مس سنعہ آذر میں اپنی غلطی ایکسپٹ کرتا ہوں لیکن تم یقین کرو، میں نے تمہیں چھوا تک نہیں۔''

''تمہاری اس مہربانی کا کون یقین کرے گا؟ الحان خان کوئی نہیں مانے گا کہ تم جیسے شخص کی معیت میں تاریکی کے چھ سات گھنٹے گزارنے کے بعد بھی میں اَن چھوئی ہوں، پاکیزہ ہوں۔ کیا تم خود یہ بات ماننے کو تیار ہو کہ میں بے داغ ہوں۔ چھ سات گھنٹے تمہاری میلی، گندی، ناپاک آنکھوں کے حصار میں رہ کر بھی میں بے داغ ہوں، مجھے خود یقین نہیں آ رہا تو..... دوسرے.....''

سنعہ آذر روتے روتے ہنسی اور پھر رو دی۔ اس کی ذہنی و قلبی کیفیات جس بھنور میں تھیں یہ وہی جانتی تھی۔

الحان شرمندگی کے ساتھ ضمیر کی اذیت کا شکار بھی تھا۔ اسی لیے سنعہ آذر کی کیفیات بھی سمجھ رہا تھا، اس کی موجودہ اور آئندہ اذیتوں کا اندازہ بھی لگا چکا تھا لیکن اب اس کے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔ نہ وقت اور نہ ہی لوگوں کی بدگمانیاں۔ ان کے طنز و طعنے..... اس سے سنعہ آذر کی سسکیاں بھی برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔ فاتحانہ چمک سے روشن آنکھوں میں

آنسوؤں کا طوفان اس کے لیے نادیدہ اذیت بن گیا تھا جو اس کے جسم و جاں سے لحہ بہ لحہ زندگی اور روح کھینچ رہا تھا۔ وہ اپنی اذیت پر ہی بلبلا کر چیخ اٹھا۔

''فار گاڈ سیک چپ ہو جاؤ۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ میں تو شاید وقتی جذبات کی رَو میں بہک گیا تھا۔ بلیومی میں اپنے کیے پر بہت نادم ہوں، میں بہت پچھتا رہا ہوں۔''

''تمہارے وقتی پچھتاوے اور تم..... الحان خان! سب دھوکا، فریب اور خود کو بچانے کا حربہ ہیں۔''

اس کی آنکھوں میں اب بھی واضح حقارت تحریر تھی۔ مگر اس کے لہجے میں اب شکستگی تھی۔

''تم کیوں پچھتا رہے ہو الحان خان۔ پچھتاوے تو اب میرا مقدر ہیں جس نے جانتے بوجھتے تم جیسے بے اعتبار انسان پر اعتبار کر کے، اپنے رقیب خاندان کے سامنے اپنے اٹھے ہوئے سر کو جھکانے کا، خود پر انگشت نمائی کا موقع دیا ہے۔ اپنے کردار کی کمزوری کا ثبوت تو میں نے خود دیا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ الحان خان مجھے جہاں لے کر آیا ہے، وہ کاٹج کسی اور کا نہیں الحان خان کی ہی ملکیت ہے۔ جہاں کوئی مکین نہیں ہے، وہاں میں صرف تمہارے باپ کے کردار کی پرکھ کے تحت آ گئی تھی۔ نادانی کر بیٹھی تھی ناں کہ تم پر بھی اعتبار کر لیا تھا۔ تمہاری کمینگی کا اندازہ تو مجھے تھا الحان مگر تم سے اس قدر ذلالت کی امید نہیں تھی مجھے۔ کیوں؟ کس لیے؟ صرف سر فرحان کی شرافت و انسانیت کے بھرپور مظاہروں کی وجہ سے..... میں بھول گئی تھی کہ انسانوں کے گھر بھی تم جیسے درندے پیدا ہو سکتے ہیں جن کی سوچیں ہی انسانیت و شرافت سے نابلد نہیں ہوتیں، ان کے اعمال بھی ان کے احساسات کے زیر اثر ہوتے ہیں اور وہ اپنی انا و ہوس کو تسکین پہنچانے کے لیے خود پر اپنی خاندانی شرافت کا ملمع چڑھا کر دوسروں کی بیٹیوں کی عزت سے اسی طرح کھیلا کرتے ہیں۔ تمہارے لیے تو یہ بہت سعد ساعتیں ہوں گی۔ تم اب کیوں پچھتا رہے ہو، تم تو اب خوش ہو جاؤ، جشن مناؤ اپنی فتح کا کہ آج تم نے ایک مضبوط کردار کی لڑکی کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ صرف اپنے سامنے ہی نہیں دنیا کے سامنے بھی اور مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے کہ میں نے سنعہ آذر نے تم سے دھوکا کھا لیا۔''

اس کے چیختے چلاتے سچے انکشافات پر الحان مبہوت رہ گیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ سنعہ آذر اس حقیقت سے بھی واقف ہو گی کہ یہ کاٹج فرحان خان نے الحان کے لیے ہی خریدا ہے۔ سنعہ آذر کا ایک ایک لفظ تیر بن کر اس کے جسم میں پیوست ہو رہا تھا اور روح کو اذیت دے رہا

تھا۔

''خدا کے لیے سنعہ چپ ہو جاؤ، بلیومی میں اپنے جرم کی تلافی کروں گا۔'' وہ اپنے اندر اٹھی ہلچل سے گھبرا کر پوری سچائی سے چیخ اٹھا تھا۔

سنعہ آذر نے اسے اپنی مخصوص نظروں سے دیکھتے ہوئے اشتعال آمیز انداز میں اٹھ کر اس کا گریبان تھام لیا۔

''کیسے کرو گے تم تلافی۔ کیا کر سکتے ہو تم اب۔ کیا تم مجھے میری ماں کا لٹا ہوا اعتماد واپس دے سکتے ہو۔ کیا تم اسے اس کی وہی بیٹی واپس دے سکتے ہو جو کل صبح اس کی دعاؤں کے حصار میں شام کو واپسی کی امید دے کر گھر سے نکلی تھی۔ کیا تم سب کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر کے میری بے گناہی اور اپنا گناہ قبول کرو گے؟'' سنعہ نے اسے گریبان سے پکڑ کر جیسے ہلا دیا تھا۔ ''نہیں الحان تمہارا کوئی بھی اعتراف اب میری بے گناہی ثابت نہیں کر سکتا۔ رسوائی تو اب میرا نصیب ہے مگر سکون سے جینے تو میں تمہیں بھی نہیں دوں گی۔''

سنعہ کے لہجے کی سنگینی الحان کو کسی انہونی کا پیش خیمہ لگی۔ وہ نہ جانے کیا کرنے جا رہی تھی۔ اس کے خاندان کو رسوا کرنا اس کے لیے کیا مشکل تھا، اس کے باپ دادا کی عزت صرف اس کی جذباتیت کی وجہ سے شہر بھر میں تماشہ بن سکتی تھی۔ سنعہ آذر اس کا گریبان چھوڑ کر اب بستر کے ایک کونے پر پڑا اپنا دوپٹہ اٹھا کر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے سیدھی ہو کر دروازے کی طرف مڑی تھی۔

الحان کی سانس تک سینے میں اٹکنے لگی۔ سنعہ آذر اپنے کیے کو سچ کرنے پولیس اسٹیشن تک بھی جا سکتی تھی اور پھر اس کے بعد اس کے خاندان کی عزت کا اشتہار شہر میں لگنا مشکل نہیں تھا۔ الحان خان کو اپنے معزز خاندان اور امارت پر زعم ضرور تھا مگر اس کے غلط استعمال کی اجازت اسے کیا اس کے بھائیوں کو بھی نہیں تھی اور نہ ہی کبھی الحان کے دل میں انتہا تک پہنچنے کا خیال آیا تھا۔ اب وہ حد سے گزر گیا تھا تو اسے نقصانات کا اندازہ بھی ہو رہا تھا اسی لیے اس کا ذہن و دل سنعہ آذر کے ہر اٹھتے قدم پر ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ ایک پل میں ہی اس نے بہت اہم فیصلہ کر لیا تھا۔

''سنو سنعہ!''

سنعہ نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ جماتے ہوئے اپنی متورم آنکھوں سے پلٹ کر دیکھا۔

''میں تم سے شادی کروں گا۔ اس کے علاوہ میرے پاس تلافی کا کوئی اور حل نہیں

ہے۔''

الحان خان کا پُر اعتماد لہجہ اور اٹل انداز سنعہ آذر کو ٹھٹکنے پر مجبور کر گیا۔ زندگی کی ہر راہ اس پر بند کر دینے کے بعد اب وہ اسے نئے راستوں کی طرف لے جانے کی بات کر رہا تھا۔

''میں..... میں جانتا ہوں تمہارے لیے ابھی میری بات پر یقین کرنا مشکل ہو رہا ہو گا۔ مگر میں اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے بعد تمہیں تمہارے اپنوں کے سامنے تمہیں تمہارے اعتماد سمیت لے کر جاؤں گا۔''

''الحان خان مجھے تمہاری کوئی مہربانی نہیں چاہیے۔ مجھے اب کسی کا سامنا نہیں کرنا۔''

اپنی بے بسی کا شدید احساس سنعہ کو پھر سے بکھیرنے لگا۔ وہ وہیں دروازے کے پاس بیٹھ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ اپنے اردگرد پھیلے رسوائیوں کے دائرے اسے جیسے جکڑ کر کہنے لگے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے، کہاں جائے۔ زندہ رہے یا مر جائے یا پھر اس بے اعتبار شخص کے لہو سے خود پر لگے بدنامی و رسوائی کے دھبوں کو دھو ڈالے۔ اسے سسکتے تڑپتے دیکھ کر الحان نے ایک بار پھر اپنی بات دہرا کر اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''دیکھو میں گزرے ہوئے وقت کو تو واپس نہیں لا سکتا البتہ آئندہ وقت میں تمہیں لوگوں کی نظروں سے بچانے کے لیے یہی کر سکتا ہوں۔ تم خود بھی اچھی طرح سوچ لو۔ صبح ہوتے ہی میں اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنا سکوں گا۔ کسی نہ کسی طرح تم یہ چند گھنٹے گزار لو، اور خود کو یہاں محفوظ ہی سمجھو۔''

سنعہ کے آنسو تھم گئے۔ اس نے سر اٹھا کر خالی نظروں سے اسے دیکھا، وہ نظریں چرا گیا۔

''میں درندہ نہیں ہوں سنعہ آذر اور نہ ہی میرے خون میں حیوانیت شامل ہے۔ میں انسان ہوں، شیطان کے بہکاوے میں آ کر، بھٹکنے کے بعد بھی اپنے لیے سیدھی راہ ڈھونڈنے والا انسان.....''

الحان خان کے اعتراف جرم میں جھکی نظریں اور مصلحتوں کے تقاضے بیان کرتی زبان سنعہ آذر کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کر گئی۔ وہ دروازے کے قریب ہی بیٹھی تھی البتہ باہر جانے کی گنجائش باقی تھی۔ الحان اسے حیران چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا اور پھر باہر سے کمرا لاک ہونے کی آواز پر وہ یک دم ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ کہیں دور سے اللہ کی بڑائی کا اعتراف اس کی سماعتوں تک آ رہا تھا۔ متبرک آواز کا فسوں اسے اللہ تعالیٰ سے مدد کی راہ دکھانے لگا۔ دل و ذہن

اگرچہ اس شخص کی رفاقت کے لیے آمادہ نہیں تھے لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ وہ جانتی تھی یہ سب بھی برداشت کرنا اور سب کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں پیدا کرنا آسان نہیں ہوگا۔ لوگ تو پہلے ہی اس کی ذات کا گھیراؤ رکھتے تھے۔ اس کے لیے جو شکوک ان کی آنکھوں اور ذہنوں میں تھے، وہ سچ ثابت ہونے کے بعد ان کے رویے کیسے ہوں گے، اس کا اندازہ سعدہ آذر کو تھا لیکن اب اسے حالات کا سامنا بھی کرنا تھا اور لوگوں سے بھی اپنے شکستہ اعتماد کو بحال کرانے کے لیے جدوجہد کرنا تھی۔ روح پرور آوازوں کی گونج نے جیسے اس کے اندر بے قراری کے سمندر کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ تنہا ہوتی تو شاید اس کا پہلا اور آخری فیصلہ خودکشی ہوتا، مگر اسے ابھی اپنی امی اور بہنوں کو حالات کے بھنور سے نکالنا تھا۔ چھوٹے بھائی کے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے تک زندگی سے نبرد آزما بھی ہونا تھا اور اپنے عزم و استقلال پر قائم رہنے کا عہد بھی پورا کرنا تھا۔

وہ خود کو سنبھالتے ہوئے وضو کرنے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی۔ پھر اس نے اسی کمرے میں آکر قالین پر ہی نماز ادا کی۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہی اسے ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ رکا سیلاب پھر امڈ آیا۔ تڑپ تڑپ کر اپنے لیے صبر و قرار مانگا۔ اپنی ماں کا اعتماد مانگا جو الحان خان کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اپنی ماں سے سامنا کرنے کی ہمت و توفیق مانگتے مانگتے الحان کے لیے بھی ذرا بھر رحم جاگا تھا۔ برا ہونے کے باوجود اس سے برائی نہیں کر سکا تھا۔ ورنہ پھر وہ جینے کے قابل بھی کہاں رہتی۔ ابھی تو وہ اسے تحفظ دینے کی بات کر رہا تھا۔ اگر وہ اسے رات کی تاریکی میں رسوائیوں کے حوالے کر کے رُوپوش ہو جاتا تو وہ اپنے کردار کا ٹوٹا کاسہ لیے کس کس کو بتاتی پھرتی کہ وہ بے گناہ ہے۔ اپنے رب کے حضور اس نے اپنی ہمت و حوصلے کو بڑھانے کی توفیق مانگی تھی جو اسے فوراً ہی نصیب ہوئی تھی۔ زندگی کو نئے انداز میں جینے کا حوصلہ اس میں پیدا ہو گیا تھا۔

الحان خان کو خبر نہیں تھی کہ اپنے اٹھے غلط قدموں کو صحیح سمت میں موڑنے کے لیے اسے کس قدر مشکل اٹھانا پڑے گی۔ اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ نکاح خواں اور گواہوں کا انتظام کرنے کے علاوہ اسے ابھی اپنے ضمیر کی ایک اور خلش بھی مٹانی تھی۔ سعدہ کی امی کو تمام صورتِ حال سے آگاہ بھی کرنا تھا۔ وہ سعدہ آذر کو معتبر کرنے کے لیے فی الحال اسے اپنا نام تو دے سکتا تھا لیکن اپنے حلقۂ احباب میں اس کا اعلان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو وہ بڑی سوچ بچار کے بعد منہ اندھیرے اس کی امی کے گھر میں موجود تھا۔

حسبِ توقع گنجان آبادی کے چھوٹے سے گھر کے مکین حسرت و یاس کی تصویر بنے ہر

آہٹ پر کسی خبر کو پانے کے لیے رتجگا منا رہے تھے، انجانی سی دستک پر بے چین دل کو سنبھالتے ہوئے سعدہ کی امی نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر ان کے دل کی دھڑکن جیسے رکنے لگی تھی۔ رات بھر وہ اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے خود پر ضبط کے پہرے لگا کر بیٹھی تھیں۔ سعدہ کی واپسی نہ ہونے کے باوجود ان کے دل میں سعدہ کے لیے بدگمانی نہیں تھی۔ انہیں پورا یقین تھا کہ بیٹا بن کر حوصلہ دینے اور سہارا بن جانے والی بیٹی انہیں شرمندہ نہیں کر سکتی اور اب الحان ان کے گھر میں ان کے سامنے بیٹھا اعترافِ جرم کر رہا تھا۔

سعدہ کی امی کا ضبط آنسوؤں کی صورت میں ٹوٹ گیا۔ بے آواز شکوے ان کی آنکھوں سے ٹپکنے لگے تھے۔ یہ تو شکر تھا کہ ان کے جیٹھ حمید اختر کل سے اپنے سسرالی عزیزوں میں کسی شادی میں گئے ہوئے تھے بمعہ اپنی فیملی کے ورنہ ان سے تو اپنا بھرم نبھانا بھی مشکل ہو جاتا۔ سعدہ آذر کی گمشدگی زندگی بھر کی رسوائی بن کر ان پر ہی نہیں، ان کے بچوں پر بھی جینا حرام کر دیتی۔ بہت دقت کے ساتھ وہ خود کو الحان خان کے ساتھ چلنے اور اسے معاف کرنے پر آمادہ ہوئی تھیں۔

☆=======☆=======☆

صبح کا سنہری اُجالا چار سُو بکھر چکا تھا۔ سنہری دھوپ کا اُجلا پن سارے ماحول کی کثافت و تاریکی اپنے اندر ضم کر چکا تھا۔ سعدہ آذر جو بے خواب آنکھوں سے زندگی کی حقیقتوں کو دیکھ رہی تھی اور اپنے حوصلوں کو آزمانے کا سوچ چکی تھی، اٹھ کر کمرے کی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ دراصل اسے اس کی محویت سے چڑیوں کی چہچہاہٹ نے چونکایا تھا۔ جو ہر صبح نئی ہمت اور اُمنگ لے کر رزق کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ کھڑکی سے باہر کا منظر کافی بھلا اور سہانا تھا۔ کاٹیج کے اندر موجود درختوں پر اُڑتے پھدکتے پرندے زندگی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس جامد و ساکت ماحول میں چڑیوں کی چہکار بھی غنیمت تھی۔ کچھ دیر کے لیے سعدہ آذر اپنے مکدر احساسات سے نکل کر چڑیوں کی چہچہاہٹوں سے معنی اخذ کرنے لگی۔ اس کے دل میں ایک انہونی سی خواہش پیدا ہونے لگی کہ وہ بھی چڑیا بن جائے اور اس دنیا سے دور چلی جائے پھر نہ اسے کسی سے سامنے کا خوف رہے اور نہ زمانے کے سامنے جوابدہ ہونے کا ڈر..... اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی اسے جادو کے زور سے یہاں سے غائب کر دے اور پھر کسی کو اس کا سراغ نہ ملے۔ اپنی انہونی خواہشوں پر اس کا دل پھر سے بھر آیا۔ ایسا ہونا کب ممکن تھا۔ یہ اس کی کوئی آزمائش تھی یا کسی گناہ کی سزا جس کے عذاب میں وہ مبتلا ہونے جا رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے اپنی دھندلی آنکھوں کے ساتھ مڑ کر دیکھا۔ الحان خان کے ساتھ اس کی امی کھڑی تھیں۔ اس کی نظر جیسے ساکت ہو گئی تھی۔ اسے نہ اپنی بصارت پر یقین آ رہا تھا اور نہ ہی اپنے نصیب پر..... اس کی امی کے شکستہ قدم اس کی طرف بے اختیار اٹھے تو وہ بھی جیسے دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

''امی جی..... میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیے امی جی۔'' وہ اپنی ماں کا لمس پاتے ہی بے حوصلہ ہو کر بکھر گئی۔

امی نے بلکتی ہوئی سعدہ کو اپنے لرزیدہ ہاتھوں سے تھپتھپا کر اسے اپنا اعتماد بخشنا چاہا۔

''میری جان مجھے سب معلوم ہو گیا ہے۔ قسمت میں یہ امتحان بھی لکھا تھا۔''

وہ بڑے ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ پہلے ہی بہت رو چکی تھیں۔ اب تو انہیں سعدہ آذر کو سنبھالنا تھا جو ٹوٹ کر بکھرنے کو تھی۔

''پلیز آنٹی آپ دونوں خاموش ہو جائیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں اسی لیے تو میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔'' الحان کی ندامت دونوں کی آہ وزاری دیکھ کر مزید بڑھ گئی۔

سعدہ کی امی کنیز فاطمہ نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے سعدہ کے بھی آنسو پونچھتے ہوئے اسے صبر و حوصلہ کی تلقین کی۔ فی الحال انہیں بھی کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ سعدہ کے لیے انہیں الحان خان کی پیشکش ہی مناسب لگ رہی تھی۔ جس نے انہیں اس آزمائش میں ڈالا تھا، اسی نے اس آزمائش سے نکلنے کی راہ دے دی تھی تو وہ کچھ اور کیا سوچتیں۔ بس شکوہ کناں نظروں سے الحان کو دیکھ کر رہ گئیں۔ ان کی نظروں میں واضح سوال تھا کہ ہمارے اعتماد سے کھیل کر تمہیں کیا ملا۔

الحان نے فوراً گھبرا کر نظریں چرائیں اور پھر انہیں بیٹھنے کے لیے کہا۔ سعدہ ہنوز ماں سے چمٹی ہوئی معصوم بچی لگ رہی تھی جسے اپنی ماں کے بچھڑنے کا خوف ہو۔

''آنٹی جی انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ میں اپنی غلطی مان کر تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں میری یہ تلافی آپ کی یا مس خان کی اذیت کا مداوا تو نہیں بن سکتی پھر بھی..... آپ کی تسلی کے لیے میں ہر شرط ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ مس خان مجھ سے پیپر پر جو کچھ بھی لکھوانا چاہیں میں لکھنے کو تیار ہوں۔'' الحان اس وقت مکمل طور پر اپنے احساسِ خود پسندی سے آزاد تھا۔ اس لیے بہت استقامت سے بات چیت کر رہا تھا۔

''ہم بیوپاری نہیں ہیں صاحبزادے اور نہ ہی یہاں سودے بازی کے لیے آئے ہیں۔'' کنیز فاطمہ نہایت برا مان کر بولیں۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا آنٹی میں تو مس خان کو سیکورٹی دینے کی خاطر.....'' وہ فوراً ہی گڑبڑا اٹھا۔

''ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ صرف میری بیٹی کا اعتماد بحال کرو۔ ہم تم سے نہ کوئی شرط منوانا چاہتے ہیں اور نہ ہی تمہیں کسی شرط میں باندھتے ہیں۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ میری بچی اب اگر اپنے بھائی بہنوں میں جائے تو کسی ندامت کے بغیر اپنے اسی اعتماد کے ساتھ..... اور بس۔''

کنیز فاطمہ کے جذبات کا بہاؤ بھی غیر متوازن ہو رہا تھا۔ ان کا دل الحان کے لیے بہ یک وقت غصے و اشتعال کے ساتھ احسان مندی کے جذبات بھی دکھا رہا تھا۔ اگر الحان خان ان کی بیٹی کو اسی طرح چھوڑ کر چلا جاتا تو وہ کیا کرتیں۔ اب تو ان کے پاس بہت سی سوچیں تھیں جس پر عمل کر کے وہ سعدہ آذر کو ہی نہیں خود کو بھی بہت سے سوالوں سے بچا سکتی تھیں۔

''آنٹی میں نے نکاح کا انتظام کر لیا ہے۔ پھر بھی اگر سعدہ کی کوئی شرط ہو تو.....''

الحان نے نگاہ اٹھا کر سعدہ کی طرف دیکھا جواب خاموشی سے اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''میں نے کہا تو ہے کہ کوئی شرط.....''

''نہیں امی، میری کچھ شرائط ہیں۔''

سعدہ نے اپنی امی کی بات درمیان میں ہی کاٹ کر دونوں کو حیران کر دیا۔ الحان تو پہلے ہی اس کی ماند آنکھوں کے تاثرات سے الجھا ہوا تھا، اب اس کی بات سن کر مزید الجھ گیا تھا۔ نہ جانے وہ اس سے کیا مطالبہ کرنے جا رہی تھی۔

''مجھے کسی کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ یہ نکاح میں صرف اپنی اور آپ کی ناموس بچانے کی خاطر کر رہی ہوں۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس کے باوجود مجھے اپنی ہی بہنوں کے سامنے اپنے ناکردہ گناہ کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ میں نے اپنے سارے عہد بھلا کر صرف اپنے بارے میں سوچا۔'' وہ رندھی آواز میں بول رہی تھی۔ ''میری سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح نامے میں طلاق کا حق مجھے تفویض کیا جائے گا۔ میں جب چاہوں الحان خان سے آزادی حاصل کر سکتی ہوں۔ میری دوسری شرط یہ ہو گی کہ اس نکاح کے بعد بھی میں امی کے ساتھ ہوں گی۔ الحان سے میرا تعلق یا رشتہ صرف کاغذی حد تک ہو گا اور تیسری شرط، مجھے ان کے ساتھ وابستگی کی تشہیر نہیں چاہیے۔''

الحان خان جو دم سادھے اسے سننے میں محو تھا، اس کی شرائط سنتے ہی سکھ کی سانس لے

کر سیدھا ہوگا۔

''مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے مس خان۔''

وہ خود بھی تو ایسا ہی چاہتا تھا۔ سعدہ آذر سے کسی تعلق کا اعلان کرنے کی جرأت و ہمت اس میں بھی کب تھی۔ یہ تو وہ اپنی نادانی اور جذباتی کشمکش کی وجہ سے سعدہ کی ذمہ داری اپنے نام لکھنے کی غلطی کر رہا تھا ورنہ وہ اس کے دستِ طلب میں کب تھی۔ وہ تو اسے اپنے سامنے جھکانے کی چاہ رکھتا تھا، اب خود شکست خوردہ سا حلفیہ اقرار نامہ لکھ رہا تھا۔ سعدہ آذر کو نکاح نامے کی ایک سند دیتے ہوئے الحان خان کے تاثرات و جذبات اس کی اپنی سمجھ سے بالاتر تھے۔

''اب تو آپ کا اعتماد بحال ہو گیا مسز خان۔''

سعدہ اس کے بعد سے بالکل خاموش تھی۔ الحان کی گاڑی میں اپنی امی کے پہلو میں وہ پھر کسی ڈری سہمی بچی کی طرح بیٹھی تھی۔ ابھی تو اسے بہت بڑی جنگ لڑنا تھی۔ پہلے اپنی بہنوں کی خاموش نظروں کا سامنا کرنا تھا اور پھر باقی سب سے نبرد آزما ہونا تھا۔ الحان اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ چونک کر اسے سننے لگی۔

''آپ کتنے دن میں آفس جوائن کریں گی۔''

''جی.....؟ آئی ایم سوری اب میں شاید آفس نہ آسکوں۔'' سعدہ کو اپنے لہجے پر خود ہی حیرت ہوئی۔ وہ کچھ کرختگی سے جواب دے رہی تھی۔

الحان نے بیک ویو مرر میں سے اسے حیرانگی سے دیکھا۔ پھر قدرے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ ''آپ کی میموری میں سے اگر یہ بات نکل گئی ہے تو میں یاد دلا دیتا ہوں کہ آپ نے پاپا کے ساتھ کانٹریکٹ سائن کر رکھا ہے۔ اس سے پہلے آپ آفس چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میں آپ کی ایک ہفتے کی چھٹی منظور کر دوں گا۔ ایک ہفتے بعد آپ کو آفس میں موجود ہونا چاہیے، انڈر اسٹینڈ۔''

آج الحان کے لہجے میں بچکانہ ضد نہیں تھی بلکہ اپنی بات منوانے کا انداز بڑا مستحکم تھا۔

سعدہ کو اس کی امی نے ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کے لیے کہا۔ کچھ دیر بعد وہ انہیں ان کے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔

☆=======☆=======☆

''کہاں تھے تم رات بھر۔ تمہارا موبائل بھی آف تھا۔ جانتے ہو میں کس قدر پریشان رہی۔ تمہارے آفس سے بھی کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔''

رافیہ نے اس کے گھر میں گھستے ہی اس سے جواب طلبی کی۔ اسے امید نہیں تھی کہ اتنی صبح کو اس کا سامنا اپنی ماما سے ہو جائے گا۔ وہ تو دس بجے سے پہلے اپنے کمرے سے نہیں نکلتی تھیں جبکہ ابھی تو صرف ساڑھے آٹھ ہوئے تھے۔

''ماما ابھی میں بہت تھکا ہوا ہوں، بعد میں آپ کو بتاتا ہوں۔''

''کیا بتاتا ہوں؟ تم آخر تھے کہاں؟ میری پریشانی کا تمہیں ذرا احساس نہیں تھا۔'' رافیہ خان اسے بخشنے کو تیار نہیں تھیں۔

''ماما میں اپنے کالج میں ہی تھا۔ چند دوستوں کے ساتھ۔'' الحان نے ان سے نظریں چرا کر گزرنا چاہا۔

''کن دوستوں کے ساتھ۔ تمہارے سب دوستوں کو فون کر کے میں نے پتا کر لیا تھا تم کسی کے بھی ساتھ نہیں تھے۔ حتیٰ، مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا، تم کل اس چڑیل کے ساتھ میٹنگ کے لیے نکلے تھے پھر نہ آفس گئے ہو اور نہ ہی گھر آئے ہو۔''

''ماما میں لڑکی تو نہیں ہوں جسے آپ واچ کرتی رہتی ہیں۔'' الحان یک دم چڑ کر بولا۔

''کیا تم اس کے ساتھ تھے؟'' رافیہ خان نے اس کی چڑچڑاہٹ کی پرواہ کیے بغیر اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے اگلوانے کی کوشش کی۔

''پلیز ماما مجھے کچھ دیر ریسٹ کرنے دیں، پھر مجھے آفس بھی جانا ہے۔''

وہ ان کا سوال نظر انداز کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے انداز و اطوار نے رافیہ خان کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ فوراً اس کے پیچھے لپکیں۔ وہ اسی حلیے اپنے بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا حتیٰ۔ میں رات بھر تمہاری پریشانی میں سو نہیں سکی ہوں اور تم ہو کہ مزے سے آ کر لیٹ گئے ہو اور مجھے جواب بھی نہیں دے رہے۔''

''ماما میں آپ کی بات کا کیا جواب دوں۔''

وہ ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔ اپنے اتنے بڑے اقدام سے کسی کو تو آگاہ کرنا ہی تھا کیونکہ سعدہ کے حوالے سے بہت سے خدشات اس کے دل میں بھی تھے۔ وہ ابھی بھی بہت کچھ کر سکتی تھی یا پھر اپنے اور اس کے درمیان اس سمجھوتے کو سیاق و سباق کے ساتھ پاپا تک پہنچا سکتی تھی۔ اس سے پہلے اسے کچھ تو اپنے لیے حفاظتی اقدام کرنا تھا۔ اس کا مسئلہ شاید ماما حل کر دیتیں۔

''ماما آپ کی وجہ سے، صرف آپ کی وجہ سے آج میں بہت بڑی غلطی کر بیٹھا ہوں۔

آپ بار بار مجھے سعد آذر کی طرف مائل کرتی تھیں، بار بار اس سے جان چھڑانے کے حربے آزمانے کو کہتی تھیں۔ اس بیلنے میں نے اس کے ساتھ....." وہ جیسے کہنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔

"کیا کیا ہے۔ حنی تم میرا حوصلہ مت آزماؤ، صاف صاف کہو۔"

رافیہ خان اس کے بیڈ کے سائیڈ پڑی چیئر پر ٹکتے ہوئے بے چینی سے بولی۔

"ماما، میں نے مجبوراً ایسا کیا ہے..... اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ پولیس میں چلی جاتی۔ پریس کی مدد لے لیتی اور پھر پاپا کی عزت....."

"حنی کیا کر کے آئے ہو تم، میں پوچھتی ہوں کیا کیا ہے تم نے؟"

رافیہ خان کے ذہن میں ایک خیال آندھی کی طرح آیا تھا اس لیے ان کا لہجہ ہی نہیں وجود بھی کانپ رہا تھا۔ حنی کی کشمکش بھری خاموشی انہیں مزید بے چین کر رہی تھی۔

"ماما مجھے مجبوراً آج صبح اس کے ساتھ نکاح کرنا پڑا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو....."

اس کی وضاحت ادھوری رہ گئی۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھیں اور ایک زوردار تھپڑ الحان کے گال پر جڑ دیا۔ ان کے اندر اٹھتا طوفان ابھی ٹھہرا نہیں تھا۔

"میں نے تمہیں اس سے جان چھڑانے کے لیے کہا تھا اور تم..... جو لڑکی تمہارے باپ کا سایہ بنی ہوئی تھی، تم نے اس سے نکاح کر لیا؟ ساری زندگی کے لیے اسے میرے سر پر مسلط کر دیا۔ وہ تو چاہتی یہی تھی، باپ نہیں تو بیٹا سہی..... اسے کیا فرق پڑے گا۔ ایسی لڑکیاں چند روپوں کے عوض بک جایا کرتی ہیں اور تم اس کے ہاتھ اپنی اور اپنے خاندان کی عزت بیچ آئے ہو۔ میں تو تمہیں بہت عقلمند سمجھتی تھی مگر تم..... تمہیں ضرورت کیا تھی؟ وہ تو اسی تاک میں تھی کہ کسی طرح وہ تمہارے باپ کو پھانس لے۔ وہ دسترس سے دور ہوا تو اس نے تمہیں گھیر لیا۔" رافیہ خان غصے سے جیسے پاگل ہوا ٹھی تھیں۔

"ماما اب آپ کے غصے سے کیا ہوگا۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ آپ تو اب مطمئن ہو جائیں، آپ کی ٹینشن اب ختم ہو گئی ہے۔ اب وہ میرا ہیڈک ہے۔" الحان زچ ہو کر بول اٹھا۔

"اچھا! اب وہ تمہارا ہیڈک ہے۔ موری کی اینٹ کو تم نے میرے گھر کے ماتھے پر سجانے کا بندوبست کر دیا اور کہتے ہو وہ میری ٹینشن نہیں ہے۔ اسی دن کے لیے تو میں روتی تھی اور تم نے وہی کر دیا۔ ایک بے حیثیت شاطر چالاک لڑکی کو میرے برابر لا کھڑا کیا اور کہتے ہو جو ہو گیا سو ہو گیا۔"

وہ اب رونے لگی تھیں۔ سعد آذر نے انہیں اتنی بڑی شکست دی تھی۔ ان کے

خدشات، ان کے وہم آج سبھی پورے ہو گئے تھے۔ الحان ماں کے زار و قطار رونے پر پریشان ہو رہا تھا۔

"ماما، ماما لسن می پلیز! میں نے اسے ساری زندگی کے لیے خود پر مسلط نہیں کیا ہے۔ صرف مصلحتاً میں نے کچھ وقت کے لیے اس سے مجبوری کا تعلق قائم کیا ہے۔ مجھے اپنی جلد بازی میں کی گئی غلطی کو کسی نہ کسی طرح تو سولو کرنا ہی تھا۔ ورنہ کیا آپ اس کی جھوٹی سچی باتیں برداشت کر لیتیں۔ وہ میری اس غلطی کو اسکینڈلائز کرنے کی ہمت و جرأت رکھتی تھی، اسی لیے میں نے اس سے یہ سمجھوتا کیا ہے۔ کیا آپ اپنے خاندان کی، اپنی اور پاپا کی انسلٹ برداشت کر سکتی تھیں؟" اس نے بہت تحمل سے انہیں صورتِ حال سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"تو تمہارا کیا مطلب ہے، وہ اب کچھ نہیں کرے گی؟" وہ روتے روتے چیخ اٹھیں۔

"نہیں کچھ نہیں کرے گی۔ میرے اور اس کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ آپ ٹینس مت ہوں ماما۔"

الحان نے انہیں جذباتی بہاؤ سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ وہ اس وقت تو سنبھل گئی تھیں مگر اپنی ٹینشن ختم نہیں کر سکی تھیں۔

☆=======☆=======☆

زندگی کا یہ نیا موڑ ان چاہا ہی نہیں، بہت عجیب بھی تھا۔ خواہشوں، اُمنگوں سے عاری بے خواب آنکھیں مضطرب نیندوں کی غماز بن گئی تھیں۔ مصلحتانہ طرزِ زندگی بڑی بے کیف تھی۔ سعد آذر کی پُراعتماد ذات کا خول جیسے کہیں سے چٹخ گیا تھا اسی لیے اس کے مزاج میں مصنوعی خوشی کی آمیزش ہو گئی تھی۔ کنیز فاطمہ نے بہت صبر و استقامت سے سعد آذر کے نکاح کی خبر سب کو دی تھی۔ حمید اختر ہی نہیں، ان کی ساری فیملی کے لیے یہ خبر دھماکہ خیز تھی۔ جو خدشات ان کے دلوں میں پنپ رہے تھے وہ آخر سامنے آ ہی گئے تھے۔ سعد آذر سے انہیں ایسی توقع ہونے کے باوجود ایک موہوم امید تھی کہ وہ سعد سے اپنے بیٹے غزنی کی شادی کر کے اپنے لیے نہ سہی غزنی کے لیے تو مضبوط سہارا پیدا کر دیں گے۔ غزنی بی، اے کرنے کے بعد سے مسلسل بے کاری کی زندگی گزار رہا تھا جبکہ حمید اختر کی محلے میں پرچون کی چھوٹی سی دکان تھی جس میں ان کی گزر بسر ہی مشکل سے ہوتی تھی۔ تین مرلے کا یہ چھوٹا سا دو منزلہ گھر بھی ان کے لیے عارضی سہارا تھا کیونکہ یہ گھر بھی ان کے چھوٹے بھائی مرحوم سعید اختر کا تھا جو کہ اب اصولاً و شرعاً اس کے بچوں اور بیوی کی میراث تھا۔ حمید اختر تو اپنے رعب و داب کی وجہ سے اوپر کی منزل پر قابض تھے۔ کنیز فاطمہ بھی "بچوں پر تایا کا ہاتھ قائم رہے۔" والے

خیال سے متفق ہو کر انہیں اور ان کے کڑوے کسیلے رویوں کو برداشت کرتی چلی آ رہی تھیں۔ اب بھی ان سب کی نفرت بھری باتیں خاموشی سے سننے پر مجبور تھیں۔

سعدہ کی برداشت جواب دے رہی تھی۔ وہ پھر بھی ماں کی خاطر چپ ہو رہی مگر تائی سلطانہ کے تیر و نشتر بنے لفظ کسی کو چپ رہنے دے سکتے تھے۔ آخر وہ ان کے سامنے آ گئی۔

''جب آپ سب کو میرے حوالے سے ایسے ہی کسی عمل کا یقین تھا تو اب شور کیوں مچا رہے ہیں؟ آپ لوگوں کو تو خوش ہونا چاہیے کہ میرے حوالے سے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہونا پڑے گا۔ میرے بارے میں کسی کو بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنی مرضی کی خود مالک ہوں۔''

سعدہ کی ان باتوں کے بعد بھی کافی ہنگامہ رہا تھا۔ غزنی صرف ایک بار شکوہ کناں نظروں کے ساتھ اس کے سامنے آیا تھا مگر پھر اس کا رویہ دیکھ کر خاموشی سے اوپر چلا گیا تھا۔ سعدہ آذر سے وابستگی میں اس کی طرف سے کوئی کھوٹ نہیں تھا، بس نصیب کی چال ہی اس کے مخالف تھی۔ وہ خود کو سعدہ آذر کے برابر لانے کے بس خواب دیکھتا رہ گیا تھا اور وہ کسی اور کے خوابوں کو اپنی آنکھوں میں بسا چکی تھی۔

سبھی کے شور مچانے اور ہنگامہ برپا کرنے پر اس نے تایا حمید اختر سے صرف یہی کہا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جاتی ہے مگر پھر انہیں بھی اپنی بھتیجیوں اور بھتیجے کی مکمل ذمہ داری اٹھانے کا حلفیہ اقرار نامہ لکھنا ہوگا۔ وہ تو اپنے کنبے کی ذمہ داری اٹھانے کے اہل نہیں تھے۔ یہ اقرار کیسے کرتے، سو تلملاتے ہوئے، لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے اپنے پورشن تک محدود ہو گئے تھے۔

سعدہ آذر کے لیے فی الحال یہی غنیمت تھا۔ ورنہ اس ہنگامہ آرائی سے صرف اس کا ہی نہیں سارے گھر کا جینا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس کی امی تو صبر و برداشت کا مظاہرہ کر ہی رہی تھیں، بہنیں بھی کم پریشان نہ تھیں۔ انہیں بھی سعدہ آذر کے اس روکھے پھیکے نکاح کی خبر نے خاص خوشی نہیں دی تھی۔

آٹھویں دن وہ آفس پہنچی تو حیران و ششدر رہ گئی۔ سارا اسٹاف ہی پھولوں کے ساتھ مبارکباد پیش کرتا ہوا، شکوؤں کے ساتھ مٹھائی اور ٹریٹ کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اسے تو خبر ہی نہیں تھی کہ اس کی شادی کی خبر آفس تک بھی پہنچ جائے گی۔ یہ یقیناً الحان خان کی کارستانی تھی۔ سبھی کے، کون ہے؟ کیسا ہے؟ جیسے سوالوں نے اتنا تو اسے سمجھا دیا تھا کہ الحان خان نے اپنا آپ اس معاملے میں ظاہر نہیں کیا۔ وہ کسی کو جھٹلا نہیں سکتی تھی، سو مصنوعی مسکراہٹ اور حقیقی

حیرانی سے سبھی سے ان کا خلوص اور محبتیں وصول کر رہی تھی۔ کچھ کی امیدوں پر اوس بھی پڑی تھی۔ سعدہ آذر سے اس رازداری کی امید کسی کو بھی نہیں تھی اسی لیے تو اس کے آفس میں پہنچتے ہی اس کے سعد بھی اس کے پیچھے پیچھے داخل ہوئی تھی۔ ارینہ سے تو اس نے اپنے گھریلو معاملات بھی ڈسکس کیے تھے لیکن اپنی شادی کے حوالے سے کبھی ذکر ہی نہیں کیا تھا اسی لیے وہ جاننے کو بے چین تھی۔

''میڈم یہ کیا چکر ہے؟ نو انویٹیشن، نو انفارمیشن،..... چپ چاپ شادی رچا لی، ہمیں اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ ہم آ کر تمہیں چند دعاؤں کا تحفہ ہی دے دیتے۔ رئیلی تم سے یہ امید نہیں تھی۔''

''ایکچوئلی! اچانک ہی سب طے پایا۔ مجھے خود یقین نہیں آ رہا تھا۔ کسی کو بلانے یا بتانے کی مجھے مہلت ہی نہیں ملی۔'' سعدہ ہی جانتی تھی کہ وہ کس طرح خود پر یہ خول چڑھائے ہوئے ہے۔

''ایسی بھی کیا جلدی تھی..... تم نے تو کبھی ذکر بھی نہیں کیا اور تمہاری تو پلاننگ میں بھی نہیں تھا ابھی شادی کرنا۔''

''ہا..... ں..... مگر کیا کروں میری پلاننگ، اُس کی پلاننگ کے سامنے فیل ہو گئی۔'' سعدہ آذر نے گہری سانس لیتے ہوئے سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا۔

''اچھا ہی ہوا جو بھی ہوا۔ یہ بتاؤ اپنے گھر کب انوائٹ کر رہی ہو؟''

''جب چاہے آ جاؤ، تمہیں دعوت نامے کی کیا ضرورت ہے۔'' سعدہ نے مزید خود کو سنبھالتے ہوئے خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔

''میں تمہارے میکے میں آنے کی بات نہیں کر رہی، میڈم اپنی سسرال میں دوبارہ سے اپنا ولیمہ ڈنر ارینج کراؤ، ہم سب تمہارے شوہر نامدار سے ملنے کو بے تاب ہیں..... ویسے موصوف کرتے کیا ہیں؟''

ارینہ کی باتوں نے اسے نہ صرف چونکایا بلکہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اگر اس میں خود کو سنبھالنے کی قوت نہ ہوتی تو وہ کبھی کی اپنی بے بسی پر ڈھیر ہو گئی ہوتی۔ ارینہ کو مطمئن کرنے کے لیے فوری طور پر اسے ایک کہانی سوچنا پڑی۔

''اس کے لیے تمہیں عرصہ دراز تک انتظار کرنا پڑے گا۔''

''ہائیں..... کیا مطلب؟'' ارینہ اپنے نازک وجود کو جھٹکا دے کر اس کی میز سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''مطلب یہ ہے کہ ابھی میری رخصتی نہیں ہوئی اور شوہر نامدار صاحب بھی فی الحال تم لوگوں کو شرفِ ملاقات نہیں بخش سکتے۔ کیونکہ موصوف بزنس مین ہیں اور کچھ عرصہ کے لیے ملک سے باہر چلے گئے۔'' اپنی مرضی کے بغیر ہی اپنے لیے جھوٹ بولنا اس قدر مشکل کام ہوگا، یہ سعدہ کو آج معلوم ہو رہا تھا۔

''پھر یہ تو تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی، تمہیں قید کر کے خود آزاد فضاؤں میں گھومنے چل دیا۔'' ارینہ، اس ادھوری شادی کی خبر سن کر بے مزہ ہوئی۔

''ارینہ، عورت آزاد کب ہوئی ہے؟'' سعدہ کی بات بہت بڑا سوال تھی۔

''ویل..... تم یہ بتاؤ تم خوش تو ہو ناں؟ آئی مین تمہاری مرضی سے یہ سب ہوا ہے ناں..... فیملی کا پریشر تو نہیں تھا تم پر؟'' ارینہ فکرمندی سے پوچھنے لگی۔

''اگر میری رضامندی سے یہ سب نہ ہوتا تو میں تمہیں یہاں نظر نہ آتی۔ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ سر آج ہی لیٹ ہیں یا پھر لیٹ آرہے ہیں؟'' سعدہ کی نظر الحان کے خالی آفس پر گئی۔

''آج کل تو سر کافی پنکچوئل تھے۔ آج ہی نہ جانے کیوں لیٹ ہوئے ہیں۔'' ارینہ نے اسے اطلاع دی۔

''اوکے، پھر باتیں ہوں گی تم جا کر اپنی سیٹ پر بیٹھو۔ آئی تھنک کہ سر آگئے ہیں۔''

الحان اپنے آفس میں داخل ہوتا نظر آیا تو سعدہ نے اسے سنجیدگی سے جانے کے لیے کہا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر جمع شدہ کام کا جائزہ لینے لگی۔ تبھی اس کے انٹرکام کی بیل نے اسے الحان خان کے بلاوے کی اطلاع دی۔ وہ اپنے سابقہ اعتماد کو بحال رکھتے ہوئے اس کے آفس میں داخل ہوئی۔

الحان خان اسی کی طرف متوجہ تھا۔ سعدہ کے چہرے پر سپاٹ تاثرات تھے۔ گزشتہ ایک ہفتے کا کوئی رنگ بھی اس کے رویے سے جھلک نہیں رہا تھا۔ الحان کے لیے اس کا سپاٹ چہرہ اطمینان کا باعث تھا۔ اتنی جلدی وہ اپنی آٹھ دن کی کشمکش سے نجات پالے گا، اس کی اسے توقع نہیں تھی۔ سعدہ اس کے ساتھ اسی ٹون اور رویے میں بات کر رہی تھی جو اس کا پہلے تھا۔

دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے لاتعلقی کا نہ صرف مظاہرہ کر رہے تھے بلکہ ثابت بھی کر رہے تھے۔ البتہ الحان خان کی خوابیدہ انا کروٹ لینے کی کوشش ضرور کرتی تھی۔ سعدہ کا وہی پُراعتماد، سب پر چھا جانے والا رویہ اسے بے کل کر دیتا تھا۔ اسے اپنی شکست کا بری طرح احساس ہونے لگتا تھا۔ وہ آج بھی سعدہ آذر کے سامنے کچھ نہیں تھا۔ اور ایسا تب ہوتا جب ممی کی طرف سے اس پر سعدہ کو چھوڑ دینے کا دباؤ بڑھنے لگتا۔ وہ ممی کو یہ بتا ہی نہیں سکا

تھا کہ وہ سعدہ کی مرضی کے بغیر اسے طلاق نہیں دے سکتا۔ اور سعدہ آذر کی مرضی کیا ہے، یہ پوچھنا اس کی مردانگی کو گوارہ نہیں تھا، سو وہ ایسے میں سعدہ آذر سے کبیدگی بڑھتی محسوس کرتا تھا۔

☆=======☆=======☆

''حنی تمہیں خبر ہے، اس ہفتے تمہارے پاپا آرہے ہیں۔''

کافی دنوں بعد وہ ڈنر کے بعد ان کے ساتھ فرصت سے بیٹھا تھا کیونکہ رافیہ پھر سے ڈپریسڈ تھیں۔

''جی مجھے معلوم ہے۔'' اس نے سامنے پڑی پلیٹ سے سیب کی قاش پکڑتے ہوئے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''پھر تم سوچ کیا رہے ہو؟'' رافیہ اس کے انجان پنے پر چڑ کر بولیں۔

''کس بارے میں؟'' وہ جیسے ان کی بات ہی نہ سمجھا۔

''آخر اس مصیبت سے کب جان چھڑاؤ گے؟ تمہارے پاپا آجائیں تو میں نشاء زیاد کے لیے تمہارا پرپوزل لے کر جانے والی ہوں۔ اس سے پہلے تم اس چڑیل کو چلتا کرو، ورنہ بہت مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔'' ان کے لہجے میں سعدہ آذر کے لیے مزید زہر بھر چکا تھا۔

''مام، اس مصیبت سے جان چھڑانا اتنا آسان نہیں ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' انہوں نے چونک کر بے یقینی سے بیٹے کو دیکھا۔

''ماما پہلی بات تو یہ ہے کہ فی الحال وہ ایک ایگریمنٹ کے تھرو ہماری کمپنی میں کام کرنے کی پابند ہے۔ وہ ہمیں چھوڑ کر جائے یا ہم اسے کمپنی چھوڑنے پر مجبور کریں، دونوں صورتوں میں نقصان ہمارا زیادہ ہوگا۔ وہ کہیں بھی جائے گی، اسے یہاں سے زیادہ بینیفٹ ملیں گے۔ دوسری بات، میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔ یہ مطالبہ اس کی طرف سے ہوگا اور یہ مطالبہ وہ کب کرے گی، آئی ڈونٹ نو۔'' الحان نے اس بار بلا جھجک انہیں مطلع کر ہی دیا۔

''دیکھا، دیکھا! اس حرافہ نے تمہیں کیسے پھانسا ہے۔ یہ تم مجھے آج بتا رہے ہو کہ وہ..... حنی تمہاری نیت اگر اس پر خراب ہو ہی گئی ہے تو بھی کان کھول کر سن لو، میں اس گھٹیا خاندان کی لڑکی کو کبھی برداشت نہیں کروں گی۔''

الحان نے قدرے حیرت سے اپنی مہذب ماں کے منہ سے غیر مہذب الفاظ اور خود پر ان کا شک دیکھا اور سنا۔ وہ پہلے بھی اس سے اس طرح بات کرتی رہی تھیں مگر اسے آج زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ سعدہ کے بارے میں اس سے زیادہ کون جانتا تھا کہ وہ کتنی انا پرست اور خود دار ہے۔ وہ الحان کو پھانسنے کے حربے تو کیا استعمال کرتی، وہ تو الحان خان کو دیکھنا بھی گوارہ

نہیں کرتی تھی۔اس کے ساتھ کام کرنے کی مجبوری اس کے ہر عمل سے واضح نظر آتی تھی۔

''ماما، بلیوی! میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں بھی اگر اسے برداشت کر رہا ہوں تو صرف کمپنی کے مفاد کی وجہ سے کیونکہ مجھے بزنس ڈیلنگ بالکل نہیں آتی۔اگر آپ کو پھر بھی لگتا ہے کہ میں آپ سے جھوٹ بول رہا ہوں تو آپ مجھے واچ کر سکتی ہیں۔یا پھر پاپا آجائیں تو میں آفس ہی چھوڑ دیتا ہوں۔پاپا اپنا آفس سنبھالیں۔'' وہ ناراضگی کا تاثر دیتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے تمہیں واچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہیں جھوٹا کہہ رہی ہوں۔ میں تمہیں یہ یاد دلانا چاہتی ہوں کہ جس دن بھی تم نے اس ذلیل لڑکی کو اپنانے کی کوشش کی، اس دن تم مجھ سے اپنا رشتہ ختم سمجھنا۔میں نشاء سے تمہاری شادی کا فیصلہ کر چکی ہوں۔اگر اس بدذات نے کسی قسم کی رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔اب تم اس سے کیسے جان چھڑاؤ گے، یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔'' رافیہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

اپنی ماما کا یہ سنگین انداز الحان کے لیے بالکل نیا تھا۔وہ جذباتی تو تھیں مگر اس کے ساتھ اس قدر سختی کا مظاہرہ نہیں کرتی تھیں۔نشاء زیاد کے بارے میں بھی وہ اپنے اٹل ارادے سے پہلے ہی آگاہ کر چکی تھیں۔نشاء کے لیے رضامندی بھی وہ دے چکا تھا۔نشاء کا تعلق اس کی ماما کے حلقۂ احباب میں سے تھا۔وہ اس کی بے نیازی کے باوجود کئی بار اس کے قریب آنے کی کوشش کر چکی تھی۔نشاء کی یہی ادا اس کی خود پسند فطرت کو بھا گئی تھی۔اسی لیے تو اس نے اپنی ماما کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

فرحان خان آچکے تھے اور اس بار ان کی بڑی بہو، ارمان کی بیوی فائقہ اور بچوں کے ساتھ آئے تھے۔فائقہ اپنے چھوٹے بھائی کی شادی میں شرکت کی غرض سے آئی تھی۔اس لیے رافیہ کو اس کے آنے کی خوشی نہ تھی لیکن وہ اپنی ناخوشی ظاہر بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔اس لیے بڑی بہو کی آؤ بھگت کے ساتھ اس کے بھائی کی شادی کے پروگرام مرتب کرتے ہوئے شادی میں جانے کو بھی تیار تھیں۔

فرحان خان کی صحت پہلے سے کچھ بہتر تھی پھر اب تو انہیں الحان کی سنجیدگی دیکھ کر بزنس کی طرف سے بھی اطمینان حاصل تھا۔

☆=======☆=======☆

رات کی تاریکی چاروں طرف سناٹا پھیلا چکی تھی۔سردیوں کی ٹھٹھرتی راتوں میں چاند

کی زرد روشنی کھلی تھی۔سعدیہ آذر ابھی گرم پانی سے تھکے اعصاب کو سکون دے کر اپنے بستر پر لیٹی ہی تھی کہ فون کی بے وقت بجتی گھنٹی نے اسے ہی نہیں، سارے گھر کو چونکا دیا۔رات کے گیارہ بجے کسی کا فون آنا ان کے لیے حیران کن ہی تھا اور پھر فون سن کر تو اسے مزید جھٹکا لگا تھا۔الحان خان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔فرحان ہاؤس کے کسی ملازم نے اسے قریبی ہاسپٹل سے فون کیا تھا اور اسے جلد از جلد پہنچنے کے لیے بھی کہا تھا۔

دو گھنٹے پہلے ہی تو الحان اسے اس کے گھر ڈراپ کر کے گیا تھا اور اب اس کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع مل رہی تھی۔وہ جانتی تھی فرحان ہاؤس کے سبھی مکین اس وقت شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔الحان کا بھی آج رات جانے کا ارادہ تھا۔سعدیہ کو وہ اپنے پیرمنگل تک آفس نہ آنے کے بارے میں بتا چکا تھا۔اس لیے سعدیہ کو اب تشویش ہو رہی تھی۔اس کا ایکسیڈنٹ نہ جانے کہاں ہوا تھا اور اسے کس قسم کی چوٹیں لگی تھیں۔وہ جائے یا نہ جائے، اسی شش و پنج میں مبتلا تھی مگر اس کی امی نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔وہ آج بھی الحان خان کے لیے اپنے دل میں تشکر بھرے جذبات رکھتی تھیں۔تب وہ گرم شال اپنے گرد لپیٹ کر صرف انسانی ہمدردی کے تحت نکل آئی۔مطلوبہ ہاسپٹل میں پہنچنے کے بعد اسے الحان خان تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔وہ ایمرجنسی میں لیٹا اپنی مرہم پٹی کروانے کے بعد بچوں کی طرح کراہ رہا تھا۔اسے اپنے سامنے دیکھ کر اس نے لب بھینچ کر اپنی تکلیف چھپائی۔اس کی پیشانی پر چوٹ لگی تھی، ایک کہنی بھی زخمی تھی۔ دائیں ہاتھ کی کلائی میں بھی ہلکا سا فریکچر بتایا گیا تھا۔ٹانگوں پر بھی خراشیں تھیں۔الحان ہاسپٹل میں رہنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے سعدیہ آذر کو فون کر کے بلوایا تھا کہ وہ اسے ہاسپٹل سے فارغ کروائے۔

''سر اگر ڈاکٹر اجازت نہیں دے رہے تو آپ گھر کیوں جانا چاہتے ہیں؟'' سعدیہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں یہاں نہیں رہ سکتا۔مجھے ہاسپٹل کی فضا میں گھٹن محسوس ہوتی ہے۔پلیز تم ڈاکٹر سے بات کرو۔''

سعدیہ کو حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے اتنے سے کام کے لیے اسے ہی کیوں بلوایا۔اس شہر میں اس کے درجنوں دوست تھے اور پھر وہ خود بھی بات کر سکتا تھا لیکن فی الحال وہ اپنی حیرت کا اظہار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔اس کی ضد مان کر ڈاکٹرز سے بات کی۔اس کا کیس کچھ زیادہ سیریس بھی نہیں تھا اس لیے ڈاکٹرز نے آرام سے گھر لے جانے کی اجازت

دے دی تھی۔ الحان کی گاڑی تو جائے حادثہ پر ہی کھڑی تھی۔ وہ ہاسپٹل تک کسی کی مدد سے پہنچا تھا اور اب اس کے لیے ملازم دوسری گاڑی لے کر آ چکا تھا۔ سعدہ آذر کو ناچار اس کے ساتھ فرحان ہاؤس جانا پڑ رہا تھا۔ ملازمین اسے اپنے سہارے سے اس کے بیڈروم تک لے گئے تھے۔ وہ بھی انہی کی رہنمائی میں اس کے پیچھے تھی۔ الحان کے کمرے کا درجہ حرارت کافی حدت آمیز تھا جس نے سعدہ کے کپکپاتے وجود میں لمحہ بھر میں توانائی دوڑا دی تھی۔ الحان اپنے بستر پر دراز، چہرے پر تکلیف کے تاثرات کے باوجود آنکھوں میں اس کے لیے تشکر لیے ہوئے تھا اور پھر اسے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اظہار بھی کر دیا۔

''تھینکس مسز خان! میں نے تمہیں بے وقت ڈسٹرب کیا مگر میں.....''

وہ شکریے کے ساتھ ساتھ معذرت بھی کر رہا تھا۔ سعدہ کو الحان کا یوں بے وقت بلانا قطعی اچھا نہیں لگا تھا۔

''وہ ایکچوئلی میں اپنی چوٹوں اور شدید تکلیف سے بے حد گھبرا گیا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ جیسے میں.....اسی لیے میں نے تمہیں بلوانے کے لیے کہا۔ ماما بتاتی رہتی ہیں کہ میں بچپن سے ہی ایسا ہوں۔ نازک مزاج، ذرا سی ٹھوکر پر ہی خوب چیختا چلاتا تھا بلکہ مجھے اپنی ذرا سی تکلیف بھی کئی دنوں تک یاد رہتی تھی۔''

وہ سعدہ سے اس بے تکلفی سے اپنی تکلیف اور بچپن کی یادیں شیئر کر رہا تھا جیسے کہ ان میں گہرے دوستانہ مراسم رہے ہیں۔

''او.....ف.....تم بیٹھو ناں۔'' ہلکے سے کراہتے ہوئے الحان نے اسے کھڑے دیکھ کر بیٹھنے کی پیش کش کی۔

''نو تھینک یو سر! آئی تھنک کہ اب مجھے جانا چاہیے۔'' سعدہ خان نے کندھے سے سرکتی شال کو درست کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کچھ دیر تو بیٹھو۔ ابھی تو آئی ہو.....'' الحان کے بدلے لہجے پر سعدہ نے چونک دیکھا تو وہ گڑبڑا کر بولا۔ ''آئی مین کہ جب تک مجھے نیند نہیں آ جاتی۔''

سعدہ اس کے رویے پر دم بخود تھی۔ وہ آفس والے الحان سے بہت مختلف تھا۔ ابھی شام تک تو اس کے لب و لہجے میں حاکمیت و رعونیت بدرجہ اتم موجود تھی۔

''اتنی تکلیف میں تو آپ کو نیند بھی مشکل سے آئے گی، آپ کوئی سلیپنگ پلز لے لیں۔ ڈاکٹر نے یقیناً لکھ کر دی ہوں گی۔''

سعدہ اس کے سامنے سے ہٹ کر سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی جہاں ملازم اس کی

دوائیں رکھ کر گیا تھا۔ نیند آور گولیاں اس کی ادویات میں موجود تھیں۔ وہ اس کے لیے درد کی گولیاں اور نیند آور گولی کی ایک ڈوز لے کر پلٹی تو ملازم سعدہ کے لیے کافی، کاجو اور بادام وغیرہ لے کر داخل ہوا۔ وہ ٹرے رکھ کر جانے لگا تو سعدہ نے اسے گرم دودھ لانے کے لیے بھی کہا۔ ملازم فوراً ہی دودھ لے آیا تو سعدہ نے اس کی طرف دودھ کا مگ اور دوا کی خوراک بڑھائی۔

''نو.....نو میں دودھ نہیں پیتا ہوں۔ مجھے پانی دو اور پھر میں بھی کافی پیوں گا۔'' وہ کسی ضدی بچے کی طرح بدکا۔

''کافی پینے سے آپ کو نیند نہیں آئے گی۔'' سعدہ اس کے اس روپ پر ششدر تھی۔ وہ اس سے اس طرح مخاطب ہو رہا تھا جیسے ان میں برسوں سے اپنائیت ہو۔

''لیکن میں دودھ نہیں پیتا ہوں۔ بچپن سے میرا اور ماما کا صرف اسی بات پر اختلاف رہا ہے۔ ورنہ میں ان کی کوئی بات رد نہیں کرتا۔''

''سر بہت سی دواؤں کے ساتھ دودھ لازمی پینا چاہیے، سائیڈ ایفیکٹس ہونے کے چانس کم ہو جاتے ہیں اور طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو دودھ کے ذریعے جسم کے بہت سے امراض دور ہونے کی شہادت ملتی ہے۔ دودھ پینے سے نہ صرف اعصاب پُرسکون ہوتے ہیں بلکہ دودھ نیند آور بھی ہوتا ہے اور اس وقت آپ کو اس کی بہت ضرورت ہے۔''

سعدہ کو بھی خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی بلا سے وہ پیتا یا نہ پیتا۔

سعدہ کے سمجھانے کا اثر تھا یا کیا تھا۔ وہ مجبوراً کراہتا ہوا ذرا سا اوپر اٹھا اور پھر سعدہ سے دوا لے کر منہ میں ڈالنے کے بعد اس نے بائیں ہاتھ سے مگ تھام کر لبوں سے لگایا۔ تکلیف نے اسے بالکل بچہ بنا دیا تھا۔ اسے خود بھی اپنے رویوں پر حیرت ہو رہی تھی۔ چند گھنٹے پہلے تک اسے سعدہ سے وہی رقابت و نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آج بھی اپنی نظروں کی فاتحانہ چمک سے اس کے اندر اندھیرے بھر دیتی تھی۔ پھر بھی تکلیف کے لمحات میں اس کے ذہن و دل میں سعدہ آذر کو بلانے کا خیال آیا تھا۔ ورنہ وہ اس مصیبت کے وقت کسی دوست کو بھی بلا سکتا تھا۔

کیا وہ اس کے لاشعور پر حاوی تھی۔ اسی لیے وہ بے بس ہو کر صرف اسی کو سوچتا تھا یا پھر کوئی اور وجہ تھی.....وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

سعدہ کے متوجہ کرنے پر وہ اپنے خیال سے چونکا۔ وہ اس سے مگ لے کر واپس ٹرے

میں رکھتے ہوئے اجازت طلب کر رہی تھی۔

''اس وقت اتنی رات کو؟'' وہ ایک دم چونک اٹھا۔ نگاہ دیوار گیر گھڑی پر گئی، ڈیڑھ بجا تھا۔

''سر میں آئی بھی اتنی رات کو ہی ہوں۔ میرا یہاں ٹھہرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، اگر آپ کو احساس ہو تو..... اگر کوئی آ گیا تو میری پوزیشن کس قدر اکورڈ ہو گی۔''

اس وقت وہ لوگوں سے، روایتوں سے ڈرنے والی سہمی سی لڑکی لگ رہی تھی۔ الحان خان نے اس کی کشمکش اور اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی۔ وہ لائٹ پرپل پلین کاٹن کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے کندھوں کے گرد سیاہ شال لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے بے ترتیب بالوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پشت پر اس کے بال کھلے ہوں گے۔ تبھی کچھ آوارہ لٹیں اس کے چہرے کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھیں۔ اپنی تمام تر انا کے باوجود الحان کو پہلی بار اپنے استحقاق کا احساس ہوا تھا۔ وہ اس کی اپنی ہوتے ہوئے بھی، بہت قریب رہنے کے باوجود اس کی پہنچ سے دور تھی۔

''تم صبح چلی جانا ابھی ان سب کے آنے کا کوئی چانس نہیں ہے۔ اگر کوئی آ بھی گیا تو ماما ہر بات سے آگاہ ہیں۔''

الحان کی بات پر نہ صرف وہ چونک اٹھی بلکہ بے یقینی سے اسے دیکھنے بھی لگی۔ اس شخص پر اسے ویسے بھی اعتبار نہیں تھا۔ اسے اپنے یہاں آنے کی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ یہاں اس طرح ٹھہر کر کسی کا بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی خصوصاً فرحان خان کا..... اس کے نکاح کی خبر سبھی کو تھی لیکن اس کا نکاح کس سے ہوا ہے، یہ کوئی نہیں جانتا تھا، سو اب الحان کے کمرے تک چلے آنا، اسے سب کی نظروں سے گرا سکتا تھا۔

''سر پلیز مجھے جانے دیں۔'' وہ یک دم ہی ملتجی ہو کر بولی۔

''تم اس وقت اکیلی کیسے جاؤ گی۔ اس وقت کوئی کنوینس ملنا مشکل ہو گی۔ ڈرائیور بھی جا چکا ہے اور میری گاڑی کا تو حشر ہی ہو گیا ہے ورنہ تم خود ڈرائیو کر کے چلی جاتیں۔'' الحان نے بہت متانت و نرمی سے اسے صورتِ حال سمجھائی۔

سعدیہ متواتر اپنے ہاتھ مل رہی تھی۔ اپنے مطلب و تکلیف پر انسان کا لب و لہجہ بھی بدل جاتا ہے، یہ سعدیہ آج دیکھ رہی تھی۔

''کیا تمہارے گھر میں نہیں معلوم کہ تم یہاں ہو؟'' الحان نے اس کی خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کیا۔

''میرے گھر والوں کو معلوم ہے۔ میں امی جی کی اجازت سے ہی یہاں آئی ہوں۔''

''پھر کیا مجھ سے خوفزدہ ہو؟ دیکھو میری کنڈیشن ایسی نہیں ہے کہ مجھ سے خوفزدہ ہوا جائے۔ میں تو خود اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔''

سعدیہ نے اپنی مخصوص نظر سے اسے دیکھا۔ جس میں غصہ بھی بھرا ہوا تھا۔ نیند آور گولیوں کا اثر تھا کہ کیا تھا، اس کی باتیں ہی نہیں وہ خود بھی بہکا ہوا لگ رہا تھا۔

''تم نے کافی بھی نہیں پی..... ریئلی اس میں کچھ بھی نہیں ملا ہوا۔ کافی میں نے نہیں بنائی تم جب سے آئی ہو، بیٹھتی کیوں نہیں۔''

سعدیہ کو لگا اس کے سر کی چوٹ نے اس کا دماغ بھی الٹ دیا ہے تبھی عجیب و غریب باتیں کر رہا تھا۔

''سر پلیز آپ سونے کی کوشش کیجیے۔ سلیپنگ پلز لینے کے بعد زیادہ بولنے سے اعصاب متاثر ہو جاتے ہیں۔'' سعدیہ آخر زچ ہو کر بولی۔

''مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ مجھے نیند کیسے آئے گی۔ اسی لیے تو تمہیں روکنے کی کوشش کی ہے۔''

یہ بچکانہ انداز سعدیہ آذر کو غصے کے باوجود زیرِ لب ہنسنے پر مجبور کر گیا۔ الحان خان کا یہ روپ اصلی تھا کہ بہروپ..... البتہ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ پھر اس نے اسی کے کمرے سے اپنی امی کو فون کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر کے صبح تک آنے کی اطلاع دی تھی۔

''تھینکس اگین..... تمہاری یہ کافی تو ٹھنڈی ہو چکی ہو گی اگر تم کافی پینا چاہو تو..... تمہیں کچن ڈھونڈنے میں مشکل تو نہیں ہو گی۔''

''نو تھینکس، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ آپ ریسٹ کریں، میری فکر مت کیجیے۔''

سعدیہ آذر کا بے تاثر رویہ الحان کو خاموش کرا گیا۔ سعدیہ کچھ فاصلے پر پڑی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے اپنے لیے کارنر ٹیبل سے میگزین بھی اٹھا لیا تھا۔ وقت گزاری کے لیے کچھ مصرف تو ڈھونڈنا ہی تھا۔

☆=======☆=======☆

''تم! تم یہاں میرے گھر میں کیا کر رہی ہو؟''

آواز تھی کہ صورِ اسرافیل..... سعدیہ آذر کو لگا تھا کسی قریبی عمارت کی چھت گر گئی ہو اور اس کے دھماکے سے اس کی سماعت متاثر ہوئی ہو۔ وہ یک دم ہی ہڑبڑا کر ایزی چیئر سے اٹھی تھی۔ پہلے اسے سماعت متاثر لگ رہی تھی، اب تو اسے اپنی بصارت پر شبہ ہو رہا تھا۔ ابھی

آدھ پون گھنٹے پہلے تک تو وہ پورے ہوش وحواس میں تھی پھر نہ جانے کیسے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اگر وہ کچھ دیر پہلے تک جاگ رہی ہوتی تو اس قیامت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اس کے سر پر رافیہ بیگم ہی نہیں، فرحان خان بھی قیامت کی طرح نازل ہوئے تھے۔

انہیں رات ہی کسی ملازم نے الحان کے ایکسیڈنٹ کی خبر دے دی تھی اور وہ فنکشن چھوڑ کر پہلی فلائٹ سے ہی آ گئے تھے۔ رافیہ کی آنکھیں غیض وغضب سے سرخ ہو رہی تھیں، فرحان خان بھی اسے موجود دیکھ کر حیران وششدر تھے۔ جب سے وہ آئے تھے، رافیہ انہیں الحان اور سنعہ سے متعلق الٹی سیدھی خبریں دیتی رہی تھیں جن پر انہیں بالکل یقین نہیں تھا۔ سنعہ آذر پر انہیں بہت اعتماد تھا مگر اب صبح کے پانچ بجے اپنے بیٹے کے کمرے میں اس کی موجودگی ان کے مان واعتقاد میں بھی دراڑ ڈال گئی، بے یقینی وافسوس ان کی آنکھوں میں بھی بھر آیا تھا۔

''میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں لڑکی..... تم میرے گھر میں کیا کر رہی ہو؟'' رافیہ اس وقت بھول گئی تھیں کہ وہ بیٹے کے ایکسیڈنٹ کی خبر پا کر بہت بے کل ہو کر یہاں تک پہنچی ہیں۔ سنعہ آذر کو دیکھتے ہی ان کے اعصاب وحواس دونوں مختل ہونے لگے تھے۔

الحان بھی ماما کی آواز کی چنگھاڑ پر جاگ اٹھا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد چوٹیں زیادہ تکلیف دے رہی تھیں۔ اسے اپنا وجود ہی نہیں، سر بھی منوں بوجھ تلے دبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

سنعہ آذر اپنی جگہ پر کھڑی احساسات کے پُل صراط سے گزر رہی تھی۔ اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے اس نے سہولت سے کہنا چاہا۔

''سر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔''

''تم کوئی ڈاکٹر ہو یا نرس ہو جو ایک بلاوے پر ہی دوڑی چلی آئیں؟ شہر میں نرسوں، ڈاکٹروں کی کمی تو نہیں ہے۔''

''سر کے ایکسیڈنٹ کی خبر کسی بھی ورکر کو دی جاتی تو وہ ضرور آتا۔''

''تو کوئی ورکر آتا، تم کیوں آئی ہو؟ تم جیسی لڑکیوں کے مقاصد میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ مالکان کے قریب آنے کے یہ حربے یہاں نہیں چلیں گے۔ اب تک تم جو کچھ ہتھیا چکی ہو، اسی پر بس کر لو ورنہ میں تمہاری بے حیائی کا وہ تماشہ لگواؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔''

رافیہ خان بنا سوچے سمجھے اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں۔ اس وقت انہیں الحان کی نحیف سی آواز کیا سنائی دیتی، وہ تو اپنے شوہر کی خاموش رہنے کی تلقین کو بھی فراموش کیے دے رہی

تھیں۔ وہ غصے سے پھنکارتیں فرحان خان کے دل میں مزید بدگمانی کے بیج بو رہی تھیں۔ سنعہ خان کو تو وہ کچھ کہنے کا موقع ہی کہاں دے رہی تھیں۔

''میں تم سے کہہ رہی تھی کہ دفع کرو اس لڑکی کو مگر تم نے پانچ سال کا بانڈ بھروا کر اپنے لیے آسانیاں پیدا کی تھیں لیکن دیکھ لو وہ تمہارے ہی بیٹے کو کیش کرنے کے چکر چلا رہی ہے۔ مڈل کلاس لڑکیاں اپنی انہی اداؤں کے تو ہزاروں لاکھوں منٹوں میں کماتی ہیں۔''

''پلیز اسٹاپ اٹ..... دوسروں پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے کھڑے ہونے کے مقام کو نظر جھکا کر ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ کہیں وہ گندگی کا ڈھیر آپ کے اپنے پیروں تلے تو نہیں۔ پرکھ سے پہلے اپنے اظہار کو محفوظ رکھنا بہتر ہوتا ہے ورنہ دوسری صورت میں انسان خود عیاں ہو جاتا ہے۔''

سنعہ کو الحان پر بھی شدید غصہ تھا جو چپ چاپ اپنی ماں کے گھٹیا ترین خیالات و الزامات سن رہا تھا۔ سنعہ نے نظر اٹھا کر الحان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں واضح تحریر تھی۔

''تمہاری یہ پلاننگ بھی کامیاب رہی الحان خان۔'' پھر وہ فوراً ہی اس کے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

فرحان خان تو ساکت وجامد ہوئے کھڑے تھے۔ انہیں نہ ہی رافیہ کا رویہ سمجھ آ رہا تھا اور نہ ہی سنعہ آذر کی کوئی بات..... رافیہ اب زخمی بیٹے سے بازپرس کر رہی تھیں۔

''تم نے اسے میرے گھر میں کیوں بلوایا؟ خاندان میں کسی کو علم ہو جائے کہ تم اپنی ملازمہ کے ساتھ اپنے ہی گھر میں یہ کھیل کھیل رہے ہو تو ہماری عزت کیا رہ جائے گی۔ یہ ٹیسٹ ہے تمہارا کہ تم.....''

''بس ماما، بہت ہو چکی۔ آپ کو اپنی اور اپنے خاندان کی عزت کا تو بہت خیال ہے اور میری جان اور تکلیف کی آپ کے نزدیک کوئی ویلیو نہیں۔'' الحان اپنی تکلیف بھلا کر جیسے چیخ اٹھا۔

''یہ تکلیف بھی تم نے اسی کے لیے خریدی ہو گی۔ اسی کے ساتھ تم گھنٹوں آوارہ گردی کرتے پھرتے ہو۔ آئندہ اگر میں نے اسے تمہارے ساتھ دیکھا تو میں اس کا وہ حشر کروں گی کہ اس کی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔''

''رافیہ ہوش سے کام لو۔ بہت بول چکی ہو تم۔ بیٹے کی حالت دیکھو اور اپنی زبان.....''

فرحان خان سکتے سے چونک کر غصے وسنجیدگی سے مخاطب ہوئے۔

''تمہیں میری زبان کا احساس ہے اور وہ جو لڑکی یہاں ساری رات گزار کر گئی ہے اس

کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''شٹ اَپ رافیہ! تمہارے بیٹے کی حالت تمہاری گھٹیا سوچوں کا ساتھ دے رہی ہے؟ شرم آرہی ہے مجھے تمہاری زبان اور خیالات سن کر۔'' یہ کہہ کر وہ اسی دم کمرے سے نکل گئے۔

''شرم تو تمہیں واقعی آرہی ہوگی فرحان خان۔ تمہاری چہیتی، تمہارے ہی بیٹے کے کمرے سے جو برآمد ہوئی ہے۔''

رافیہ نے بہت حقارت سے اظہار خیال کیا۔ عرصے بعد ڈھیروں سکون ان کے اندر اُتر آیا تھا۔ فرحان خان کی آنکھوں میں بسی بے یقینی و بدگمانی ان کے لیے باعثِ طمانیت تھی۔

''ماما فار گاڈ سیک اب تو چپ ہو جایئے۔ آپ کو پاپا کی طبیعت کا بھی احساس نہیں ہے۔ آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟'' الحان بمشکل اٹھ کر بیٹھا تھا اور زچ ہو کر بول رہا تھا۔

''میں اپنے گھر پر اس لڑکی کا سایہ بھی پڑتے نہیں دیکھ سکتی۔ پھر بھی تم نے اسے یہاں بلوالیا؟''

''میں نے اسے یہاں بلوا کر کوئی گناہ نہیں کیا۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں نے اس سے نکاح کیا ہوا ہے۔''

الحان کے ذہن پر سعدہ کی بدگمان نظروں کا گراں احساس اُجاگر ہوا تھا۔ پھر اپنی ماما کی باتیں بھی اور ان کا رویہ بھی اس کی تکلیف بڑھا گیا تھا۔

''کان کھول کر سن لو الحان خان! اس گھر میں رہ کر اس لڑکی کو سوچنا بھی اچھا نہیں ہوگا۔ میں نشاء سے تمہاری شادی کر رہی ہوں، اسی مہینے..... تمہیں اگر مجھے زندہ دیکھنا ہے تو اس سے اپنا ہر تعلق ختم کر لو ورنہ.....'' وہ جانے کے لیے پلٹیں۔

الحان کو ان کی ضد، ان کی انتہا پسندی زچ کرنے کے باوجود بے بس کر گئی۔ ذہن و دل پر چھایا لمحاتی احساس، اپنی ماما کی جذباتیت تلے دبانے میں اسے صرف چند پل لگے تھے۔ ماں کی بے رخی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''ماما..... ماما پلیز.....''

رافیہ نے اپنی تیز سانسوں کو معمول پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے اسے مڑ کر دیکھا۔ الحان کے چہرے پر تکلیف کی زردی کے ساتھ اپنی محبت کا گہرا رنگ بھی دیکھا تو پلٹ کر اس کے قریب گئیں۔

''ماما آپ جیسا سوچتی ہیں، ایسا مجھ میں اور سعدہ میں کچھ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ نادانی میں جو تعلق باندھ لیا تھا وہ میرے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہے لیکن میں مجبور ہوں،

اگر میں ان حالات میں اس سے قطع تعلق کرنے کی کوشش کروں گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ پاپا کو تمام صورتِ حال بتا دے۔ پھر پاپا کی اصول پسندی تو آپ جانتی ہی ہیں، وہ اسے اس گھر میں لانے کا فیصلہ سنا دیں گے جو نہ مجھے منظور ہوگا اور نہ ہی آپ کو..... آپ کو جو کرنا ہے وہ کریں لیکن پلیز سعدہ آذر کی ذات کے حوالے سے مجھ سے بدگمان مت ہوں۔'' الحان کا تھکا ہارا یقین دلاتا انداز ان کا غصہ یک دم ہی ٹھنڈا کر گیا۔

''تو تمہارا کیا مطلب ہے، وہ تمہاری اور نشاء کی شادی پر کوئی ہنگامہ آرائی نہیں کرے گی؟''

''نہیں۔ آپ یقین کریں وہ ایسا نہیں کرے گی۔ آپ اس مسئلے پر پریشان مت ہوں۔ جائیں دیکھیں پاپا کی کنڈیشن کیسی ہے۔'' الحان نے بہت وقت سے سر ذرا سا نفی میں ہلا کر کہا۔

رافیہ کی دلی کیفیت ان کے چہرے سے بھی عیاں تھی۔ اب انہیں الحان کی چوٹیں بھی نظر آرہی تھیں اور تکلیف بھی..... ان کی سوئی ممتا بہت دیر میں بیدار ہوئی تھی۔ وہ اب اس سے اس کے ایکسیڈنٹ کی تفصیلات جاننے کو بے چین تھیں۔ الحان نے بہت مشکل سے نیند آنے کا بہانہ کر کے انہیں اپنے کمرے سے جانے کے لیے کہا تھا۔

پھر رافیہ خان نے چند دنوں میں تمام معاملات طے کر کے الحان کی شادی کا ہنگامہ اٹھایا تھا۔ الحان پر آفس جانے کی پابندی لگا دی تھی۔ فی الحال تو وہ اپنی چوٹوں کی وجہ سے بھی جانے سے قاصر تھا لیکن اسے سعدہ آذر سے ملنے، اس کا ردِعمل دیکھنے بہر حال اس تک جانا ہی تھا اور اسی مقصد کے تحت وہ پانچویں دن اس کے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ آفس فون کر کے اسے اتنی تسلی تو ہو گئی تھی کہ اس نے آفس نہیں چھوڑا اور اب بھی وہ آفس سے یقیناً گھر آچکی تھی۔

''کس سے ملنا ہے آپ کو۔'' دروازہ غزنی نے کھولا تھا اور نہایت روکھے انداز میں دریافت کر رہا تھا۔

''مسز خان کو بلا دیں۔'' الحان کو اس کا انداز پسند تو نہیں آیا تھا بہر حال اسے تو سعدہ سے ملنا ہی تھا۔

''کون مسز خان؟''

تیکھا لب و لہجہ الحان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس انداز میں باز پُرس کرنے والے کا سعدہ سے کیا رشتہ ہے۔ زچ ہو کر اسے وضاحت دی۔

''میری مسز سنعہ خان، اب آپ اسے بلانے کی زحمت کریں گے؟''

غزنی نے قدرے چونک کر اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی۔ خوش پوش نوجوان اپنی حیثیت وامارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ غزنی کو اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا، وہ خاموشی سے اندر پلٹ گیا۔

کچھ ہی لمحے گزرنے کے بعد دروازے پر سنعہ کی امی کنیز فاطمہ نمودار ہوئیں۔ الحان کو اپنے دروازے پر کھڑے دیکھ کر وہ دہری کیفیت کی شکار تھیں۔ خوش بھی تھیں اور کشمکش میں بھی تھیں۔ پھر بھی انہوں نے بصد اصرار اسے اندر آنے کی پیش کش کی۔

''تھینک یو آنٹی۔ میں پھر کبھی آؤں گا۔ ابھی سنعہ کو بھیج دیں ضروری کام ہے اس سے۔'' الحان نے مروت نبھائی۔

''بیٹا آپ پہلی بار آئے ہو اور اس طرح..... کم از کم ایک کپ چائے تو.....''

''نہیں، نہیں آنٹی تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جھجکتا ہوا بادلِ نخواستہ ان کے چھوٹے سے تین کمروں کے گھر میں داخل ہوا۔

الحان کو محسوس ہوا تھا کہ اسے کئی آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ چھوٹے سے گھر کا پہلا کمرہ بطور ڈرائنگ روم استعمال ہوتا تھا۔ رات کو سنعہ بھی یہیں زمین پر بستر بچھا کر سوتی تھی۔ اب بھی سنعہ آفس سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کی خاطر صوفے پر نیم دراز تھی۔ اس کی امی الحان کو لیے وہیں آ گئیں تو وہ مانوس سی خوشبو پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی امی الحان کو اندر چھوڑتے ہی واپس پلٹ گئی تھیں۔

''آ..... پ..... یہاں؟'' وہ اپنی حیرت کا اظہار نہ روک سکی۔ بے اختیاری میں کھڑی بھی ہو گئی تھی۔

''کیا یہاں میرا آنا منع ہے۔'' الحان نے بے ساختہ پوچھا۔

''اس کا اختیار تو آپ کو ہے سر، کب، کہاں اور کیا آپ کے لیے بہتر ہے، یہ آپ سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔'' باوجود کوشش کے بھی سنعہ اپنے لہجے کی تلخی کو چھپا نہ سکی۔

''اس دن ماما کے رویے کے لیے میں تم سے سوری کرتا ہوں۔ تم یقین کرو، ان کے آنے کا ایک پرسنٹ چانس بھی ہوتا تو میں تمہیں.....''

''پلیز، سر مجھے کسی ایکسکیوز، کسی سوری کی ضرورت نہیں ہے۔ گئے وقت کا مداوا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہیے، کیسے زحمت گوارہ کی اس غریب خانے تک آنے کی۔'' سنعہ کا رویہ ہنوز تلخ تھا۔

الحان نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ وہ براؤن رنگ کے سادے سے سوٹ میں الجھی ہوئی کھڑی تھی۔

''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''وہ تو صاف ظاہر ہے، بیٹھیے پلیز۔'' سنعہ نے بڑبڑاتے ہوئے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''اس وقت بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ آئی مین میں یہاں تم سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔ تم تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ چلو، میں خود تمہیں چھوڑ جاؤں گا اور سنو آنٹی سے بھی کہو کسی قسم کا تکلف نہ کریں۔''

سنعہ خود بھی اس کا ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھ رہی تھی۔ سر ہلا کر باہر گئی، اپنی امی کو چائے کے لیے منع کیا اور پھر اپنا بیگ اور شال کندھے پر ٹکاتے ہوئے لیدر کے براؤن شوز پہن کر اسے آنے کے لیے کہا۔ اس کی بہنیں اپنے بہنوئی سے ملنے اسے دیکھنے کی متجسس تھیں مگر سنعہ کے سپاٹ رویے اور آنے والے کی شخصیت کے رعب نے انہیں آگے آنے ہی نہیں دیا۔ وہ دروازے کے ساتھ لگی بس انہیں جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

الحان کو باہر آ کر بھی بہت سی آنکھوں کا اپنی پشت پر احساس ہوا تھا۔ سنعہ بھی سر جھٹک کر اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ لوگوں کی ان نظروں کی وہ عادی ہو چکی تھی۔ آتے جاتے وہ انہی نظروں میں رہتی تھی۔

الحان نے گلیوں سے گاڑی نکال کر سڑک پر لاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''کہاں چلنا ہے؟''

سنعہ جو خاموشی سے باہر کے منظر دیکھ رہی تھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''یہ تو آپ کو معلوم ہوگا۔''

''نہیں، آج تمہارے پاس چوائس کا حق ہے۔'' الحان نے اسے ایک بار پھر حیرت میں مبتلا کیا۔ الحان کے بدلتے دوستانہ رویے اس کی مطلب پرستی کی واضح دلیل تھے۔ وہ تلخی سے زیرِ لب ہنسی۔

''کہیں آپ کا یہ مطلب تو نہیں کہ آج آپ میرے مہمان ہیں۔ پھر تو مجھے اپنی جیب دیکھ کر آپ کی میزبانی کرنی ہے۔ ڈونٹ وری سر، میں آپ کے شایانِ شان ایک کپ چائے تو آپ کو پلا ہی سکتی ہوں۔ آپ اپنے فیورٹ ریسٹورنٹ ہی چلیں۔''

''نو، نو۔ رئیلی میرا کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا، اور پھر اس وقت تو میں تمہیں اپنے

ساتھ لے کر آیا ہوں۔ تمہاری ایسی باتیں ہی تو.....''

سنعہ کے طنز پر الحان کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔ سنعہ کو پہلی بار اسے زچ کر کے طمانیت محسوس ہوئی تھی۔

پھر ہوٹل تک پہنچنے تک الحان نے دانستہ اس سے کوئی بات نہیں کی۔ اپنے لیے پُرسکون گوشے کا انتخاب کرنے کے بعد کافی کا آرڈر دے کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ سنعہ بے نیازی سے بیٹھی تھی۔ اس کی خود اعتمادی اسے پھر بھٹکانے لگی تھی۔ سنعہ کے کسی فعل، کسی حرکت سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ الحان خان سے وابستگی کو کوئی اہمیت دیتی ہے اور اس کی یہی بے نیازی الحان کی مردانگی کو زچ کرتی تھی کہ ایک بندھن میں بندھنے کے بعد بھی سنعہ خان کے انداز و اطوار میں بیگانگی و سرد مہری نظر آتی تھی۔ آنکھوں میں جذبوں کی حدت کی جگہ وہی پرانی خود اعتمادی کی ٹھنڈک اور اپنی فتح کا نشہ لہراتا تھا۔ خود پر تمام حقوق رکھنے والے خوبرو مرد کے قرب کے حصول کے لیے کوئی پیش قدمی نہ تھی۔ وہ آج بھی اسی مقام پر کھڑی تھی بے نیاز، بے دھڑک، نڈر، جو یونیورسٹی لائف میں بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی سچائی اس پر اُگل دیتی تھی۔ اب تو اس کے چہرے پر کچھ بیزاری بھی نظر آ رہی تھی۔

''آپ کو مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا تھی۔ آئی تھنک نشاء زیاد سے دوسری شادی کے لیے پرمیشن لیٹر پر میرے سائن کروانے آئے تھے آپ؟''

سنعہ طویل خاموشی سے تنگ آ کر اپنے مخصوص لب و لہجے میں اسے اس کے آنے کا مقصد جتا رہی تھی۔

الحان اس کے لہجے پر اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ اسے سب معلوم تھا اور وہ خود اس سے کہنے نہ کہنے کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ بہت مطمئن انداز میں بیٹھی اپنے بیگ سے ایک اسٹیمپ پیپر نکال کر اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔

''یہ میں نے آج دوپہر ہی سائن کر دیا تھا۔ آپ آنے کی زحمت نہ بھی کرتے تو کل تک آپ کو مل جاتا۔ میرے حوالے سے آپ کو یا آپ کی فیملی کو کسی قسم کا خوف رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے خون میں احسان فراموشی نہیں ہے۔ آپ کا احسان مجھے ہی نہیں، میری امی کو بھی یاد ہے۔ اس احسان تلے فی الحال دبے رہنا ہماری مجبوری ہے جب تک میری بہنوں کی شادیاں نہیں ہو جاتیں۔ اس کے بعد آپ اس نام نہاد بندھن سے بھی آزاد ہوں گے۔ فی الحال پرمیشن لیٹر سے ہی کام چلائیں۔''

الحان نے سوچا تھا کہ جب وہ اسے اپنی زبان سے اپنی شادی کے بارے میں بتائے گا تو لمحہ بھر کو تو اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گا یا پھر وہ لاکھ انکار کے بعد روتے دھوتے اسے اجازت نامہ لکھ کر دے گی تبھی اس کے اندر بسی بے کلی بھی قرار پاتی..... مگر وہ تو اس کے کچھ کہنے سے بھی پہلے اپنے پُراعتماد انداز میں اس کی حسرتوں کے غنچوں کو بنا کھلے مرجھانے کا سامان پیدا کر کے آئی تھی۔

الحان کے رگ و پے میں عجیب سی وحشت اُتری تھی۔ ماحول کا احساس نہ حاوی ہوتا تو وہ نہ جانے کیا کر جاتا۔ اپنی طرف بڑھا اسٹامپ پیپر پکڑ کر پڑھنے کے بعد اس نے سنعہ آذر کو ایک بار پھر اپنے مقام سے ہٹانے کے لیے دل جلانے والے انداز میں مخاطب کیا۔

''تمہیں توقع تو نہیں ہو گی کہ میں تمہیں پابند کرنے کے بعد خود اپنی لائف انجوائے کرنے لگ جاؤں گا اور تم وہیں.....''

ویٹر کافی سرو کرنے آ گیا تھا اس لیے الحان کی بات ادھوری رہ گئی۔ سنعہ اسے جواب دینے کی منتظر بیٹھی تھی۔ ویٹر کے جاتے ہی کافی کا کپ لبوں سے لگانے سے پہلے بولی۔

''آپ نے مجھے پابند نہیں کیا ہے سر! یہ پابندی میری اپنی چوائس ہے اور تب تک رہے گی جب تک میری بہنوں کی شادیاں نہیں ہو جاتیں۔ ہمارے معاشرے میں ایک لڑکی کی ذرا سی خطا اس کے خاندان اس کے گھر کی لڑکیوں کا ہی نہیں، آئندہ نسلوں کا بھی جرم بن جاتی ہے۔ میری اس قسم کی شادی اور پھر طلاق میری بہنوں کے لیے کافی مسائل پیدا کر سکتی ہے، سو میں نے یہ پابندی گوارہ کر لی ہے۔ صرف چند ماہ کی بات ہے، پھر آپ اور میں دونوں ہی آزاد ہوں گے۔''

سنعہ خان کا یہ وضاحتی انداز بھی اس کے لیے نیا تھا۔ وہ جس خوبصورتی سے اسے اس کی خطا یاد دلا گئی تھی، شرمندگی کا لمحاتی اثر اس کے رگ و پے میں سے ہوتا ہوا زائل بھی ہونا شروع ہو گیا تھا۔ سنعہ خان کے لیے اس کا کوئی بھی جذبہ دیرپا ثابت نہیں ہوتا تھا۔ اس کے لیے اس کے تاثرات و خیالات یکے بعد دیگرے بدلتے رہتے تھے۔ اب بھی سنعہ خان کے اندازِ بے نیازی نے اس کے اندر ہلچل مچا رکھی تھی۔ اس کی حسرت تھی کہ اپنی کسی بات سے سنعہ خان کے چہرے سے اطمینان رخصت ہوتے دیکھتا۔

''میری شادی میں آنے کے لیے تمہیں انویٹیشن کی ضرورت تو نہیں پڑے گی۔'' الحان نے اس پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔

وہ کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر رہی تھی۔ کپ واپس رکھتے ہوئے بھی اس کے

انداز میں رتی بھر فرق نہیں آیا۔

''انویٹیشن تو مجھے میڈم دے چکی ہیں مگر.....''

''وہاٹ، ماما نے تمہیں، تمہیں انویٹیشن دیا ہے؟'' الحان نے کپ میز پر پٹخا۔ گرم کافی سے حقیقتاً اس کے ہونٹ جل گئے تھے۔

''آئی تھنک سارا اسٹاف ہی انوائٹ ہوگا، لیکن مجھے میڈم نے اسپیشلی انوائٹ کیا ہے۔''

سعدہ نے اسے جتایا نہیں تھا پھر بھی اسے احساس تھا کہ اس کی ماما نے سعدہ سے کس طرح اور کس ٹون میں بات کی ہوگی۔ لمحاتی پشیمانی پھر عود کر آئی۔

''میں نے ماما کو سمجھایا بھی تھا کہ..... پلیز تم ان کی کسی بات کو مائنڈ مت کرنا، ایکچوئلی وہ اپنے گھر کے معاملے میں بہت پوزیسو ہیں۔ اسپیشلی میرے لیے..... میرے بارے میں وہ میرا اپنا بھی کوئی فیصلہ برداشت نہیں کرسکتیں، تبھی تو مجھے ان کی ہر بات ماننا پڑتی ہے۔''

سعدہ کے لیے اس کی پشیمانی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

''سر میں ان کے جذبات بھی سمجھتی ہوں اور احساسات بھی۔ وہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہیں۔ ہر عورت ہی اپنے گھر کے بارے میں پوزیسو ہوتی ہے، اور وہاں زیادہ ہوتی ہے جہاں اسے اعتماد بھی حد درجہ کا حاصل ہو۔ اسے خود پر، اپنے رتبے پر مان ہو کہ اس کی بات رد نہیں ہوگی، اس کا ہر فیصلہ جائز ناجائز بھی قابلِ قبول ہوگا، وہ پوزیسو تو ہوگی ناں۔''

الحان نے اسے مزید حیرت سے دیکھا۔ اسے سعدہ خان کو چونکانے، جھٹکا دینے کا شوق چرایا تھا جبکہ وہ اسے مسلسل جھٹکے پہ جھٹکا دے رہی تھی۔

''اِٹس مین، تم آرہی ہو، میری شادی میں؟'' الحان نے میری شادی پر کافی زور دیا۔

سعدہ نے کافی کا آخری گھونٹ بھر کر نفی میں پہلے گردن ہلائی پھر بولی۔

''سوری سر! میں میڈم سے بھی ایکسکیوز کرچکی ہوں۔ آپ آفس نہیں آرہے اس لیے شاید آپ کے علم میں بھی نہیں ہے۔ میری دو بہنوں کی شادیاں بھی انہی ڈیٹس (تاریخ) میں ہیں۔''

''رئیلی! تم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔''

''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ انویٹیشن کارڈ تو آپ کے گھر تک بھی پہنچ چکا ہے۔ اب چلنا چاہیے۔'' سعدہ آذر نے اپنا بیگ کھول کر والٹ سے کافی کا بل معہ ٹپ نکال کر میز پر رکھا۔

''سعدہ پیسے واپس رکھ لو۔'' الحان کے لہجے میں اس کی حرکت سے برہمی اُتر آئی۔ وہ پیسے خرچ کرنے والا بندہ تھا، خرچ کروانے والا نہیں۔

''کیوں؟ یہ کافی میری طرف سے تھی۔ آپ نے میرے گھر پر بیٹھ کر نہیں پی یہاں پلانا تو میرا فرض تھا۔'' سعدہ بیگ کندھے پر لٹکا کر کھڑی ہوگئی۔

''میں تمہیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ میرے ساتھ ہوتے ہوئے آئندہ ایسی چیپ حرکت مت کرنا ورنہ.....''

الحان نے میز سے اس کے روپے اٹھا کر اس کی مٹھی میں دیے اور پھر بل پے کر کے اس سے بھی آگے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ سعدہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔ اس کے گھر کے راستے تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی کچھ دیر بعد سعدہ نے ہی خاموشی کو توڑا۔

''سر مجھے آپ سے ایک ریکوئسٹ کرنی ہے۔''

الحان کی نظریں ونڈ اسکرین سے ہٹ کر اس کے آدھے رخ پر پڑیں۔

''ہاں، کیا بات ہے۔'' اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ سعدہ خان اس سے کوئی ریکوئسٹ کرنے والی ہے۔ ایک خوش فہمی سی اس کے اندر اُتری تھی۔

''سر میں ریزائن کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ لوگ اس ایگریمنٹ بانڈ کو کوئی اہمیت نہ دیں تو میرے لیے بھی آسانی ہوگی اور آپ کے لیے بھی۔''

الحان نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی اور سمجھی۔ اپنی ماما کے رویے اور ردِعمل کا اندازہ تو اسے تھا مگر سعدہ ریزائن دینے کا ارادہ کرے گی، یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ سعدہ کا اس وقت ریزائن دینا بہت سے لوگوں کو سوچنے اور کریدنے پر مجبور کرسکتا تھا۔

''ایسا سوچنا بھی مت..... آئی مین، پاپا ایسا کبھی نہیں چاہیں گے۔ ان کا اور تمہارا وہ ایگریمنٹ کیوں اور کیسے ہوا، مجھے یہ نہیں معلوم۔ پھر بھی میں اتنا تو سمجھنے لگا ہوں کہ وہ تمہیں اپنی فرم کے لیے بہت ضروری سمجھتے ہوں گے تبھی انہوں نے تمہیں بانڈ کیا ہوگا۔ میں اس معاملے میں نہ تمہاری کوئی ہیلپ کرسکتا ہوں اور نہ ہی مجھے پاپا کے فیصلے بدلنے یا رد کرنے کا اختیار ہے۔ ماما نے اگر تمہیں کچھ کہا بھی ہے تو پلیز سب بھول جاؤ۔ ہمارے پرسنل میٹر، بزنس ویلیوز کے ساتھ انوالو نہیں ہونے چاہئیں۔ کم از کم تب تک، جب تک پاپا صحت یاب ہو کر آفس میں دوبارہ اپنی جگہ نہیں سنبھال لیتے یا پھر ہم الگ الگ نہیں ہوجاتے۔''

الحان کو خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ سعدہ سے یہ سب کیوں کہہ رہا ہے۔ وہ تو اپنی ماما سے سعدہ سے جان چھڑانے کا وعدہ کرچکا تھا۔

''سر میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ بے نام سے تعلق کو ایشو کیوں بنایا جا رہا ہے۔ آپ میڈم سے کہہ دیجیے گا، مجھے ان سے یا ان کے خاندان سے کوئی حق لینے کی نہ خواہش ہے نہ ضرورت..... وہ بالکل بے فکر رہیں، مجھے آپ سے یا آپ کے خاندان سے جڑے رہنے کا ارمان بھی نہیں ہے۔ میری طرف سے اپنے سارے خدشے دل سے نکال دیں۔ میں کبھی آپ لوگوں کے لیے مسئلہ نہیں بنوں گی۔''

سنعہ کے سرد و سپاٹ لہجے پر الحان کو گمان گزرا تھا کہ اس کے اندر کہیں آنسو قطرہ در قطرہ گرے ہیں..... موسم کی ساری ٹھنڈک و نمی اس کی آواز میں گھلی ہوئی تھی۔

پہلی بار الحان کو اپنی غلطی کا شدید ترین احساس ہوا تھا۔ وہ مسلسل ایک بے بس و مجبور لڑکی کی مجبوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش میں تھا۔ اس کے مسائل، اس کی معاشرتی و خاندانی حیثیت سے صرف نگاہ کرتے ہوئے صرف اپنے مطلب و مفاد کو پیشِ نظر رکھ کر اسے پابند بنا رہا تھا۔ کیوں؟ کس لیے؟

دل میں پہلی بار احتجاج کی لہر اٹھی تھی۔ دل کے دھڑکنے کا انداز بھی ذرا بدلا تھا لیکن وہ خواہش کے باوجود بھی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے کوئی تسلی کوئی دلاسا نہ دے سکا۔ اس کے گھر کے آگے گاڑی روکتے ہوئے الحان نے اسے تنبیہ کی۔

''تم آئندہ ریزائن کے بارے میں مت سوچنا۔ او کے! اور اگر تمہاری بہنوں کی شادی کے حوالے سے بھی کوئی پرابلم ہو تو تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔''

سنعہ کے یک دم چونک کر دیکھنے نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ کس اپنائیت سے کہہ گیا ہے۔

''آئی مین، فنانشلی سپورٹ کی ضرورت ہو تو.....''

اس کے ایک دم پینترا بدلنے پر سنعہ زیرِ لب تلخ سی مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''تھینک یو سر مجھے یا میری فیملی کو کسی کی بھی سپورٹ نہیں چاہیے۔ ہم اپنے پرابلمز خود سولو کر لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آئی ہوپ کہ آپ کی شادی کی خبر میری فیملی تک نہیں پہنچے گی۔''

سنعہ نے اسے اپنی مخصوص نظروں سے دیکھا اور دروازہ کھول کر اس کا جواب سنے بغیر اُتر گئی۔ الحان کو اس کا آخری تاثر پھر سلگا گیا تھا۔

☆=======☆=======☆

پھر نشاء زیاد سے ملن کی خوبصورت گھڑیوں میں الحان خان اپنے دل کی پہلی دھڑکن،

پہلے دل گداز احساس کو بھول گیا جو اس کے لہو میں بجلی کی طرح گردش کر گیا تھا۔ اسے اپنے احساسِ خود پسندی سے نکلنے کا جو موقع ملا تھا وہ اس نے نشاء کی سحر انگیز قربت میں گنوا دیا۔ نشاء نے اپنی چاہت کا اظہار کر کے اس کے زعمِ مردانگی کو مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ اسی پر نازاں و فرحاں تھا کہ نشاء زیاد جیسی اکلوتی لاڈلی، والدین کی سر چڑھی، اس کے نخرے سہنے میں پیش پیش تھی۔ سبھی بھائی، بھابیاں اور ان کے بچے اس کی خوشی میں شریک ہونے آئے تھے۔ رافیہ خان کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ انہیں توقع ہی نہیں تھی کہ الحان ان کے فیصلے کو اس خوش اسلوبی سے نبھانے کی سعی کرے گا۔ الحان کا اپنی شادی کی تمام رسومات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، ان کے تمام خدشات مٹا گیا تھا۔

ہنی مون کا خوبصورت دور سوئٹزر لینڈ میں گزار کر جب وہ واپس آیا تو اس پر سے نئی شراب کا خمار اُتر چکا تھا۔ زندگی میں یکسانیت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ مجموعی طور پر اسے نشاء سے کوئی شکایت نہ تھی لیکن کچھ کمی کا احساس بڑھنے لگا تھا۔ رافیہ نے اس کی واپسی پر بھی اسے آفس سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن بہر حال اسے ایک دن تو آفس دیکھنا ہی تھا کیونکہ اس کے پاپا کلی طور پر اپنا آفس اس کے حوالے کر چکے تھے اور اتنے عرصے سے صرف سنعہ خان کے کندھوں پر اس کی ذمہ داری تھی۔ فرحان خان تو صرف ہفتے میں ایک آدھ دن جا کر فائلوں پر دستخط کرنے کی ذمہ داری نبھا آتے تھے اور اب اس کے واپس آنے کے بعد اسے آفس جوائن کرنے کا مشورہ دے چکے تھے۔

آفس کے نام پر اسے سنعہ خان کا بھی یک دم خیال آیا تھا۔ اپنی خوشی میں وہ سنعہ خان کے چیلنجنگ وجود کو تو فراموش ہی کر چکا تھا۔ اتنے عرصے بعد اس سے سامنا کرنے کے خیال نے اس کے سوئے احساسات پھر سے بیدار کر دیئے تھے۔

سنعہ خان نے پہلی بار کی طرح آج بھی پھولوں کے ساتھ اسے خوش آمدید کہا تھا۔ اس کا خیر مقدم تو سبھی نے کیا تھا مگر اسے سنعہ خان کا رسمی انداز بڑا کھلا تھا۔

''مبارک ہو سر۔ میری وشز ضرور باسی ہو گئی ہیں لیکن یہ پھول بالکل تازہ ہیں۔ اگر قابلِ قبول ہوں تو.....''

سنعہ کا بڑھایا گلدستہ اس نے توقف سے پکڑا تھا۔

''آپ کو ان فارمیلٹیز میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''رسم دنیا نبھانے کے لیے، اپنے اصول توڑنے پڑ ہی جاتے ہیں۔''

سنعہ کی نظروں نے اس کے اندر پھر سے آگ روشن کی تھی۔

☆=======☆=======☆

''حنی، تم آج کل کچھ زیادہ ہی بزنس اور آفس کو ٹائم نہیں دینے لگے۔ یاد ہے کچھ، ہمیں ایک ساتھ کہیں گئے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں۔''

نشاء، الحان کی بڑھتی مصروفیات اور بے پروائی پر چند دن چپ رہنے کے بعد آخر شکوہ کناں ہو ہی گئی۔

الحان گزشتہ ایک ڈیڑھ ماہ سے سخت مصروف تھا۔ سعدہ خان کی تیز رفتاری کے ساتھ وہ خود کو دوڑانے پر مجبور تھا۔ اپنی شادی اور اس کے بعد کے عرصے میں بزنس سے تغافل برتنے کے بعد اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ بزنس بہر حال اس کی توجہ کا طالب تھا خواہ اسے دلچسپی تھی یا نہیں..... اور اب تو شادی کے بعد اسے بھی بہت سی ضروریات کا احساس ہوا تھا۔ شادی سے پہلے اپنے پاپا یا ماما سے مانگنا اچھا لگتا تھا مگر اب نشاء بھی اس کی ذمے داری تھی، سو خود کما کر کھانے کا خیال آنے لگا تھا۔ خصوصاً جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ ان کی زندگی میں ایک اور فرد کا اضافہ ہونے والا ہے، اس کی بزنس میں سنجیدگی بڑھ گئی تھی اور خیالات و جذبات میں بھی ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

''نشاء..... ساری لائف تو ایک روٹین پر نہیں گزاری جا سکتی۔ بزنس اور آفس اب میری ذمے داری ہے۔ دونوں کو ٹائم دینا میرے لیے ضروری ہے۔ بہر حال کل سنڈے ہے۔ ہم ساتھ ہی ہیں۔ اگر تمہارا کوئی اور پروگرام نہیں ہے تو۔'' الحان نے بہت تحمل سے نشاء کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''اور میں کس کی ذمے داری ہوں؟ میں نے کہا بھی تھا کہ ابھی مجھے بچوں کے جھنجٹ میں نہیں پڑنا مگر تم اور ماما..... تمہیں اپنی خوشیاں عزیز ہیں، میں اور میری خوشی، میری لائف..... کسی کو میرا خیال ہے کہ میں کتنی مصیبت میں ہوں؟''

نشاء اپنے اندر رُونما ہونے والی تبدیلیوں سے اکتائی اور گھبرائی ہوئی تھی۔ اس پر رافیہ کی حد سے زیادہ احتیاطی پابندیاں۔ ''یہ کرو، یہ نہ کرو، یہ کھاؤ، یہ نہ کھاؤ۔ اونچی ہیل مت پہنو۔ دیر تک باہر مت رہو۔ خود ڈرائیو نہ کرو۔'' وہ ابتداء ہی میں تنگ آ گئی تھی۔ اس پر اسے الحان کی مصروفیات بھی کھلنے لگی تھیں جو اس سے زیادہ اپنے بزنس کو توجہ دے رہا تھا۔ بدگمانی کی ایک لہر سی اس کے دماغ میں اٹھی تھی۔

''نشاء، صرف چند ماہ کی بات ہے، پھر سب کچھ اپنی روٹین پر آ جائے گا۔ تم ٹینس کیوں ہو رہی ہو؟''

''مجھے تو ساری لائف کی بات لگ رہی ہے۔ تمہارا انٹرسٹ بھی بدل رہا ہے۔ تمہیں تو انٹرٹینمنٹ اپنے آفس میں ہی مل جاتی ہے۔ تمہیں میری ٹینشن کی فکر کیوں ہو گی۔''

الحان اس کا اشارہ سمجھ رہا تھا۔ سعدہ خان کے اور اس کے بارے میں لوگوں میں چہ میگوئیاں تو ہوتی رہتی تھیں۔ اب نشاء بھی بدگمان تھی۔ الحان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''نشاء بے حقیقت باتوں پر ٹینس ہو گی تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہو گا۔ کسی کے سچ جھوٹ سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

وہ جو سونے کے ارادے سے لیٹ چکا تھا، اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر سگریٹ سلگانے لگا۔

''کچھ ہوتا ہے تو باتیں بنتی ہیں۔'' نشاء کے لہجے اور چہرے پر ہنوز خفگی و بے زاری تھی۔

''پلیز نشاء، فضول باتیں کر کے اپنے ساتھ میرا بھی دماغ خراب مت کرو۔ آرام سے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔''

الحان نے ادھ جلا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اس کی طرف سے رخ موڑ کر کروٹ لے لی۔ یہ پہلا اختلاف تھا جو گزشتہ چھ ماہ میں ان کے درمیان اٹھا تھا۔ نشاء حیرت سے اس کی پشت کو دیکھ کر سوچ میں پڑ گئی۔

☆=======☆=======☆

''سر، میں الگ گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔''

الحان کو لگا تھا، یہ الفاظ اس نے سعدہ خان کے نہیں، کسی اور کے منہ سے سنے ہیں۔ رات کے گیارہ بجے وہ اس کی گاڑی میں بیٹھی جس طرح کہہ رہی تھی، وہ الحان کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔

وہ دونوں ایک بزنس پارٹی سے لوٹ رہے تھے۔ الحان اسے اس کے گھر ڈراپ کرنے جا رہا تھا کہ سعدہ نے اپنے اور اس کے درمیان حائل طویل خاموشی کو اس دھماکے سے ختم کیا۔ الحان نے ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اس کے تاثرات کا جائزہ لیا تھا۔ وہ سنجیدگی سے باہر دیکھنے میں محو تھی۔ اس کی خاموشی محسوس کر کے رخ موڑ کر وضاحتی انداز میں بولی۔

''ایکچوئلی، میں اب امی کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ میری وجہ سے میری بہنوں کو اپنی اپنی سسرال میں وضاحتیں دینی پڑتی ہیں کہ میں شادی کے بعد بھی امی کے ساتھ کیوں رہ رہی ہوں اس لیے میں نے الگ گھر میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے میری بہنوں کے ہنستے بستے گھر متاثر ہوں۔ امی بھی مجبور رہیں، اس لیے انہوں نے مجھے بہت

مشکل سے اجازت دی ہے۔ صرف اس شرط کے ساتھ مجھے آپ سے بھی اجازت لینی ہوگی، سو میں آپ کو انفارم کر رہی ہوں کہ میں اب امی کے ساتھ نہیں رہوں گی۔''

سنعہ خان کی وضاحت نے الحان کی گھٹی سانس کو خارج ہونے کا موقع دیا۔

''میں نے تو تمہیں پہلے روز ہی کاٹیج میں رہنے کی پیشکش کی تھی۔'' الحان نے رسمی انداز میں کہا۔

''کاٹیج میں رہنے کا مطلب ہے خود پر انگلیاں اٹھوانا جو کہ مجھے کبھی بھی گوارہ نہیں ہوگا اور نہ ہی آپ میں حوصلہ ہوگا کہ لوگوں کو یا اپنی فیملی ممبرز کو یہ بتا سکیں کہ آپ کے کاٹیج میں آپ کی فرم کی ایک ملازم لڑکی کس حق سے رہ رہی ہے۔''

سنعہ نے اس کی کمزوری کو بہت خوبصورتی سے اسے جتا دیا تھا۔ الحان لب بھینچ کر رہ گیا۔

''میں نے اپنی فرینڈ سے ان کے گھر کے اوپر والے پورشن کی بات کر لی ہے۔ اس ویک میں شفٹ ہو جاؤں گی۔ اگر امی کبھی آپ سے اس بارے میں پوچھ لیں تو پلیز، کہہ دیجیے گا کہ میں نے آپ سے اجازت لے لی تھی۔ وہ ابھی تک پرانی دنیا میں جی رہی ہیں۔ ان کے خیال میں میرا آپ سے جس قسم کا بھی نکاح ہوا ہے، میں پھر بھی آپ کی پابند ہوں۔''

الحان حیرت سے اس کی بے زاری سے کہی باتوں کو سن رہا تھا۔ اسے تعجب تھا، وہ اتنی سی بات کے لیے بھی اس کی پابند تھی حالانکہ ان میں نہ کوئی تعلق تھا اور نہ واسطہ جبکہ نشاء نے کبھی کسی معاملے میں اس سے رائے تک نہیں پوچھی تھی۔ اپنی مرضی سے ہر فیصلہ کرنے اور منوانے کی اسے عادت تھی۔

''جہاں تم رہنا چاہتی ہو، ان لوگوں کے بارے میں انکوائری تو کر لی ہے ناں؟ تنہا رہنے سے تمہیں وہاں کوئی پرابلم تو نہیں ہوگی؟''

اس کا احساس ہی نہیں بھٹکا تھا۔ وہ خود بھی لاشعوری طور پر متفکر ہو کر پوچھ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں سو اندیشے تھے۔ شاید وہ سنعہ کو اپنی ملکیت سمجھنے کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

''نو، مجھے کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔ سمک میری بہت اچھی فرینڈ ہے۔ ایک حادثے میں اس کے شوہر کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنی ممی کے پاس ہی رہتی ہے۔ اب میں بھی ان کے پاس جا رہی ہوں۔''

سنعہ کا اعتماد الحان کو مطمئن کرنے کے لیے کافی تھا، پھر بھی اس نے سنعہ کو کریدا، سنعہ کا اس طرح اسے اپنی باتوں میں شامل کرنا اچھا اور خوشگوار لگ رہا تھا۔

''پھر بھی تمہیں کچھ پرابلمز تو فیس کرنا پڑیں گی۔ اپنا گھر چھوڑنا تمہارے لیے تکلیف دہ تو ہوگا۔''

''اپنے گھر والوں کے سکھ کے لیے میں ہر پرابلم فیس کرنے کو تیار ہوں۔ ویسے بھی شادی کے بعد ہر لڑکی کو اپنی ماں کا گھر چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ وہ لڑکیاں بھی تو ہوتی ہیں جو دور دیس چلی جاتی ہیں۔ میں تو پھر اپنے ملک میں اپنے چاہنے والوں کی دعاؤں کے حصار میں رہوں گی۔'' سنعہ کا وہی مخصوص انداز تھا۔

''کون ہیں وہ چاہنے والے؟'' الحان نے دلچسپی سے استفسار کیا۔

الحان کے لہجے کی کھنک میں کوئی بات ضرور تھی جس نے سنعہ خان کو نہ صرف چونکایا بلکہ اپنے خول میں سمٹنے پر بھی مجبور کر دیا۔

''آپ جان کر کیا کریں گے، آپ اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔''

سنعہ خان نے ایک تیر سا چھوڑا تھا جو پہلی بار ہی جگر کے آر پار ہو گیا تھا۔ سنعہ کے اس وار پر وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔ درد کا انگارہ خون کو جھلساتا روح تک پہنچ گیا تھا، پھر اس نے گاڑی کی رفتار بھی اپنے کرب کی شدت کے برابر کر دی تھی۔

سنعہ کو اس کے یہ انداز و اطوار اب پریشان نہیں کرتے تھے۔ وہ مطمئن سی بیٹھی تھی اور پھر اپنی منزل پر اتر کر بھی اس کا اطمینان برقرار رہا تھا۔

پھر اس دن کے بعد سنعہ کے کاری وار کی چوٹ مسلسل کسک بن کر دل میں اٹک گئی۔ سنعہ خان کی بے اعتنائی کا شدید احساس روح کا زخم بن گیا تھا۔ سنعہ خان کے وہ الفاظ کہ ''آپ اس فہرست میں شامل نہیں ہیں۔'' بار بار اس کی سماعت کو خراش دیتے۔ وہ سمجھتا تھا، سنعہ خان کی بے اعتنائی دکھاوا ہوگی۔ وہ جب بھی ضرورت محسوس کرے گا، سنعہ کو اس خول سے نکلنے پر مجبور کر دے گا مگر وہ اب بھی اس کے لیے چیلنج تھی۔ اس نے تو سنا تھا بلکہ اس کا تو تجربہ بھی تھا کہ عورت نظروں کی تپش سے پگھل جانے والا مادہ ہوتی ہے۔ مرد اسے جب چاہے، اپنی محبت کی آنچ سے پگھلا کر کسی بھی سانچے میں ڈھال لے۔ اسے اب ادراک ہو رہا تھا کہ وہ سنعہ خان کو اپنی آنچ سے پگھلا کر اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کا متمنی ہو رہا تھا۔ یہ بھول کر کہ سنعہ خان موم کی بنی نازک گڑیا نہیں، مضبوط اور پتھریلی چٹان ہے جسے اس کی قربت کا ڈائنامائٹ بھی ہلانے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ وہ گھنٹوں اس کے ساتھ رہتی تھی مگر اپنی نگاہ تک کو بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔ وہ خود کئی بار کام کے دوران اس کے قرب کی حدت سے پگھلنے لگا تھا مگر سنعہ خان کا اعتماد و حوصلہ قابلِ دید تھا۔ اس پر نہ ہی الحان خان سے وابستگی کا اثر تھا

اور نہ ہی الحان خان جیسے مرد کی رفاقت کے لیے اس کے قدم اٹھتے محسوس ہوتے تھے۔

الحان خان میں ایک نیا احساسِ تشنگی سرائیت کرنے لگا تھا۔ وہ اپنی شکست خوردگی کے احساس کے باوجود اپنی تشنگی کو مٹانے کا تمنائی بھی رہنے لگا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ابھی تو کیا، کبھی بھی اس کی طرف سے ایک قطرہ، ایک بوند بھی سیرابی کی میسر نہ ہوگی۔ اس کے باوجود ایک حسرتِ ناتمام دل میں پیدا ہو چکی تھی۔ اپنی تشنگی کے بڑھتے احساس تلے وہ گھر سے دور اور نشاء سے بے پرواہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ یہ بھی بھول رہا تھا کہ گھر سے دوری کے لیے وہ کس کس کو جواب دہ ہوگا۔ اس کے اور نشاء کے درمیان صرف سعدہ خان کے ساتھ وقت گزاری ہی وجہ تنازع نہیں تھی، ان کے درمیان اس بات سے بھی کھنچاؤ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا کہ نشاء کا مسلسل اصرار تھا کہ وہ اس کے باپ کے ساتھ کسی ایک مل کو سنبھال لے۔ دراصل وہ الحان کو صرف اپنے لیے اور اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھی۔

رافیہ ہر ممکن کوشش کرتی تھیں کہ نشاء کو کسی سے بھی کوئی اختلاف نہ ہو۔ ان کی خوشی تو ویسے بھی دیدنی تھی۔ وہ نشاء کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھ رہی تھیں۔ ان پر عالم سرور طاری تھا۔ یہ پہلی اولاد کی خوشی تھی جو ان کے سامنے ان کے آنگن میں کھلنے والی تھی۔ ورنہ دونوں بیٹوں کی اولادوں نے تو پرائے دیس میں آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ اپنی کوئی حسرت، کوئی تمنا پوری نہ کر سکی تھیں۔ اب انہیں موقع ملا تھا اور وہ اپنی ہر آرزو پوری کرتے ہوئے نشاء کے پاؤں بھی زمین پر نہ پڑتے دیکھ سکتی تھیں۔ شروع شروع میں نشاء بھی اکتائی اور گھبرائی رہی تھی لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کے اندر بھی ایک نیا احساس جاگنے لگا تھا۔

ممتا کا احساس و مرتبہ ہر رشتے سے بڑا اور پائیدار ہے۔ ہر طاقت سے قوی، دلوں، رشتوں، زمانوں کو تسخیر کر لینے والا اور سب سے بڑھ کر اس جنت کا احساس جو ان کے قدموں تلے اولاد کے لیے پوشیدہ ہے۔

نشاء، الحان سے بھی اسی محبت و توجہ کی متمنی ہو رہی تھی لیکن الحان خان کے قدم تو نہ جانے کس سمت تھے۔ اس کا دھیان ہی نہیں، اس کے احساسات بھی نئی سوچ و نئے عمل پر گامزن تھے۔ اسے اپنے اندر بہت کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ نشاء کی بدلتی کیفیات سے وہ بھی اکتانے لگا تھا۔ نشاء کا اس کے ساتھ رویہ کبھی وہی جاں نثاری والا ہوتا اور کبھی وہ طنز و شک بھرے انداز میں اس کا خیر مقدم کرتی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ باپ بننے کے خوبصورت احساسات سے غافل سا ہوا جا رہا تھا۔ اسے اس یادگار دور میں نشاء کے قریب رہنے کی خواہش کی بجائے اس سے دوری کے بہانے تلاش کرنے کی سعی کرنا پڑ رہی تھی۔ وہ اپنے دوستوں میں زیادہ

وقت گزارنے لگا تھا۔ گھر سے بے توجہی رافیہ ہی نہیں، سبھی محسوس کر رہے تھے۔

نشاء اپنے والدین کے گھر رہنے گئی تھی۔ اب اسے ڈلیوری تک وہیں رہنا تھا۔ الحان اب رات کو بھی دیر سے آتا تھا۔ ایسے میں رافیہ کے خیالی وسوسے سعدہ آذر اور الحان کے گرد گردش کرتے رہتے۔ الحان سے ان کا یقین اٹھنے لگا تھا۔ انہیں لگتا، الحان انہیں دھوکا دے رہا ہے اور اس دھوکے دہی کے لیے مجبور کرنے والی سعدہ آذر کی ذات تھی جو ان کے ذہن میں زہریلی سوچ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی تھی۔ رافیہ نے اسے جس قدر خود سے دور کرنے کی کوشش کی تھی، وہ اسی قدر ان کے حواسوں پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ سعدہ آذر سے بڑھتی نفرت کے باوجود احساسِ شکستگی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اپنے احساسات میں گھر کر انہیں فرحان خان کا بھی خیال نہیں رہتا تھا کہ وہ کاروبارِ دنیا سے ریٹائرمنٹ لے کر کس قدر پژمردہ رہنے لگے ہیں۔ بڑھاپے کی وہ بیماریاں جو قوتِ مدافعت سے زیادہ قوتِ ارادی سے زیر رہتی تھیں، اب ان پر حاوی ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

رافیہ کو اب صرف الحان کی مصروفیات کھٹکتی تھیں کیونکہ نشاء کے علاوہ اس کے گھر والے بھی الحان کی عدم توجہی کا شکوہ کر چکے تھے۔ الحان، نشاء کے وہاں جانے کے بعد بہت کم اور رسمی انداز میں گیا تھا۔ آج بھی نشاء نے فون کر کے الحان کے بارے میں پوچھا تھا کیونکہ وہ گزشتہ تین دن سے اس کی طرف نہیں گیا تھا۔ کل سے فون بھی نہیں کیا تھا اسی لیے وہ آج اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔

نشاء ان کی پسندیدہ بہو تھی جسے انہوں نے بہت مان و محبت سے مانگا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ الحان کی کسی کوتاہی سے انہیں نشاء یا اس کے خاندان کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے اسی لیے وہ بے چینی سے منتظر تھیں۔

رات کے ایک بجے الحان نے لاؤنج میں قدم رکھا تو ماما کو جاگتا پا کر وہ نہ صرف ٹھٹک گیا بلکہ فوراً بے چینی سے استفسار بھی کیا۔

"خیریت ماما؟ آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟ پاپا کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"تمہیں کیا، گھر میں کچھ بھی ہو، میں راتوں کو جاگوں یا سوؤں، تم اپنی دلچسپیوں میں مگن رہو۔ تمہیں ہماری کیا پرواہ ہے۔" رافیہ کا وہی جذباتی لہجہ تھا۔ الحان کو سمجھ آ گئی کہ وہ پھر اسے اپنی ممتا کے واسطے حق حقوق جتائیں گی۔

"افوہ ماما! میں اب دودھ پیتا بچہ تو نہیں ہوں۔ میری اپنی پرسنل لائف بھی ہے۔ خود کو کچھ ٹائم دے کر اگر میں تھوڑا خوش ہو جاتا ہوں تو آپ....." وہ جھنجھلاتا ہوا، بڑبڑاتا ہوا اپنے

کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

رافیہ پہلے تو اس کے جھنجھلائے انداز پر پیچ و تاب کھاتی اسے جاتا دیکھے گئیں۔ جب مزید صبر نہیں ہوا تو اس کے پیچھے لپکیں۔ وہ کندھے پر لٹکا کوٹ اپنے بیڈ پر پٹخ کر کچھ بے زاری سے شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا۔

''تمہاری پرسنل لائف اور خوشیاں اب نشاء کے ساتھ شیئر ہوتی ہیں۔ تم اسے اگنور کر کے کس کے ساتھ خوشیاں منا رہے ہو، یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

الحان نے مڑ کر اپنی ماما کو بدگمانیاں اگلتے سنا۔ وہ ان کا اشارہ سمجھتا تھا۔

''یہ آپ کی اپنی سوچ ہے۔ جس دن آپ اپنی ان سوچوں سے نکل آئیں گی، اس دن آپ بھی سکون میں آ جائیں گی اور میں بھی۔''

''مجھے تو سکون اس دن آئے گا، جس دن وہ چڑیل تمہاری اور میری جان چھوڑے گی۔ آخر تم اس جونک سے کب جان چھڑاؤ گے؟ جس دن نشاء اور اس کی فیملی کو بھنک بھی پڑ گئی تو جانتے ہو کیا انجام ہو گا؟'' رافیہ نے اسے نہ صرف ڈرایا بلکہ اپنی نفرت کا اظہار بھی مخصوص انداز میں کیا۔

''آخر تم کچھ دے دلا کر اسے فارغ کیوں نہیں کرتے۔ مفت کی دردسری مول لے رکھی ہے۔ تم میں ہمت نہیں ہے تو میں بات کرتی ہوں۔ وہ تو اس امید پہ بیٹھی ہو گی کہ کوئی پیش رفت ہو اور وہ اپنی قیمت بڑھائے۔ وہ میسنی ایسے ہی خاموش نہیں بیٹھی، موقع دیکھ کر بھاؤ بڑھائے گی۔''

رافیہ کا لہجہ ہی نہیں، چہرے کے تاثرات بھی بگڑے ہوئے تھے۔

''پلیز ماما! آپ بولنے سے پہلے سوچ لیا کریں کہ کیا کہہ رہی ہیں۔ وہ کوئی بازاری لڑکی نہیں ہے کہ اپنی قیمت وصول کرے گی۔'' غیر ارادی طور پر الحان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''تو اب تک کیا وصول کر رہی ہے تم سے وہ؟''

''میں اسے کچھ نہیں دے رہا۔ وہ اپنے ٹیلنٹ اور محنت سے لے رہی ہے۔ میں تو چاہوں بھی تو اسے کچھ نہیں دے سکتا حالانکہ میں اسے بھی تمام حقوق دے سکتا ہوں جو آپ نے اپنی پسندیدہ بہو کے لیے وقف کر رکھے ہیں مگر میں آپ کی خاطر، آپ کی خوشی کے لیے ایسا نہیں کرتا۔ پھر بھی آپ مطمئن نہیں ہوتیں۔ ماما! آخر آپ چاہتی ہیں کیا؟ آپ کیوں اسے مسئلہ بناتی ہیں جبکہ وہ ہمارے لیے مسئلہ ہے ہی نہیں۔''

''وہ مسئلہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ تم آج اس کی فیور کرتے ہوئے اپنی ماں کو باتیں سنا

رہے ہو۔ تمہارے دل میں اس کے لیے جو حسرتیں اٹھ رہی ہیں ناں، انہیں پوری کر لو، پھر دیکھنا کہ میں کیا کرتی ہوں۔'' وہ ایک دم بھڑک اٹھی تھیں۔

''میں کسی کی فیور نہیں کر رہا۔ بس آپ کو ٹینشن سے نکالنا چاہتا ہوں کہ اسے ذہن پر اتنا سوار نہ کریں۔ آپ کا اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے ماما!''

الحان نے حتی المقدور کوشش کی تھی کہ اس کی ماما کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے مگر وہ مزید بھڑک اٹھیں۔

''تو کیا وہ بدذات میرا مقابلہ کر سکتی ہے؟ تم اپنی ماں کا ایک کم ذات لڑکی سے مقابلہ کر رہے ہو۔ اس کی جو اوقات ہے، وہ میں تمہیں بھی اور تمہارے باپ کو بھی دکھا دوں گی۔ چند نوٹوں پر اپنا دین ایمان لٹانے والی لڑکی اب زیادہ دن تمہاری زندگی میں نہیں رہے گی۔ دیکھ لینا، تم سے اپنی ضرورتیں پوری کر کے وہ کیسے تمہیں رسوا کر کے جاتی ہے۔''

رات کے وقت ماں سے اس طرح الجھنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر رافیہ کی باتیں اور رکیک انداز اسے نہ صرف غصہ دلا رہے تھے بلکہ اس کا ضبط بھی ختم کر رہے تھے۔

''ماما! آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا کہ میں اسے کچھ بھی نہیں دے رہا ہوں۔ اسے مجھ سے کوئی غرض نہیں ہے۔''

''اسی لیے..... اسی لیے وہ بے غرض و بے مقصد تمہارے ساتھ دن رات گزارتی ہے..... اسی لیے تم مجھ سے، گھر سے، اپنی بیوی اور آنے والے بچے سے بے پرواہ ہوئے جا رہے ہو؟ تمہیں اس کی محرومیاں یاد ہیں اور خود تم ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہو۔'' رافیہ کسی طرح سنبھل نہیں رہی تھیں۔

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں اس کے ساتھ وقت کیوں گزارتا ہوں۔ سارا بزنس میں نہیں، وہ سنبھال رہی ہے۔ ماما! وہ ہماری اہم ضرورت ہے اس وقت۔''

الحان کو ماما کے سامنے اس طرح بات کرنا اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا مگر انہوں نے خود ہی اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ان کے احترام کو بھولنے پر مجبور ہو۔ اب اسے اپنے اونچا بولنے پر شرمندگی بھی ہو رہی تھی۔

''پہلے وہ تمہارے باپ کی ضرورت تھی اور اب تم اسے اپنی ضرورت محسوس کرنے لگے ہو۔ بہت خوب، باپ اور بیٹے کو ایک ہی ملی تھی اپنی..... اپنی.....''

رافیہ نے جس انداز میں بات کی تھی، اس انداز نے الحان کے جسم میں دوڑتے لہو کی حرارت کو سوڈگری تک پہنچا دیا تھا۔

"It's enough mama میرا خیال ہے مجھے یہاں سے چلے ہی جانا چاہیے ورنہ....."

بہت مشکل سے اس نے خود کو کسی گستاخی سے روکا تھا۔ بیڈ سے کوٹ اٹھا کر وہ کھلے گریبان کے ساتھ ہی باہر نکل گیا۔ دکھ کی تیز لہر اس کے رگ و پے میں اٹھی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ ماما کے شکوک وشبہات وقت کے ساتھ ختم ہو جائیں گے مگر وہ تو سعدہ خان سے دشمنی کی حدیں باندھ چکی تھیں۔ ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کا خود سے بھی تصادم شروع تھا۔ اس کی ماما خود ساختہ وہم وشک کا شکار تھیں۔ اس کا اندازہ اسے بہت پہلے ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ انہی کا ساتھ دیتا رہا۔ سعدہ خان کو زیر کرنے، اسے نیچا دکھانے کے منصوبے بناتا رہا۔ اس کے غلط رویوں اور حاکمانہ طرزِ عمل کے باوجود سعدہ خان نے کسی قسم کا ردِ عمل نہیں دکھایا تھا۔ وہ بہت ثابت قدمی سے حالات کا ہی نہیں، اس کا بھی سامنا کر رہی تھی اور یہ لوگ تھے مسلسل اسے اذیتیں دینے کی سوچ رہے تھے۔ کیا اس کی خاموشی کا یہ صلہ تھا؟ اس کی جانفشانی اور ایمان داری کا جواب یہ تھا کہ اسے رسوا کرنے کے منصوبے بنائے جاتے.....

رات کے ڈیڑھ بجے وہ بنا منزل کے بھٹکتا پھر رہا تھا۔ وہ جس طرف بے ارادہ جا رہا تھا، یہ اس کی منزل تھی یا نہیں، اس کی اسے خبر نہ تھی۔

☆=======☆=======☆

رات کے پونے دو بجے تیز اطلاعی گھنٹی کی آواز نے نہ صرف ماحول کو جھنجھوڑا تھا بلکہ سوئی ہوئی سعدہ خان کو بھی ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بے اختیار ہی نظر دیوار گیر گھڑی پر اٹھی تھی۔ آدھی رات کو اس کے دروازے پر کوئی ہنگامی انداز میں گھنٹی بجا رہا تھا۔ اس کے حواس تو مختل ہونے ہی تھے۔ کئی وہم وگمان اس کے لہو کے ساتھ گردش کرتے ہوئے اس کے ذہن کو بیدار کر رہے تھے۔ وہ کسی کی بھی آمد کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا چھوٹا بھائی زین رات ہی اس سے مل کر گیا تھا۔ شہر کے حالات جس قسم کے تھے، انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے سعدہ خان کے ذہن میں پہلا خیال جو آیا، وہ یہی تھا کہ زین کے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا؟ وہ نہ جانے گھر پہنچا تھا یا نہیں؟

اس خیال کے ساتھ ہی وہ ننگے پاؤں ہی سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ اس سے بھی پہلے سمک کی ممی ذکیہ آنٹی سیڑھیوں میں کھلنے والا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر آنے والے سے تفتیش کا آغاز کر چکی تھیں۔ الحان تین چار بار سعدہ کو چھوڑنے آ چکا تھا۔ ان میں باقاعدہ تعارف تو نہیں تھا۔ سعدہ نے پھر بھی انہیں اپنے اور الحان کے درمیان رشتے کے بارے میں

آگاہی دے رکھی تھی۔ پھر بھی وہ اپنی تسلی کی خاطر تفتیش کر رہی تھیں۔

"بیٹا! آپ کون ہو اور یہاں اس وقت؟"

"جی..... وہ..... مسز خان..... آئی مین، سعدہ خان میری مسز ہے۔ میں الحان ہوں۔ سعدہ نے بتایا تو ضرور ہو گا آپ کو۔"

الحان کی آواز پر سعدہ نہ صرف ٹھٹک گئی بلکہ الجھن میں مبتلا ہو کر آخری تین چار سیڑھیاں بھی اُتر کر سامنے آ گئی۔ ذکیہ آنٹی نے بھی اسے مڑ کر دیکھا۔

"سعدہ بیٹا! یہ تمہارے ہزبینڈ ہیں؟" انہوں نے سعدہ سے تصدیق بھی ضروری سمجھی۔

"ج..... ی؟..... جی، جی....." سعدہ کی آواز بمشکل نکلی تھی۔

الحان اسے سیڑھیوں میں لگے بلب کی روشنی میں حواس باختہ کھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس کے شکن آلود لباس، چہرے پر بکھری لٹیں، کشمکش سے لرزتے لب اور بے ترتیب دوپٹا اور ننگے پاؤں سبھی کچھ اس کی حیرت و پریشانی کا غماز تھے۔

"بیٹا! آئندہ اگر آنا ہو تو وقت کا خیال ضرور رکھنا۔ یہ شریفوں کا محلہ ہے۔ یہاں تمہیں کوئی نہیں جانتا مگر ہمیں سبھی جانتے ہیں۔ اندر آنا ہے تو آ جاؤ تاکہ میں دروازہ لاک کروں۔"

آنٹی ذکیہ کا انداز الحان کو اپنی غلطی کا احساس دلا رہا تھا۔ اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اس وقت سعدہ خان کے دروازے پر دستک دے کر خود سے زیادہ سعدہ کو پشیمانی میں مبتلا کر چکا ہے۔ وہ آنے کے لیے ہی آیا تھا اس لیے اندر آ کر کھڑا ہو گیا۔ سعدہ مسلسل استعجاب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آ..... پ..... اس وقت یہاں؟"

آخر کار ساری حیرتیں اس کے لہجے میں سمٹ آئیں۔ اس کی یہاں بے وقت آمد نے اس کے ذہن میں ہی نہیں، چہرے پر بھی الجھنیں ڈال دی تھیں۔

"اپنی پرابلم....."

سعدہ کا تیکھا لہجہ الحان کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے یہاں تک کا سفر بہت مشکل سے طے کر کے آیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی پذیرائی اسی طرح ہو گی پھر بھی وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا اسی لیے اپنے ترش انداز میں گویا ہوا۔

"مجھے کیا ساری وجوہات یہاں کھڑے ہو کر بتانا پڑیں گی؟"

سعدہ نے اسے مزید حیرت سے دیکھا پھر اس کی موجودہ حالت دیکھ کر اور ذکیہ آنٹی کو مطمئن کرنے کی خاطر خاموشی سے رخ پلٹ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ گویا یہ الحان کو اپنے پیچھے

آنے کا اشارہ تھا۔ ذکیہ آنٹی دروازہ مقفل کر کے اپنے دروازے سے اندر چلی گئی تھیں جبکہ الحان کچھ سوچتا ہوا سیڑھیاں چڑھتی سعدہ کی پشت پر لہراتی چوٹی کو تک رہا تھا۔ آخر گہری سانس کھینچ کر وہ بھی اس کے پیچھے لپکا۔ سیڑھیوں کے بعد چند فٹ کی راہداری عبور کر کے وہ اوسط درجے کے مختصر ساز و سامان سے آراستہ کمرے میں داخل ہوا۔

الحان کی پہلی نظر ہی اپنے اور سعدہ کے رہن سہن کے تضاد کا موازنہ کر چکی تھی۔ کمرے کے ایک طرف صوفہ کم بیڈ پڑا تھا جس پر بچھی سفید چادر شکن آلود تھی۔ سعدہ یقیناً یہاں سو رہی تھی۔ دائیں طرف دو صوفہ چیئرز بھی تھیں۔ درمیان میں میز پڑی تھی۔ بائیں جانب ایک دروازہ اور تھا جو بالکونی کی طرف کھلتا تھا اور وہی دروازہ چھوٹے سے گھر کے کچن اور دوسرے کمرے کی رہنمائی بھی کرتا۔ کمرے میں ایک کھڑکی بھی تھی جو کمرے کی فضا کو معتدل رکھنے میں معاون ثابت ہوتی تھی۔ کھڑکی کے قریب پڑی اسٹڈی ٹیبل اور چیئر بھی تھی۔ اس میز پر چند کتابوں اور اخبارات کے مختصر سے پلندے کے علاوہ لیمپ اور ریکارڈ پلیئر بھی پڑا تھا۔ کھڑکی سے اندر آتی چاند کی روشن چاندنی نے ماحول کو متاثر کن بنا رکھا تھا۔ کرسی پر بیٹھ کر گرم موسم کی ستاروں سے جگمگاتی رات کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ سعدہ نے دوپٹا درست کر کے ٹیوب لائٹ آن کی اور پھر اسے مڑ کر مخاطب کیا۔

''آپ نے بتایا نہیں کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی ہے اور وہ بھی اس وقت؟''

سعدہ کے ترش لہجے پر وہ اپنی محویت سے چونکا، پھر خود کو سنبھال کر بولا۔

''کیا مجھے اس گھر میں آنے کا حق نہیں ہے۔''

''حق؟ کیسا حق؟ آپ شاید بھول گئے ہیں کہ یہ آپ کی کمپنی کی ایک ملازم لڑکی کا گھر ہے جہاں آپ نے کبھی دن کے اجالوں میں قدم نہیں رکھا، وہاں آپ رات کے اندھیروں میں کس حق سے آئے ہیں؟''

الحان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کے تیکھے لہجے کو سنا پھر بیڈ پر ٹکتے ہوئے اطمینان سے اسے جواب دیا۔

''میں اس وقت کسی ملازم کے گھر نہیں، اپنی بیوی کے گھر پر موجود ہوں۔ کیا تمہیں اس حقیقت سے انکار ہے؟''

''حقیقت..... حقیقت تو اور بھی بہت کچھ ہے الحان صاحب، مگر اچھا ہے، وہ فریب قائم رہے جو ابھی تک قائم ہے۔'' الحان کا اطمینان سعدہ خان کو سچ مچ آگ لگا گیا۔

الحان اس کے رویے سے پہلی بار محظوظ ہو رہا تھا۔ سعدہ کو اس نے اس طرح بے بس کب دیکھا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے بیٹھے الحان کو ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال آئے۔

''میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔ آپ جس طرح آئے ہیں، اسی طرح واپس چلے جائیے ورنہ.....''

وہ سیلنگ فین کی ہوا سے اُڑتے دوپٹے کو سنبھالتی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کبھی الحان خان اپنا حق جتاتا اس کے گھر تک آ پہنچے گا۔ وہ اس شاطر مرد سے ابھی تو کیا، کبھی بھی کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی اور اس کا اپنا اندازہ بھی تھا کہ الحان مصلحتوں میں لپٹا ہوا ہے، اس لیے مجبوراً اپنے اور اس کے درمیان رشتے کو خاموشی سے برداشت کر رہا ہے لیکن آج اس کی زبان سے دعویٰ وابستگی سن کر وہ ششدر تھی۔ وہ زعمِ استحقاق میں بے خوف و خطر اس کے سامنے تھا۔ یہ بات سعدہ کو زیادہ پریشان کر رہی تھی۔

کیا یہ شخص مجھے رسوا کرنے کا کوئی نیا منصوبہ بنا کر آیا ہے..... اس کا ذہن اسی سوچ پر ٹھہرا تھا لیکن اس کی ساری حسیات الحان کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا اور اسے کچھ کہنے یا بتانے کے لیے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا ہی چاہتا تھا کہ سعدہ خان نے تیزی سے مڑ کر اسے درشتگی سے ٹوکا۔

''ڈونٹ ٹچ می الحان صاحب! جائیے، اپنے سارے حقوق اپنی بیوی سے جا کر منوائیے۔''

اس کے ایک جملے میں ہی الحان خان احساس کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔ سعدہ خان کی ایک بات میں وہ سارے شکوے، سارے گلے پوشیدہ تھے جو وہ کبھی بھی اپنی زبان سے نہ کہہ سکتی تھی حتیٰ کہ اس کی نگاہیں بھی جھوٹ بول دیتیں۔

''بیوی تو تم بھی میری ہو۔'' الحان نے اس بات سنجیدگی سے جتایا۔

''بیوی؟ وہ بیوی جسے دنیا نہیں جانتی، جس کی شناخت کے لیے آپ کا نام تک بھی استعمال نہیں ہوتا اور جسے رسوا کرنے کے لیے آپ نے یہ روش اپنائی ہے کہ رات کے اندھیروں میں اپنا حق جتانے آئے ہیں۔''

سعدہ خان کا یہ انداز اس کے لیے حیرت انگیز تھا۔ گزشتہ دو سال کی گھٹن تھی شاید جسے آج نکلنے کا راستہ ملا تھا۔

''سنو سعدہ خان! میں آج تمہیں تمہاری پہچان دینے آیا ہوں۔ پلیز، میرا یقین کرو، یہ

کوئی سازش نہیں ہے بلکہ زندگی کی بہت بڑی حقیقت ہے جسے میں نے کچھ دیر میں جانا ہے۔'' الحان نے اس کی آنکھوں میں لرزتی بدگمانی کو گرفت کرلیا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ نہ کوئی حق نہ کوئی عنایت۔ مجھے آپ سے وابستہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔''

''تمہارے چاہنے نہ چاہنے سے ہمارا رشتہ تو ختم نہیں ہو جاتا اور وہی رشتہ ہمیں ایک دوسرے سے وابستہ بھی کرتا ہے اور بہت سے حقوق بھی دیتا ہے۔''

الحان کے لہجے میں جو نیا پن تھا، وہ سعدہ خان کے لیے ناقابلِ برداشت ہوا جا رہا تھا۔

''مجھے شوق نہیں ہے کہ میں زبردستی اپنے حقوق منواؤں اور نہ ہی ضرورت ہے۔''

وہ سعدہ خان کو تپانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

''مگر مجھے تو شوق ہے کہ میں تم پر حق جماؤں۔ آفٹر آل، تم میری پہلی بیوی ہو۔''

الحان کے لب اس کی کیفیت پر مزید گداز ہوئے۔ اب سے پہلے اس کے دل میں ایسا سرور کب اُترا تھا۔

''شٹ اَپ.....! بند کیجیے یہ تماشہ! آپ کیا سمجھتے ہیں، اس قسم کی ڈرامہ بازی سے آپ مجھے گھیر لیں گے؟ یہ آپ کی بھول ہے۔ میری خاموشی کو میری کمزوری مت سمجھیے۔ آپ کے چہرے پر جمی یہ خاندانی شرافت کی نقاب کھینچ کر میں ایک منٹ میں آپ کا اصلی چہرہ سب کو دکھا سکتی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم ایسا کر سکتی ہو مگر ایسا کرو گی نہیں..... کیوں؟ کیونکہ ایسا کرنے سے تم خود بھی جواب دہی کے عمل سے گزرو گی اور ابھی تم اس پوزیشن میں نہیں ہو۔''

الحان کے گداز لبوں کی مسکراہٹ سعدہ خان کو زہر لگی تھی۔ وہ زچ ہو کر پوچھنے لگی۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''چاہتا تو بہت کچھ ہوں مگر..... فی الحال آج رات یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔ شاید اگلے دن تک..... اور ابھی ابھی ایک کافی کا کپ گرم گرم۔'' الحان کی مسکراتی آنکھیں اسے نئی کہانی سنا رہی تھیں۔

''شہر میں ہوٹلز اور کافی شاپس کی کمی تو نہیں ہے جو آپ آدھی رات کو مجھے تنگ کرنے چلے آئے ہیں۔'' سعدہ خان کی آنکھوں نے جوابی حملہ کیا تھا۔ الحان مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی اور اسے گھور رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں، تمہارے لیے یہ خلافِ توقع ہے۔ میرے لیے بھی بہت مشکل تھا

یہاں تک آنا مگر..... کچھ فیصلے، کچھ عمل خود بخود سرزد ہو جاتے ہیں۔ دل کو کچھ یقین سا تھا کہ میں یہاں ایک رات گزارنے کی اور ایک کپ کافی کی طلب ظاہر کروں گا تو تم پوری کر دو گی۔''

ان کی خاموشی ہی ان کی زبان بنی ہوئی تھی۔ الحان کی ڈھٹائی دیکھ کر سعدہ خان پیچ و تاب کھا کر کمرے سے نکل گئی۔ کیونکہ الحان سگریٹ لبوں میں دبا کر اپنے بوٹوں کے تسمے کھول کر اس کے بستر پر براجمان ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سعدہ خان جس ہستی کا نام ہے، اسے تسخیر کرنے میں بہت وقت درکار تھا۔ وہ تب تک نہ جھکے گی، جب تک کہ اسے الحان کی اچانک امڈ پڑنے والی محبت پر یقین نہ آ جائے گا۔ الحان اسے یقین دلانے کے لیے اب ہر آزمائش کے لیے تیار تھا۔

سعدہ خان کچن میں اس کے لیے کافی بناتے ہوئے متضاد کیفیات کا شکار تھی۔ وہ الحان کی آمد کو کسی نئی سازش کا حصہ ہی سمجھ سکتی تھی۔ اس نے ہمیشہ الحان اور اس کی ماما کی آنکھوں میں اپنے لیے انتقامی جذبہ سا دیکھا تھا۔ رات کے اس وقت ہنگامہ آرائی کر کے وہ سمک اور اس کی ممی کو کچھ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے خاموش اور سپاٹ تاثرات کے ساتھ اس نے کافی بنا کر اسے لا تھمائی۔

الحان نے اس کے بے تاثر چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا۔ وہ تجربہ کار مرد تھا۔ عورت کو موم کرنے کے سب حربے جانتا تھا لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سعدہ خان نظروں سے پگھلنے والی عورت نہ تھی۔ الحان کی آمد و موجودگی اسے متزلزل نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کے اعتماد و غرور سے اچھی طرح واقف تھا۔

اس پورشن کا دوسرا کمرا ہوادار نہیں تھا۔ گرمی کے موسم میں وہاں رہنا دشوار اور ناممکن تھا پھر ابھی سعدہ خان نے وہاں پنکھا بھی نہیں لگوایا تھا۔ وہ اپنے لیے ایک چادر اور تکیہ اٹھا لائی۔ سعدہ نے قالین پر تکیہ اور چادر پٹختے ہوئے زیرو پاور کا بلب جلا کر ٹیوب لائٹ آف کی اور آ کر قالین پر بیٹھ گئی۔

''میں ابھی جاگ رہا ہوں۔ لائٹ آن کرو اور میری بات سنو۔''

''میں سو رہی ہوں۔ مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔''

الحان کی مصلحت آمیز گفتگو اسے کھولا رہی تھی اور اس سے زیادہ اپنی بے بسی.....

''اچھی میزبان ہو، گھر آئے مہمان کو جاگتا چھوڑ کر خود سو رہی ہو۔ صبح سنڈے ہے۔ تم دیر تک سو سکتی ہو۔''

الحان نے اٹھ کر خود ٹیوب آن کی۔ سعدہ کا رویہ جیسے اب اس کے لیے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا تھا۔

''میں نے کسی کو اپنے گھر پر آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔''

''جبکہ تمہیں یہ دعوت مجھے بہت پہلے دینا چاہیے تھی۔'' وہ دوبارہ سے صوفہ کم بیڈ پر آ کر نیم دراز ہوتا ہوا بولا۔

''آخر آپ کی اس قسم کی حرکتوں کا مطلب کیا ہے؟ اب آپ مجھ سے کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہیں؟ کیا میرے لیے اتنی سزا کم نہیں کہ میں سب سے کٹ کر یہاں پڑی ہوں اور آپ یہاں بھی میرا سکون برباد کرنے چلے آئے ہیں..... اگر یہ سب اس نام نہاد رشتے کے زعم میں ہو رہا ہے تو میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے رشتے اور تعلق پر اور نہ ہی مجھے آپ کی فرم میں کام کرنے کا شوق ہے۔ نہیں چاہیے مجھے ایسی جاب جس کے لیے مجھے اتنا ذلیل ہونا پڑ رہا ہے۔ میں کوئی کٹھ پتلی نہیں ہوں جسے آپ جب چاہیں گے، نچا لیں گے۔''

وہ غصے سے پھٹ ہی تو پڑی۔ الحان پہلی بار اس کے اندازِ تخاطب پر حیران تھا۔

''میں تم سے انتقام لے رہا ہوں، کس بات کا؟ اگر ایسا ہوتا تو کیا میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرتا؟ نہیں..... بلکہ اسی رات خود پر کی گئی زیادتیوں کا بدلہ لے چکا ہوتا۔''

''آپ کے ساتھ میں نے کیا زیادتیاں کی ہیں؟ ذرا یاد کیجیے الحان صاحب، زیادتی آپ کی طرف سے ہوئی تھی۔ اگر میں بحالت مجبوری نکاح کے لیے راضی نہ ہوتی تو آپ میری رسوائی کے اشتہار لگوا دیتے۔ آپ کی اور آپ کی ماما کی منشا بھی تو یہی تھی مگر آپ اپنے جال میں خود ہی پھنس گئے۔''

سعدہ غصے میں بولتے بولتے استہزائیہ ہنسی بھی۔ الحان لب بھینچے اسے سن اور دیکھ رہا تھا۔

''سنو سعدہ خان! ہم میں ساری غلط فہمیاں، عدم اعتماد کی وجہ سے ہیں۔ اگر تم مجھ پر اعتماد کرو تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ فی الوقت یہ یاد رکھو کہ اگر تمہیں میں نے اپنے آفس سے الگ کرنا ہوتا تو ہم میں وہ بندھن ہی استوار نہ ہوتا جس کے توسط سے میں آج یہاں تمہارے کمرے میں موجود ہوں۔ میں مانتا ہوں میں نے غلطی کی تھی مگر میری غلطی اتنی بڑی نہیں تھی کہ تم اس طرح بی ہیو کرو۔'' الحان نے سنجیدگی سے اپنی بات کہتے ہوئے اسے اس کے رویے کا احساس دلایا۔

''ہر انسان کو اپنا گناہ غلطی ہی لگتا ہے۔ یہی تو خود فریبی ہے۔ بہر حال آپ کا یہاں چند گھنٹوں کا قیام پہلی اور آخری بار ہونا چاہیے۔ آئندہ میں آپ کو اپنے گھر میں دیکھنا نہیں

چاہوں گی۔''

سعدہ نے زور سے چادر جھاڑ کر اپنے وجود پر پھیلائی اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''تم عورتوں کو اپنے گھروں پر کتنا مان اور زعم ہوتا ہے جبکہ گھر تو مردوں کی وجہ سے سجتے اور گھر بنتے ہیں۔ ماما کو دیکھو، وہ اپنی مرضی اور حکم کے بغیر اپنے گھر میں پتہ بھی ہلتا نہیں دیکھ سکتیں، اور تم ہو تو..... ویسی ہی ہو۔ آخر مرد بے چارہ اپنی مرضی پوری کرنے کہاں جائے؟''

''ہمارے معاشرے میں ننانوے فیصد مرضی تو آپ مردوں کی ہی چلتی ہے۔ صرف ایک فیصد عورت اپنی چلا لیتی ہے تو شور کیوں اٹھتا ہے؟''

''نہیں، میں شور نہیں مچا رہا ہوں، اپنی بے بسی کا بتا رہا ہوں۔''

''مجھے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے، میں سو رہی ہوں۔''

''میری موجودگی میں سو سکو گی؟''

الحان نے ذو معنی بات کہی تو سعدہ نے اسے اپنے مخصوص انداز میں دیکھا۔

''یہ فکر آپ کو اپنے بارے میں کرنی چاہیے۔ یہ میرا اپنا گھر ہے جہاں مجھے تو سکون کی نیند آ جائے گی، آپ کا پتا نہیں۔''

''سکون رخصت ہوتے دیر کیا لگتی ہے۔'' الحان نے لیٹ کر کروٹ لی۔

''ہاں، ان کا..... جن میں حوصلہ اور اعتماد نہیں ہوتا۔'' سعدہ نے گردن تک چادر کھینچی۔

''حوصلے اور اعتماد ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔''

''بعض لوگ چٹان ہوتے ہیں۔'' سعدہ خان کی بولتی آنکھیں اس کے ہر سوال کا جواب تھیں۔

''جذبوں کا آتش فشاں ہر چٹان کو پگھلا دیتا ہے۔''

''سعدہ خان وہ چٹان نہیں جو آتش فشاں سے پھٹ سکے۔''

''خود پر اتنا زعم اچھا نہیں ہے۔''

''تو کیا غلط ہے میرا زعم؟''

چند لمحوں میں ہی سعدہ خان نیند کی آغوش میں تھی۔

ایک کسک، ایک چبھن سی الحان نے اپنے سینے میں محسوس کی۔ سعدہ خان کی بے نیازی اور پُر اعتمادی پر پہلی بار اسے رشک آیا۔ اگر وہ اس کی جگہ پر ہوتا تو کبھی کا لڑکھڑا گیا ہوتا مگر وہ مردانگی سے لیٹی تھی۔ اس کی سانسوں کا ترنم فضا میں ہلکا سا ارتعاش پھیلا رہا تھا۔ وہ اس کی سانسوں کے مترنم زیر و بم سے مسحور ہو رہا تھا۔ اس کے تمام جذبوں نے ترنم کی چادر اوڑھ لی

تھی۔ انجانے جذبوں نے پہلی بار اس کے وجود میں نیا انوکھا احساس اجاگر کیا تھا۔ سعدہ خان کو ہمسفر کرنے کی خواہش شدت سے پیدا ہوئی تھی لیکن اسے ہمسفر بنانے کے لیے سعدہ خان کا اعتماد جیتنا بھی ضروری تھا۔

پھر سعدہ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کا خواب دیکھنے کے لیے وہ بھی نیند کی وادی میں اُتر کر گیا۔ انجانی مسرتوں کے سوتے چہرے پر سرخی و مسکراہٹ بن کر پھوٹ رہے تھے۔ نئی جگہ نئے ماحول اور غیر آرام دہ بستر کے باوجود وہ پُرسکون تھا۔

☆=======☆=======☆

رافیہ اس کے گھر سے نکلنے کے بعد سے جلے پیر کی بلی کی طرح چکراتی پھر رہی تھیں۔ الحان کا رویہ، اس کی خودسری انہیں مزید اعصابی تناؤ کا شکار کر گئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وہ سعدہ کی حمایت میں اس طرح گھر چھوڑ کر نکل کھڑا ہوگا۔ وہ اسے سعدہ سے جس قدر دور کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، وہ ساری کوششیں ناکام ہو رہی تھیں۔

نشاء کا ڈلیوری ٹائم قریب تھا اور وہ رات ہی ہاسپٹلائز ہو چکی تھی۔ رافیہ اپنے غصے میں الحان کو اطلاع ہی نہیں دے سکی تھیں۔ اس کے گھر سے نکلنے کے بعد سے وہ مسلسل اس سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی کرتی رہی تھیں مگر الحان کا موبائل آف تھا اور نہ ہی اس کے کسی دوست کے پاس سے اس کی کوئی اطلاع ملی تھی، اسی لیے ان کا شک یقین میں بدل چکا تھا کہ وہ ضرور سعدہ کے پاس گیا ہوگا۔ یہی خیال، یہی احساس انہیں چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ بہت مشکل سے انہوں نے آخر شب نیند کی گولیوں کا سہارا لے کر اپنے بڑھتے اضطراب پر قابو پانے کی کوشش کی تھی لیکن یہ کوشش بھی صرف وقتی تھی۔

☆=======☆=======☆

دس ساڑھے دس کا درمیانی وقت تھا جب الحان کی آنکھ یک دم ہی کھلی گئی۔ احساسات میں خوشگواری اور ہلکا پن ہونے کے باوجود خود کو نئے ماحول اور نئی جگہ میں دیکھ کر جھٹکا سا لگا تھا۔ پھر جیسے اسے سب یاد آیا۔ اپنے گھر سے سعدہ خان کے در تک آنے کی کشمکش اور پھر یہاں آ کر سعدہ خان کا پُرعزم و پُراعتماد رویہ اور اپنا عزمِ صمیم..... سعدہ کو محبت سے تسخیر کرنے کی لگن ابھی بھی اس کے ذہن و دل میں قائم و دائم تھی۔

بیڈ پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی نگاہ اندرونی دروازے پر مرکوز کر دی۔ اسے توقع تھی کہ سعدہ ادھر سے ہی برآمد ہوگی اور چند لمحوں بعد ہی وہ بلیک ساڑھی میں ملبوس شفاف چہرے کے ساتھ اندر آتی دکھائی دی۔ اس کی گود میں ڈیڑھ دو سالہ گول مٹول سا بچہ تھا اور اس

کی ٹانگوں سے لپٹی ایک چار سال کی بچی بھی تھی۔ الحان نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

سعدہ نے اسے اٹھ کر بیٹھے دیکھ لیا تھا اور اس کی حیرت بھی پڑھ لی تھی۔

''یہ سمک کے بچے ہیں۔ آپ کو فریش ہونا ہے تو ادھر سے اندر چلے جائیں لیفٹ پر واش روم ہے۔ آؤ نینی، اسے نیچے دے کر آتے ہیں۔''

الحان کچھ کہے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بچوں کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اٹھ کر واش روم تک جاتے ہوئے الحان کے ذہن میں اپنے شکن زدہ لباس کا بھی خیال تھا۔ رات وہ بغیر منصوبہ بندی کے آنے پر آئندہ کے لیے بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

فریش ہو کر وہ دوبارہ کمرے میں آیا تو بیڈ، صوفے میں بدل چکا تھا۔ اس کی رسٹ واچ، موبائل، سگریٹ کا پیکٹ اب سامنے میز پر اخبار کے اوپر پڑے تھے۔ اپنے گھر کی سہولیات کا عادی ہونے کے باوجود اسے یہاں اس چھوٹے سے کم آسائشوں والے گھر میں وقت گزارنا اچھا لگ رہا تھا۔ اپنے احساسات و جذبات کی تبدیلی اسے حیرت کے ساتھ خوشی بھی دے رہی تھی۔ سعدہ خان سے کھنچاؤ کی وجہ اب اسے سمجھ آ گئی تھی۔

اس نے میز سے اخبار اٹھایا ہی تھا کہ سعدہ ناشتے کے لوازمات ایک بڑی ٹرے میں لیے آ گئی۔ جام، مکھن، ٹوسٹ، آملیٹ اور ابلے انڈے میز پر رکھتے ہوئے ناراضگی بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''آئی ڈونٹ نو، آپ کس قسم کا ناشتہ کرتے ہیں؟ مجھے تو یہی سمجھ آیا ہے، سو.....'' وہ میز پر تمام اشیاء رکھ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

الحان کی آنکھوں کے ساتھ لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ سعدہ کا گھریلو انداز خاصا دلکش تھا۔

''ڈونٹ وری، میں اسی قسم کا ناشتہ کرتا ہوں۔''

''اس وقت بھی کافی پئیں گے یا چائے بنا لاؤں؟''

''میں صبح کو چائے ہی پیتا ہوں۔''

الحان کی مسکراہٹ کا اس نے کوئی نوٹس نہ لیا اور اپنے اسی سپاٹ موڈ کے ساتھ واپس مڑ گئی۔ الحان نے ہاتھ میں پکڑے اخبار کی سرخیوں پر نگاہ دوڑانا شروع کر دی۔ وہ واپس آئی تو الحان کو اخبار پڑھتے دیکھ کر اسے متوجہ کیا۔

''یہ ناشتہ آپ کے لیے ہی رکھا گیا ہے ٹھنڈا کرنے کے لیے نہیں۔''

''میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ جب تک میزبان موجود نہ ہو، مہمان کیسے.....''

''فضول باتیں کرنے سے بہتر ہے، ناشتہ شروع کریں۔ مجھے ابھی فارغ ہو کر روفی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔'' اس کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ جلدی ناشتہ کیجیے اور نو دو گیارہ ہو جائیے۔

''کون روفی.....؟'' اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے استعجاب ظاہر کیا۔

''سمک کا بیٹا ہے۔ سمک ابھی عدت میں ہے، اس لیے وہ باہر نہیں جاتی اور آنٹی ذکیہ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اس لیے مجھے جانا ہے۔'' سعدہ نے کافی وضاحت سے جواب دیا۔ سعدہ اس کے سامنے کشن پر بیٹھ چکی تھی اور خود ناشتہ بھی کرنے لگی تھی۔

''میں لے چلوں گا۔'' الحان چاہتا تھا، کسی بھی طرح اس کے ساتھ تعلقات سازگار ہو جائیں۔

''نو تھینکس! میں خود جا سکتی ہوں۔ آپ اب اپنے گھر جائیے۔ میڈم اور آپ کی وائف یقیناً آپ کے رات بھر غائب رہنے سے پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' سعدہ نے اسے احساس دلانا چاہا۔

''نئی بات نہیں ہوگی۔'' الحان نے ٹوسٹ پر جیم اور مکھن کی تہہ لگائی۔

''اٹس مین، آپ پہلے بھی راتوں کو گھر سے غائب رہ چکے ہیں؟'' سعدہ کی سنجیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

''تمہیں فکر کیوں ہے؟'' الحان کی دلچسپ مسکراہٹ اس سے بہت کچھ سننے کی متمنی تھی۔

''مجھے کیا فکر ہوگی، البتہ میڈم ضرور سمجھتی ہوں گی کہ آپ ادھر ہوں گے۔''

''ہاں، سمجھتی تو ہیں مگر جب انہیں اگلے دن ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کہاں تھا تو وہ ریلیکس ہو جاتی ہیں۔'' الحان نے سچائی سے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے، اب انہیں آپ کی یہاں موجودگی کے بارے میں علم ہوگا تو پھر عذاب مجھی پر نازل ہوگا۔''

الحان اس کے تلخ لہجے میں کہی بات کو سمجھ کر قدرے حیران ہوا۔

''ماما تم سے ملتی رہتی ہیں۔ کیا کہتی ہیں؟''

''فون کرتی رہتی ہیں وہ۔ کبھی آفس میں اور کبھی امی کے گھر پر۔ اور کیا کہتی ہیں، یہ آپ کو بھی معلوم ہے۔ یہاں کا نمبر اور ایڈریس شاید انہیں معلوم نہیں ہے مگر اب یقیناً معلوم کر لیں گی۔ پلیز سر، یہاں آئندہ آنے کی زحمت مت کیجیے گا۔ آپ اپنی دنیا میں خوش رہیے۔ مجھے

میری دنیا میں خوش رہنے دیجیے بلکہ یہ قصہ ہی ختم کیجیے۔ نہ ہی مجھے آپ کے آفس میں کام کرنے کا شوق ہے اور نہ ہی اب مجھے اس نام نہاد رشتے کی ضرورت ہے۔ یہ معاملہ جتنی جلدی اور خاموشی سے حل ہو جائے، یہ صرف میرے لیے ہی نہیں، آپ کے لیے بھی بہتر ہوگا۔''

سعدہ کا سرد و سپاٹ اکھڑ لہجہ الحان کے لیے نیا نہیں تھا، پھر بھی اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ رسمِ وفا نبھانے کی پہل کرنے آیا تھا اور سعدہ قطع تعلق کرنے کا حتمی انداز اپنائے ہوئے تھی۔

الحان چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے کچھ دیر دانستہ خاموش رہا۔ پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا، تمہیں آفس سے الگ کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ جب تک تم ایگریمنٹ ٹائم پورا نہیں کرتیں، میں تمہیں کہیں اور کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا اور رہی ہمارے رشتے اور تعلق کی بات تو اس کے بارے میں پھر بات کریں گے۔ ابھی اگر تم ریڈی ہو تو اٹھو، آج میں تمہیں شاپنگ کروانا چاہتا ہوں۔''

''وہاٹ۔'' سعدہ کو جیسے جھٹکا لگا۔ اس کے ہاتھ برتن سمیٹتے ہوئے ذرا اوپر کو رکے تھے۔

الحان نے اپنی چائے ختم کر کے کپ میز پر رکھتے ہوئے وضاحت سے کہا۔

''شاپنگ کے لیے کہہ رہا ہوں میں تمہیں۔ مجھے اپنی ذمے داری کا دیر میں خیال آیا ہے تو یہ تمہاری غلطی بھی ہے۔''

الحان کا بدلا ہوا جتاتا لہجہ سعدہ کو مزید مشتعل کر رہا تھا۔

''مجھے اس عنایت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود شاپنگ کرتی رہتی ہوں۔ مجھے کسی کی ذمے داری بننا پسند نہیں ہے۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''تم پسند کرو نہ کرو، تم پھر بھی میری ذمے داری رہو گی، جب تک ہمارا نکاح قائم ہے۔''

''یہ سارے ڈائیلاگز جا کر اپنی بیوی سے بولیے۔ وہی حق دار ہیں آپ کے شوق پورے کرنے کی۔''

سعدہ برچھی سی مار کر کمرے سے نکل گئی۔ الحان کھڑا سلگتا رہ گیا۔ سعدہ نے اسے ہمیشہ غلط سمجھا تھا۔ کچھ سوچتا ہوا وہ اس کے پیچھے گیا۔ سعدہ کچن میں سنک کے آگے کھڑی برتن دھونا شروع تھی۔

''اگر تم حق کی بات کرو گی، تمہیں اپنے ساتھ زبردستی لے جانے کا حق بھی مجھے ہے۔''

سعدہ اس کی برہم آواز پر چونک کر مڑی۔

''کیا؟ کیا کہا آپ نے؟ کس پر جتائیں گے آپ حق؟ کون جانتا ہے کہ میرا آپ سے کچھ رشتہ ہے؟ اگر میں ہی کسی رشتے، کسی تعلق سے منکر ہو جاؤں؟ جتا سکیں گے آپ مجھ پر کوئی حق؟ کر سکیں گے زبردستی؟ جائیے الحان صاحب! عزت سے جا کر اپنے گھر میں بیٹھیے اور مجھے بھی عزت سے جینے دیں ورنہ.....''

سعدہ کا وہی مخصوص انداز اس کی آنکھوں کا فاتحانہ خمار الحان کو سٹپٹانے پر مجبور کر گیا۔ سعدہ نے سر جھٹک کر رخ واپس موڑا اور پھر سے اپنا کام کرنے لگی۔ الحان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

''مسز، تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، میں تمہیں تمہارے تمام حقوق دینے آیا ہوں جو مجھ پر فرض ہیں.....''

''رئیلی؟ لیکن میں تو خود کو آپ کا قرض دار سمجھتی رہی ہوں۔''

سعدہ نے تمسخرانہ لہجے میں اس کی بات کاٹی۔ الحان ضبط کی کوشش میں لب بھینچ کر رہ گیا۔

''آئی تھنک، ہمیں پچھلی باتیں بھلا کر نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرنا چاہیے۔ تم اس حقیقت سے بے شک منکر رہو لیکن میں جانتا ہوں، تمہیں میری ضرورت ہے۔ تمہیں میری عدم موجودگی یہاں، وہاں، ہر جگہ کس قدر غیر محفوظ کر رہی ہے، اس کا اظہار و اعتراف چاہے تم نہ کرو، پھر بھی مجھے سب کچھ علم ہے۔ میں اس دنیا سے الگ تو نہیں رہتا۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک عورت کو تنہا زندگی گزارتے دیکھ کر ہمارے معاشرے کے ذہن کس نہج پر سوچتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں کیا کیا ہوتا ہے۔ یہ سب تم سے بھی پوشیدہ تو نہیں ہوگا۔''

الحان خان کا پُر اعتماد لب و لہجہ سعدہ کو دنگ کر گیا۔ وہ حیرت زدہ تھی کہ خود انا و انتقام کی فضا میں سانس لینے والا مرد آج معاشرے کے بے رحم رویے کا گہرائی سے تجزیہ کرتے ہوئے اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت وہ یکسر مختلف الحان خان نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر جو احساسات و جذبات تھے، وہ سعدہ خان کو بے یقینی کے ساتھ پریشانی بھی دے رہے تھے۔

''میرا راستہ چھوڑیں۔ آج سنڈے ہے۔ ڈاکٹر جلدی اٹھ جائے گا۔ آپ سے پھر کبھی بات ہوگی۔'' سعدہ نے اس سے اپنی جان چھڑانا چاہی۔

''رئیلی؟ پرامس؟'' الحان نے خوشگواریت سے اسے دیکھا اور پھر صلح جو انداز میں اس

کی طرف اپنا دایاں ہاتھ بھی بڑھایا جسے سعدہ نے نظر انداز کر دیا۔

''شیور! کیونکہ بات یہاں ''ضرورت'' کی ہے اور میں اس پر تفصیلی گفتگو کرنا چاہوں گی مگر اس وقت میں جلدی میں ہوں اور آج کے دن مجھے اور بہت سے کام بھی نمٹانا ہوتے ہیں اس لیے پلیز.....'' سعدہ نے اسے پھر راستے سے ہٹنے کو کہا۔

''مجھے منظور ہے۔ آئی ایم شیور، بات چیت سے ہی ہمارے مسائل حل ہوں گے۔''

الحان خوش و مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اور سعدہ ساڑھی کا پلو کندھوں کے گرد لپیٹتی وہاں سے نکل کر کمرے میں آ گئی۔

پھر دیر ہو جانے کی وجہ سے مجبوراً اسے الحان کے ساتھ سمک کے بیٹے روفی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا پھر وہی اسے ڈراپ کر کے گیا تھا۔

سعدہ اس کی آمد اور رویے سے بہت الجھن محسوس کر رہی تھی۔ الحان سے نمٹنے کے لیے اسے بہت سوچ بچار کی ضرورت تھی۔

☆=======☆=======☆

''میں یہ کیا سن رہا ہوں حنی؟''

وہ گھر لوٹا تو اس کی طلبی فرحان خان کے حضور ہوگئی۔ کچھ دنوں سے ان کی طبیعت مضمحل رہنے لگی تھی۔ وہ بزنس سے کیا الگ ہوئے تھے، دنیا کے کئی معاملات سے بھی جیسے الگ ہو گئے تھے۔ رافیہ کا رویہ بھی ان کے ساتھ عجیب اور ناقابلِ فہم سا رہتا تھا۔ شاید ان ہی نے اس کی شکایت کی تھی۔ وہ ان کے پہلے سوال سے ہی کچھ کچھ اندازہ لگا چکا تھا اس لیے وہ فوراً ہی ذہن میں بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

''کیا بات ہے پاپا! کیا سنا ہے آپ نے؟'' وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''تم رات بھر گھر سے غائب رہے ہو، تمہاری ماما کہہ رہی ہیں کہ تم آج کل کسی کے چکر میں ہو۔''

''کس کے چکر میں ہوں۔''

اس نے انجان بنتے ہوئے اپنے پاپا کو آزمایا کہ انہیں کس طرح کی معلومات پہنچائی گئی ہیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا، اس وقت اس کی کسی بات یا وجہ سے انہیں کوئی تکلیف و صدمہ پہنچے۔

فرحان خان پہلے نیم دراز تھے۔ اس سے بات کرنے کی غرض سے کمر کے پیچھے تکیہ لگا کر سیدھے ہو کر بیٹھے اور پھر اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''حنی!..... عمر کے جوانی والے دور میں انسان غلطیاں زیادہ کرنے لگتا ہے۔ اسے

اپنے سوا ہر کوئی غلط اور برا دکھائی دیتا ہے، خصوصاً نصیحت کرنے والا فرد..... لیکن شکر ہے کہ ہمارے معاشرے میں ابھی اولاد پر والدین کے حقوق بھی قائم ہیں اور والدین اپنی اولاد کو غلط سمت جانے سے روکنے کی ہمت بھی رکھتے ہیں۔ تمہاری ماما نے تمہیں کئی بار سمجھایا ہے۔''

فرحان خان اپنے مخصوص، دھیمے اور ٹھہرے لب و لہجے میں اس سے مخاطب تھے۔

الحان کو پھر بھی ان سے ہلکا سا خوف محسوس ہوا۔ وہ ہمیشہ سے ان کے رعب میں تھا۔

''وہ مجھے بھی انفارم کرتی رہی ہیں مگر میں سمجھتا تھا کہ وہ اپنی شکی فطرت سے مجبور ہو کر تھوڑے کو بہت زیادہ کر کے بتاتی ہیں۔ میں بھی اس لیے خاموش تھا کہ لڑکوں کی لائف میں انجوائے منٹ کے نام پر چند ایک مشاغل محدود مدت کے لیے آتے ہیں اور شادی کے بعد تمام مشاغل ختم ہو جاتے ہیں مگر اب مجھ تک بھی کچھ خبریں پہنچی ہیں۔''

فرحان خان نے سانس لینے کے لیے توقف کیا مگر الحان کی سانس سینے میں ہی اٹک گئی۔

''ک..... کیسی خبریں پاپا؟'' وہ بمشکل آواز نکال سکا۔

''اگر تمہارا انٹرسٹ سعدہ خان میں تھا تو یہ تمہیں پہلے ہی سوچنا چاہیے تھا۔ نشاء کے معاملے میں تمہارے ساتھ زبردستی تو نہیں ہوئی تھی۔ یہ شادی تمہاری پسند اور مرضی سے ہوئی تھی۔ اب اس سے بے اعتنائی اور تغافل کیسا..... جانتے ہو، تمہاری اس روش سے کس قدر الجھنیں پیدا ہوں گی؟''

الحان خان اپنے پاپا کے سبھی اشارے سمجھ رہا تھا۔ نشاء سے مرضی اور پسند کی شادی کا سن کر اسے خود ہی حیرت ہوئی۔ یہ بات بھی یقیناً ماما نے ان سے کہی تھی۔ نشاء سے شادی کرنے میں اس کی رضامندی ضرور شامل تھی مگر پسند کرنے کی بات بالکل غلط تھی۔ اس نے ماما کی پسند پر سر جھکایا تھا جس کا اب اسے پچھتاوا ہونے لگا تھا۔

''پاپا! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''ہاں.....! مجھے سعدہ خان کو اس دن یہاں دیکھ کر کچھ غلط فہمی ہوئی تھی۔ مجھے گمان گزرا تھا کہ تم دونوں شاید ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہو گئے ہو مگر..... پھر تمہارے رویے نے اور نشاء سے شادی کی ضد نے مری سوچوں کا رخ پلٹ دیا۔ حالانکہ میں نے سعدہ سے تمہاری شادی کا فیصلہ کر لیا تھا مگر تمہاری ماما نے بتایا کہ تم نشاء کے ساتھ شادی کے لیے بضد ہو۔ پھر اب یہ سب کیا ہے؟ تمہارے قدم سعدہ کی طرف کیوں بڑھ رہے ہیں؟ حتیٰ! تم اب میرڈ لائف گزار رہے ہو۔ ایک آدھ دن میں باپ بھی بن جاؤ گے۔ اپنی ذمے داریاں سمجھو۔ مجھے یہ بھی

اطلاع ملی ہے کہ سعدہ خان بھی شادی کر چکی ہے پھر اب یہ.....؟

شریف اور خاندانی لوگوں کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں اور نہ ہی ہم تمہیں اپنے خاندان کو بدنام کرنے کی اجازت دیں گے۔ مجھے سعدہ خان پر بھی بے حد افسوس ہے۔ میں نے اس کے بارے میں بہت غلط اندازے لگائے تھے۔ اس جیسی ایمان دار لڑکی سے مجھے اس بات کی توقع نہیں تھی۔''

''پاپا.....! پاپا! آپ کو ساری خبریں بھی غلط ملی ہیں اور آپ کو بہت زیادہ غلط بریف کیا گیا ہے۔ سعدہ خان سے کبھی میرا ایسا کوئی تعلق نہیں رہا کہ مجھے کسی کے سامنے شرمسار ہونا پڑے یا آپ گلٹی فیل کریں۔ اگر وہ ہماری کمپنی کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہے تو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ لوگ اسی لیے پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں اس دن سعدہ کو یہاں دیکھ کر آپ کو شاک لگا تھا اور ماما نے تو ہنگامہ ہی کر دیا تھا۔ مگر بابا! آپ ذرا سچائی سے سوچیں، اگر آفس کے کسی ورکر کو بھی میرے ایکسیڈنٹ کی خبر دی جاتی تو کیا وہ میرے لیے نہیں آتا؟ اگر سعدہ آ گئی تھی تو اس میں شرمناک بات کیا تھی؟ آپ تو جانتے ہیں اسے۔ آپ ہی نے اسے اپائنٹ کیا تھا۔ وہ ایک پُراعتماد اور مضبوط کردار کی لڑکی ہے۔ اسے لوگوں کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلے مجھے بھی اس کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں تھیں مگر اب اس کے ساتھ کام کر کے مجھے خود سے ہی شرمندگی ہونے لگی ہے۔ پلیز پاپا! آپ بھی کسی کی کہی باتوں کو دل سے نہ لگائیں۔''

''اور نشاء سے لاتعلقی جو ہے تمہاری، اسے تم حق کہو گے یا.....''

رافیہ اس کے خاموش ہوتے ہی فوراً سامنے آ کر بولیں۔ وہ کب سے اس کے پیچھے کھڑی اس کی لمبی چوڑی وضاحت سن رہی تھیں۔ سعدہ کے لیے اس کی حمایت دیکھ کر ان کی برہمی پھر عود کر آئی تھی۔

''میں نے نشاء کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اب اگر وہ اپنے گھر چلی گئی ہے تو میں اب ہر وقت اس کے ساتھ تو بندھا نہیں رہ سکتا۔ یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں اس کی اس قسم کی فرمائشیں پوری نہیں کر سکتا۔'' الحان نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا۔

''تم جو کر چکے ہو، میں وہ بھی اچھی طرح جانتی ہوں لیکن حتیٰ! یاد رکھو، تمہاری کسی بھول، کسی غلطی کو ہم قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ آئندہ جو بھی قدم اٹھانا، سوچ سمجھ کے اٹھانا۔ سوسائٹی میں ہماری کوئی عزت ہے، مقام ہے۔ تمہاری وجہ سے اگر مجھے کوئی شرمندگی اٹھانا پڑی تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

ان کے الفاظ میں چھپی دھمکی وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس وقت وہ انہیں کیا کہتا۔ معاملہ نمٹانے کی خاطر بولا۔

''میں پہلے ہی پاپا سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا، جس پر آپ لوگوں کو شرمندگی ہو۔ بہرحال ماما! آپ پاپا کو ریلیکس کرنے دیں۔''

''تمہیں خبر ہے، نشاء ہاسپٹلائز ہوگئی ہے۔'' رافیہ نے اسی تلخی سے اسے اطلاع دی۔

الحان نے خود کو سنبھال کر مصلحت آمیز رویہ اپنایا۔

''میں ابھی فریش ہو کر چلا جاتا ہوں۔ اگر آپ کو چلنا ہے تو آپ بھی فریش ہو لیں۔''

الحان نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔

نشاء نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ رافیہ تو بیٹے کی توقع کر رہی تھیں لیکن قدرت کے فیصلے پر کس کا زور ہے۔ بہرحال وہ مطمئن تھیں اور ان کا اطمینان الحان کی نشاء کے پاس مسلسل موجودگی کی وجہ سے برقرار تھا۔

الحان کا رویہ کافی حد تک نارمل تھا جبکہ نشاء بیٹی کی ماں بن کر بھی نازاں و شاد ماں تھی۔ الحان کی مسلسل اپنے پاس موجودگی پچھلی کدورتوں کو کم کرنے میں معاون تھی۔ نشاء جتنے دن ہاسپٹل رہی، الحان باقاعدگی سے اس کے پاس چند ایک گھنٹے گزارتا رہا تھا۔ نشاء سے اس کا کوئی بڑا اختلاف نہیں تھا۔ نہ ہی وہ نشاء سے ناروا رویہ برت کر اسے کوئی سزا دینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا اپنی زندگی کے اہم فیصلے میں غلطی اسی کی تھی اور اس غلطی کو سدھارنا بھی اسی کو تھا۔ وہ نشاء کو صحت یاب ہو کر گھر آنے کے بعد اپنے اور سعدہ خان کے بارے میں بتانے کا ارادہ رکھتے ہوئے مطمئن تھا لیکن نشاء ہاسپٹل سے فارغ ہو کر اپنے والدین کے ساتھ چلی گئی تھی۔

رافیہ کے سارے ارمان دل میں رہ گئے تھے۔ وہ چاہتی تھیں کہ نشاء ان کے گھر میں رہے مگر وہ ضد کر کے اپنی ممی اور ڈیڈی کے ساتھ گئی تھی۔ رافیہ کو اس میں بھی الحان کا ہی قصور نظر آ رہا تھا۔ وہ بات بات پر اس سے الجھ پڑتی تھیں مگر وہ ان سے الجھنے کی بجائے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ ویسے بھی ان دنوں اسے سعدہ خان کی کشش کھینچتی رہتی تھی۔ آفس میں تو سعدہ کا نولفٹ والا رویہ کچھ بھی کہنے سننے کی ہمت نہیں دیتا تھا۔ الحان ویسے بھی امیج کانشس تھا۔ وہ اپنے کسی بے تاب رویے سے اس کی ناراضگی بھی نہیں بڑھانا چاہتا تھا اس لیے ویک اینڈ کا انتظار شدت سے کر رہا تھا۔ نہ جانے اسے کیوں گماں تھا کہ سعدہ خان کی محبت آخر اسی کا نصیب ہوگی اسی لیے وہ ویک اینڈ پر شام کے بعد لدا پھندا سعدہ خان کے گھر داخل ہوا تھا۔ اسے ڈھیروں سامان کے ساتھ دیکھ کر سعدہ خان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''آ..... پ..... یہاں یہ سب کیوں لے کر آئے ہیں؟ آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں کہ میں آپ کی آمد افورڈ نہیں کر سکتی۔ آپ مجھے سکون سے رہنے دیں گے یا نہیں؟''

سعدہ کی تلخی اگرچہ اس کے رگ و پے میں اُتری تھی مگر وہ ضبط کر گیا تھا۔ سعدہ کے ایسے رویے کے لیے وہ اسے حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ سعدہ خان جیسی ہستی اس پر اتنی جلدی اعتبار کر بھی کیسے سکتی تھی الحان نے خاموشی سے تمام سامان صوفے پر رکھا۔ سعدہ کو اس کی خاموشی مزید تپا گئی۔

''میں آپ سے کچھ فرما رہی ہوں سر!''

''یار، سانس تو لینے دو۔ اتنی سیڑھیاں چڑھ کر آ رہا ہوں اور تم.....''

''ناٹ کال می 'یار'! انڈر اسٹینڈ؟''

الحان کا یار کہنا جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ سعدہ کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ الحان وہیں صوفے پر بیٹھا تھا۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے اس کا سرخ چہرہ دیکھا۔

''سوری، سوری مسز، میں تمہیں مسز تو کہہ سکتا ہوں۔'' الحان اس کی ناراضگی سے محظوظ ہوا۔ ''اچھا، بیٹھو اور میری بات سنو۔''

''پلیز سر، مجھے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور مت کریں۔''

''اس سے کس کو فائدہ ہوگا؟ پلیز، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارے ساتھ لائف شروع کرنا چاہتا ہوں۔''

''مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔'' وہ اسی غصے سے بولی۔

''غصے سے نہیں آرام و سکون سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا بلکہ اپنی امی سے بھی مشورہ کر لینا۔ ویل، جب تک ہمارے درمیان یہ رشتہ قائم ہے، تم مجھے یہاں آنے سے نہیں روک سکتی ہو۔''

''میں اپنے فیصلوں میں خود مختار ہو چکی ہوں اور آپ کو یہاں آنے سے روکنے کے لیے میڈم کو صرف ایک کال کرنا پڑے گی۔''

''اوکے، تمہارا جو دل چاہے، وہ کر لینا مگر ابھی مجھے ایک گلاس پانی، ایک کپ کافی چاہیے۔ اس کے بعد ڈنر..... ڈنر کے لیے اگر باہر چلو تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ اس ویک تم پر اسٹریس زیادہ رہا ہے۔ آئی تھنک، تمہیں فریش ہونے کی ضرورت بھی اتنی ہے۔'' الحان نے اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اپنی مسکراہٹ بکھیری۔ سعدہ کے غصے سے وہ حظ اٹھا رہا تھا۔

ڈونٹ کیئر می.....''

''تو تم میری کیئر کرو، مجھے اچھا لگے گا۔''

سعدہ نے اس کی ہٹ دھرمی دیکھ کر وہاں سے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ اس کا رویہ نا قابلِ فہم ہی نہیں نا قابلِ برداشت بھی ہو رہا تھا۔ اس کی ہٹ دھرمی، دھونس اور رعب اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ آفس میں تو دونوں کے درمیان سابقہ بے گانگی و سرد مہری رہتی تھی البتہ الحان یہاں ہر ویک اینڈ پر اس کا ضبط آزمانے آجاتا تھا یا پھر وہ اپنا حوصلہ آزما رہا تھا۔

سعدہ اس کے موجودہ رویے سے بدگماں و بے یقین تھی۔ الحان کی پیش قدمی کے باوجود وہ اس کی طرف ایک انچ بھی نہیں بڑھی تھی اور نہ ہی اسے بڑھنے کی اجازت دے رہی تھی۔ الحان شاید اس کی ثابت قدمی سے ہی متاثر ہو رہا تھا۔

☆=======☆=======☆

نشاء واپس آچکی تھی۔ رافیہ نے بہت شان دار قسم کا جشن منایا تھا۔ اصل میں وہ الحان کو بہت کچھ باور کرانا چاہ رہی تھیں۔ انہیں علم ہو گیا تھا کہ الحان سعدہ سے ربط بڑھانے کی کوششوں میں ہے اور وہ بار بار اسے وارننگ بھی دے رہی تھیں کہ وہ پلٹ آئے۔ وہ نشاء کی حق تلفی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ سعدہ کو بھی فون پر دھمکیاں دیتی رہتی تھیں۔ انہوں نے تو سعدہ کے سائے سے اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کی تھی۔ اب بیٹا اسی کا گرویدہ ہو رہا تھا جو ان کی قوتِ برداشت سے بڑھ کر تھا۔ وہ نشاء کو خبر ہونے سے پہلے پہلے اس معاملے کو ختم کرانا چاہتی تھیں اسی لیے وہ سعدہ تک پہنچنے کے ذرائع ڈھونڈ رہی تھیں۔

الحان شہر سے باہر کسی دوست کی شادی میں گیا ہوا تھا۔ ایسے میں رافیہ کو سعدہ تک پہنچنے میں آسانی ہو گئی تھی۔

وہ ویک اینڈ کی شام ہی تھی جب وہ سعدہ کے چھوٹے سے گھر میں بہت نخوت سے داخل ہوئی تھیں۔ اس کے گھر کا جائزہ بھی انہوں نے اسی نخوت اور تمسخر سے لیا تھا۔ سعدہ خان ان کی آمد کی وجہ جاننے کے لیے بے حد حیران تھی۔ خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتے ہوئے اس نے انہیں بہت احترام سے بیٹھنے کی پیش کش کی۔

''بیٹھیے میڈم!'' سعدہ نے آداب میزبانی نبھائے۔

صوفے پر رونی لیٹا سو رہا تھا۔ اسے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنا چاہا تو وہ مچل گیا۔ مجبوراً سعدہ نے اسے کندھے سے لگا کر تھپکا۔

اس بار رافیہ کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔ ایک شدید جھٹکا ان کے وجود کے ساتھ

ذہن کو بھی ہلا گیا۔ سعدہ کے کندھے سے لگا بچہ ایک پل میں ان کے سارے شکوک و خدشات سچ ثابت کر گیا تھا۔ الحان نے ان سے جھوٹ بولا تھا کہ اس کا سعدہ کے ساتھ کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ ان کا دل چاہا کہ سعدہ سمیت الحان کو بھی شوٹ کر دیں لیکن آج انہیں بہت ضبط سے کام لینا تھا۔ وہ الحان کی زندگی سے سعدہ خان کو ہمیشہ کے لیے نکال دینے کا ارادہ لے کر آئی تھیں۔ اور اپنے ارادے کی تکمیل انہیں سوچ سمجھ کر کرنی تھی، جذبات سے نہیں۔

''ویسے تو یہاں میرے لائق بیٹھنے کی جگہ ہی نہیں ہے لیکن جب میں ایسے چھوٹے سے گھر میں آ ہی گئی ہوں تو بیٹھنا بھی گوارہ کر ہی لیتی ہوں۔ تم سے آج فیصلہ کن بات بھی تو کرنی ہے۔''

رافیہ کے اہانت آمیز لہجے میں اپنے ارادوں کا عزم بھی جھلک رہا تھا۔

''باتیں تو ہوتی رہیں گی، آپ کافی لیں گی یا کولڈ ڈرنک؟'' سعدہ نے بھی اپنے حوصلے کو آزما کر پھر سے آدابِ میزبانی نبھائے۔

''میں تمہارے اس گھر میں کچھ پینے نہیں آئی، تم سے بات کرنے آئی ہوں۔''

ان کا انداز ہنوز برقرار تھا۔ سعدہ سامنے صوفہ چیئر پر ٹک گئی۔

''تم نے میرے بیٹے کو جس طرح پھانسا ہے، اس سے تمہاری چالاکی اور مہارت کا اندازہ تو ہو جاتا ہے لیکن یاد رکھو، تم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ تمہیں الحان سے وہ نہیں مل سکتا جس کے خواب لے کر تم جیسی مڈل کلاس لڑکیاں ہماری دنیا میں آتی ہیں۔ نہ عزت، نہ سوسائٹی میں مقام اور نہ ہی گھر جائیداد..... اپنی تمام تر چالاکی اور مہارت سے کھیلنے کے باوجود ہار تمہارے ہی حصے میں آئے گی اس لیے میں تم سے آج آخری بار کہنے آئی ہوں، اب تک الحان سے جو حاصل کر چکی ہو، اسی کو غنیمت جانو اور ہماری زندگی سے نکل جاؤ۔''

سعدہ نے بہت خاموشی سے انہیں سنا تھا۔ اس کے چہرے سے اس کے تاثرات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا البتہ رافیہ کی بات سنتے ہوئے اس کے رونی کو تھپکتے ہاتھ ضرور رک گئے تھے۔

''میڈم، آپ بھول رہی ہیں کہ میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں بلکہ آپ کے بیٹے نے مجھے پھانسا ہے اور یہ حقیقت آپ پر اول روز سے آشکارا تھی بلکہ آپ ہی کی شہ پر تو آپ کے سپوت نے وہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا۔''

سعدہ سے رافیہ کا انداز برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں دیکھتی تلخی سے

گویا ہوئی۔ الحان سے وابستگی اس کی مجبوری ضرور رہی تھی لیکن ایسی بڑی بھی مجبوری نہ تھی کہ اس کی عزتِ نفس سے کھیلا جاتا اور وہ چپ چاپ رہتی۔

رافیہ نے قدرے حیرت سے اس کے تاثرات ملاحظہ کیے۔

''تم الحان کی ذرا سی بھول کی اور کتنی قیمت لوگی؟ آج کھل کر بتادو، میں تمہیں منہ مانگی قیمت دوں گی، پھر اس کے بعد تمہاری صورت بھی ادھر نظر نہیں آنی چاہیے، سمجھیں؟'' انہوں نے اپنا موقف پھر دہرایا۔

''کیا دیا ہے آپ کے بیٹے نے مجھے؟ اور کیا دے سکتی ہیں آپ مجھے؟'' سنعہ کے احساسات چٹخنے لگے تھے۔

''الحان نے تمہیں جو کچھ دیا ہوگا، اس کا حساب کتاب رہنے دو۔ میں تمہیں اتنا دوں گی کہ تم جیسی مڈل کلاس لڑکی تصور بھی نہیں کرسکتی۔ مگر میری شرط ایک ہی ہے، جس خاموشی سے تم حتی کی زندگی میں موجود ہو، اسی خاموشی سے تم اس کی زندگی سے نکل جاؤ ورنہ.....''

''بہت خوب، تو آپ یہاں مجھ سے اپنے بیٹے کا سودا کرنے آئی ہیں؟''

''نہیں میں تم سے تمہاری قیمت پوچھ رہی ہوں۔''

''پلیز میڈم.....'' سنعہ نے انہیں مزید کچھ کہنے سے پہلے ٹوکا۔ ''کیا آپ یہاں یہ معاملات طے کرنے اپنے بیٹے کے مشورے سے آئی ہیں؟''

سنعہ کو الحان کے موجودہ رویے میں جو سچائی نظر آئی تھی، رافیہ کی آمد اور باتوں سے وہ فریب نظر لگنے لگی تھی۔

''مجھے کسی سے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اولاد اور اپنے گھر کے فیصلے میری مرضی سے ہوتے ہیں۔ تم بتاؤ، حتی کی خلاصی کرنے کی تم نے کتنی قیمت سوچ رکھی ہے؟ میں تمہیں تمہاری سوچ سے بڑھ کر دینے کو تیار ہوں۔ یہ بلینک چیک ہے، اسے اپنی مرضی کے فگرز سے پُر کر کے کیش کرالینا اور طلاق کے کاغذات پر دستخط کردینا۔''

''کیا؟.....طلا.....ق.....؟ اوہ آئی سی.....!''

سنعہ کو جیسے اب ساری بات سمجھ میں آئی تھی۔ رافیہ صرف اسے دھمکانے نہیں آئی تھیں، پوری پلاننگ کے ساتھ آئی تھیں۔

''میڈم رافیہ خان، یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔ آپ کے گھر کا میٹر نہیں ہے جسے آپ اپنی مرضی سے سولو کرسکتی ہیں۔ ویسے تو مجھے آپ جیسے سازشی لوگوں کے ساتھ رشتے داری رکھنے کا بالکل شوق نہیں ہے لیکن فی الحال میں اس معاملے میں مجبور ہوں۔ آپ کی خواہش

پوری نہیں کرسکتی۔ جائیے، اپنے بیٹے سے کہیے، شاید وہ آپ کی خواہش پوری کردے بلکہ یقیناً وہ آپ کی خواہش پوری کرے گا کیونکہ اس نے ہمیشہ آپ ہی کی خواہشات کا احترام تو کیا ہے۔''

سنعہ کا مخصوص انداز رافیہ کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ وہ یک دم ہی اپنی جگہ سے اٹھیں۔

''تم اپنی اوقات سے باہر ہو رہی ہو۔ یاد رکھو، تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ میں اگر چاہوں تو ابھی اسی وقت تمہیں سب کے سامنے بے نقاب کرسکتی ہوں۔ ابھی اگر میں لوگوں کو بتادوں کہ تم میرے بیٹے کے ساتھ ناجائز طور پر ہو تو..... پھر کیا کروگی تم؟'' انہوں نے اسے ڈرانے کی کوشش کی تھی۔

''آپ سے اور آپ کے بیٹے سے مجھے اسی قسم کی توقع ہے، لیکن یاد رکھیے، مجھ سے زیادہ ذلت آپ لوگوں کو اٹھانا پڑے گی۔ میرے پاس اصل نکاح نامہ بھی ہے اور دنیا کے سامنے آپ کے بیٹے کے خلاف بولنے کی ہمت بھی۔ جائیے، آپ کو جو کرنا ہے، شوق سے کیجیے۔''

سنعہ نے انہی کے انداز میں انہیں لاجواب کیا تھا۔ وہ فوراً ہی سنبھل گئیں۔

''جذبات سے نہیں، ہوش سے کام لو۔ میں تمہیں اپنے ذاتی بینک بیلنس سے اتنا کچھ دوں گی کہ تمہیں پھر کبھی زندگی میں نوکری کے بہانے کسی کو پھانسنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی بلکہ اپنے لیے نیا شوہر خریدنے میں بھی تمہیں دقت نہیں ہوگی۔'' رافیہ کے لہجے میں حد درجہ نخوت و تمسخر سمٹ آیا تو سنعہ کا ضبط جواب دے گیا۔

''آپ کی سوسائٹی میں رشتے نوٹوں سے خریدے اور بیچے جاتے ہوں گے۔ آپ ہر عورت کو اپنی سوسائٹی کا حصہ نہ سمجھیں۔ پلیز آپ یہاں سے چلی جائیں ورنہ میں کوئی گستاخی کر بیٹھوں گی۔'' سنعہ نے انہیں باہر کا راستہ دکھایا۔

''یہاں ٹھہرنے تو میں بھی نہیں آئی۔ یہ بلینک چیک چھوڑے جارہی ہوں، آرام سے سوچ سمجھ کر غور کرنا اور پھر فیصلہ کرنا۔ ایسا گولڈن چانس تمہیں پھر نہیں ملے گا۔'' رافیہ نے کھڑے کھڑے اپنے بیگ سے چیک بک نکالی اور چیک کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا۔ خلافِ طبیعت ان کا ضبط قابلِ دید تھا۔

''اس گولڈن چانس کو آپ اپنے لیے سنبھال کر رکھیے۔ اس کی ضرورت مجھ سے زیادہ آپ کو نظر آرہی ہے۔'' آخر ان کا رویہ سنعہ کو بھڑکانے میں کامیاب ہوگیا۔

''شٹ اَپ! اپنی اوقات میں رہو۔'' وہ بھی بھڑک اٹھیں۔

''مجھے اپنی اوقات یاد ہے۔ آپ ہی اپنے اسٹینڈرڈ سے نیچے آئی ہیں۔ اگر آپ اپنے بیٹے کا سودا کرنے ہی آئی ہیں تو آپ بتائیے، آپ اپنے بیٹے کی قیمت کیا لیں گی؟''

''تمہاری اتنی ہمت..... تم مجھ سے میرے بیٹے کی قیمت پوچھ رہی ہو؟''

''آپ بھی تو مجھ سے میرے شوہر کی قیمت پوچھ رہی ہیں۔ یہ ہمت آپ ہی نے مجھے دی ہے۔'' سعدہ ان کے چیخنے پر زیرِلب مسکرائی۔

''تم جیسی گھٹیا خاندان کی لڑکی کو شوہر کی قدر و قیمت معلوم بھی ہے؟ تم جیسی لڑکیاں تو جب موقع ملے، شوہر بدل لیتی ہیں بلکہ شوہروں کی موجودگی میں ہی دسیوں کو پیچھے لگایا ہوتا ہے۔ پہلے تم نے فرحان خان کو پھانسا تھا۔ اسے میں نے تمہارے چنگل سے نکالا تو تم نے اسی کے بیٹے کو شکار کر لیا۔ مزید نہ جانے کس کس کو نشانے پر رکھا ہوگا۔ بات کرتی ہو شوہر کی قیمت کی..... ذلیل عورت، تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم سے بہتر تو طوائف ہوتی ہیں جو.....''

''بس..... بس میڈم، میری شرافت کا اور امتحان مت لیجیے۔ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جائیے۔ آپ کا خاندان کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے، یہ آپ کے اندازِ گفتگو سے ہی عیاں ہو رہا ہے۔ جائیے، الحان خان کو طلاق کے کاغذات دے کر بھیج دیجیے گا۔ میں سائن کر دوں گی اپنی جان کا صدقہ سمجھ کر..... اور سنیے، اپنا یہ چیک سنبھال کر رکھیے۔ شاید آپ کو اپنے لیے کسی کو خریدنے کی ضرورت پڑ جائے، کام آئے گا۔'' سعدہ نے گود میں پڑے رقم کو اٹھا کر صوفے پر لٹایا اور پلٹ کر رافیہ کو قدرے غصے اور طیش میں جواب دیا تھا۔

رافیہ سے اس کا لہجہ برداشت نہ ہوا تو دو قدم بڑھ کر اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔

سعدہ ہونق بنی ان کا ردِعمل دیکھے گئی۔ اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ وہ کب اس کے گھر سے دندناتی ہوئی چیک اس کے پیروں میں پھینک کر چلی گئیں۔

سعدہ کو یک دم ہی شدید بے بسی کا احساس ہوا تھا۔ وہ وہیں کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس کا گال ہی نہیں، پورا وجود توہین و ذلت کی آگ سے سلگ اٹھا تھا۔ آنسوؤں کی پھوار بھی اس آگ کو کم نہ کر پا رہی تھی۔

اب سے پہلے وہ اس قدر شکستہ کب ہوئی تھی.....

اب سے پہلے اس نے خود پر سے اختیار کب کھویا تھا۔ رافیہ خان نے اس کی انا و خود داری کو زخمی کر دیا تھا۔ اس کے اوپر کیچڑ اچھال کر انہوں نے اسے میلا کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ مصلحتاً چپ رہی تھی تو وہ سمجھ رہی تھیں کہ اپنی غرض پوری کرنے کے لیے خاموش تھی۔ رافیہ کے تھپڑ نے، ان کے سلگتے لفظوں اور گھٹیا الزامات نے اس کی روح کو بے چین کر دیا تھا۔ اس نے کبھی کچھ طلب نہیں کیا تھا۔ الحان خان سے وابستگی کا اقرار و اعلان بھی اس کے لیے بے معنی تھا، پھر بھی وہ اسے سرِعام رسوا کر گئی تھیں۔ اسے ایسا درد دے گئی تھیں جس کا مداوا دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایسے جنگل میں گھری ہے جہاں کانٹوں کی سرزمین ہے اور پگھلتے سورج کا آسمان ہے۔ فاصلوں کی رہگزاریں اتنی طویل تھیں کہ برسوں، صدیوں کی مسافت بھی ان فاصلوں کو پاٹنے میں مددگار نہ لگ رہی تھی۔

سمک اس کے رونے کی آواز پر اوپر بھاگی چلی آئی تھی۔ وہ الحان اور اس کے درمیان قائم رشتے اور اس کی وجوہات سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ بہت مشکل سے وہ سعدہ کو سنبھالنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اپنے آنسو پینے کے بعد سعدہ نے بھی اپنی ہمتیں جمع کر کے ایک فیصلہ کیا تھا۔ ایک عزم اس کے لہجے اور چہرے سے چھلک رہا تھا۔

''سمک، اگر اب الحان خان آئے تو اس سے کہنا، میری اور اس کی ملاقات اب کورٹ میں ہوگی۔''

سمک نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ اس کا انتہائی فیصلہ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ منجمد ہو گیا تھا۔ وہ جانتی تھی، اب سعدہ خان سمجھ جانے والی پوزیشن سے دور نکل گئی ہے، سو وہ اس کی ہمت ہی بندھاتی رہی۔

☆=======☆=======☆

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل سعدہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ادھر سے کوئی رسپانس ہی نہیں مل رہا تھا۔ وہ آج شام ہی اپنے دوست کی شادی سے تین دن کے بعد واپس آیا تھا۔ راستے میں ہی اس نے آفس فون کر کے سعدہ سے بات کرنا چاہی تھی مگر اسے معلوم ہوا تھا کہ سعدہ بنا اطلاع کے، پچھلے دو دن سے آفس سے غائب ہے۔ تبھی اسے بے چینی ہوئی تھی کہ کہیں وہ بیمار نہ ہو یا پھر اس کے گھر میں کوئی بڑا مسئلہ نہ کھڑا ہو گیا ہو ورنہ وہ غیر ذمے داری کا ثبوت کبھی نہ دیتی۔

گھر آ کر فریش ہونے کے بعد سے وہ سعدہ سے رابطہ کر رہا تھا مگر ادھر سے کوئی فون ہی نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس وقت نشاء حسبِ معمول اپنے والدین سے ملنے گئی ہوئی تھی ورنہ اس کی اس قدر بے چینی اس کے لیے مزید مشکلات پیدا کر دیتی۔ ابھی تو اسے سعدہ کے حوالے سے

سخت بے تابی تھی کہ وہ کدھر ہے؟ اس کے بارے میں جاننے کے لیے وہ اسی وقت جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ اپنے موبائل پر آخری کوشش کر رہا تھا کہ رافیہ بے دھڑک چلی آئیں۔

''آتے ہی پھر کہاں جانے کی تیاری ہے؟''

الحان نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ان کی اس طرح آمد نے اسے غیر معمولی احساس دیا تھا۔

''کیوں؟ آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے؟'' اس نے سرسری طور پر پوچھتے ہوئے بیڈ کے سرے پر باری باری پاؤں رکھتے ہوئے اپنے جوتوں کے تسمے باندھے۔

رافیہ نے صوفے پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے اس کی بے چینی بھانپی۔ اندرونی طور پر تو وہ بھی بے حد بے چین تھیں۔

''ہاں، کام تو ہے، مگر.....''

''کیا کام ہے؟ میں ابھی ایک دو گھنٹے میں واپس آتا ہوں۔''

اس کا عجلت بھرا انداز رافیہ کے ماتھے پر لکیریں بڑھا گیا۔

''آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو۔ نشاء آ گئی تو بات بڑھ جائے گی اور میں چاہتی ہوں، بات بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔''

''پلیز مام اس وقت میں جلدی میں ہوں، اس ٹاپک پر پھر بات کروں گا۔ ابھی مجھے ایک دوست سے ضروری ملنا ہے۔''

''دوست.....؟ وہ حرافہ تمہاری دوست کب سے بن گئی؟'' رافیہ کا سلگتا لہجہ اسے مزید چونکا گیا۔

''ماما! آپ کی لینگویج کیسی ہوتی جا رہی ہے؟ آفٹر آل، وہ آپ کی بہو ہے۔'' الحان نے قدرے سرد مہری سے انہیں بہت کچھ باور کرانا چاہا۔

''بہو.....؟ وہ کم ذات نیچ گھر کی لڑکی میری بہوؤں کی جوتی کے برابر بھی ہے؟ اور تم جو خواب دیکھنے لگے ہو، وہ کبھی پورے نہیں ہو سکتے، انڈر اسٹینڈ؟'' وہ جذباتی ہو گئیں۔

''میں کوئی خواب نہیں دیکھ رہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں کہاں جا رہا ہوں تو مجھے روکنے کی وجہ؟'' الحان کا لہجہ اس بار تیکھا ہو گیا۔

''وجہ ہے تو تمہیں روکا ہے۔ اگر وہاں جانے کا ایسا ہی شوق ہے تو یہ لو، یہ بھی ساتھ لے جاؤ۔'' رافیہ نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نامکمل طلاق نامے کے کاغذات بڑھائے۔

''یہ، یہ کیا ہے؟'' الحان نے نا سمجھتے ہوئے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

''تمہارے اور اس چڑیل کے ڈائیورس پیپر۔''

''وہاٹ.....؟ ماما! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''جو تم سن رہے ہو۔ جاؤ اور اس سے یہ پیپر سائن کروا لاؤ۔ آئندہ میں تمہیں اس کے قریب جانے کی اجازت نہیں دوں گی۔''

''امپاسبل ماما! میں ایسا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔'' الحان کا رویہ یک دم ہی پلٹا تھا۔

''ایسا تو تمہیں کرنا پڑے گا حتی! وہ دو ٹکے کی لڑکی ہمارے خاندان کے قابل نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ اس کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ بہتر ہے، تم خود ہی میرے فیصلے کو آرام سے مان جاؤ ورنہ.....'' رافیہ نے غصے میں دانت پیسے۔

''آپ جانتی ہیں، میں ایسا نہیں کر سکتا، پھر اس ضد کا فائدہ؟''

''یہ میری ضد نہیں، میرا حکم ہے۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تم جانتے ہو، میں اس کے ساتھ تمہارا بھی وہ حشر کروں گی کہ یاد رکھو گے۔'' ان کے دبے دبے غصے میں بھی طوفان چھپا تھا۔

''ماما! میں نے آپ کی ہر ضد مان کر پہلے ہی اپنی زندگی بہت مشکل بنا لی ہے مگر اب نہیں..... آئی ایم سوری، میں آپ کا کوئی حکم نہیں مان سکتا۔'' اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر سر دائیں بائیں ہلایا۔

''یہ تمہاری بھول ہے۔ یہ حکم تو آخر تمہیں ماننا ہی ہو گا ورنہ پھر میں دوسرا راستہ اختیار کروں گی اور یہ صرف میرا ہی فیصلہ نہیں ہے۔ اس چلتر لڑکی نے ہی مجھے کہا تھا کہ تمہیں ڈائیورس پیپر دے کر بھیج دوں، وہ سائن کر دے گی۔ تم جس کے لیے اپنی ماں کی بات نہیں مان رہے، پہلے جا کر اس کی مرضی تو معلوم کرو، اسے تم سے موٹی آسامی مل گئی ہو گی تبھی تو وہ سائن کرنے پر تیار ہوئی ہے۔''

رافیہ نے اس بار قدرے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

وہ حیرت و بے یقینی کے ملے جلے تاثرات سے انہیں دیکھے گیا۔

''وہ اگر ایسا چاہتی تو بہت پہلے مجھ سے ڈیمانڈ کرتی مگر اب، کیسے؟''

''ایسی لڑکیوں کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا۔ صرف پیسہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ تم ابھی بھی خود فریبی کا شکار ہو؟ تم سے میں پھر کہہ رہی ہوں الحان! تمہاری اس وقتی جذباتیت سے اگر نشاء یا اس کے پیرنٹس آگاہ ہو گئے تو بہت برا ہو گا۔ تم ایک معمولی حیثیت کی لڑکی کو نشاء کے

برابر لانا چاہتے ہو۔ اس کا انجام سوچا ہے تم نے؟ وہ سوسائٹی میں میرا اور تمہارا ناطقہ بند کروا دیں گے۔ وہ شاید تمہارا اتنا سا جرم تو معاف کر دیں کہ تم نے وقت گزاری کے لیے اپنی ملازم لڑکی سے دوستی کی تھی مگر وہ ہمیشہ کے لیے اسے تمہاری اور اپنی بیٹی کی زندگی پر قابض ہوتے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ تم اچھی طرح اپنے سسرال کے سورسز اور پاور جانتے ہو۔'' ماما کی باتیں اسے یک دم بھڑکا گئیں۔

''میں کسی سے ڈرتا نہیں اور نہ ہی نشاء کے باپ کا دیا کھاتا ہوں، مجھے اپنی زندگی پر مکمل اختیار اور فیصلے کا حق حاصل ہے۔ آپ بھول رہی ہیں ماما! وہ معمولی ملازم لڑکی میری پہلی بیوی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی معمولی لڑکی کا حق آپ نے جبراً نشاء کو دلوایا تھا۔ میرا نشاء سے شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آپ اُس صبح آ کر ہنگامہ نہ کرتیں تو شاید میں سعدہ کے ساتھ اپنی لائف شروع بھی کر چکا ہوتا مگر آپ کی ضد..... آپ مجھے گستاخی پر خود مجبور کر چکی ہیں۔ آپ اچھی طرح سن لیں ماما! سعدہ خان کو اب میری زندگی سے کوئی الگ نہیں کر سکتا۔ وہ خود چاہے تو بھی نہیں۔ آپ کو جو کرنا ہے، وہ کریں۔''

الحان نے ایک ساعت میں ان کے ہاتھ سے کاغذات جھپٹے اور پرزے پرزے کر کے ہوا میں اچھال دیئے۔ رافیہ اس کی جرأت پر انگشت بدنداں تھیں۔ انہیں الحان سے ایسی ہمت کی توقع کب تھی۔ اس نے ہمیشہ ان کی ہر بات پر سر جھکایا تھا۔ ہمیشہ ان کی ضد مانی تھی۔ انہیں اس پر بہت مان تھا لیکن آج وہ ان کی ہر بات، ہر مان جھٹلاتا دندناتا ہوا گھر سے نکل گیا تھا۔

وہ بے بسی کے گہرے احساس تلے دبی مزید متنفر ہو رہی تھیں۔ سعدہ خان سے ان کی نفرت مزید بڑھ گئی تھی۔

☆=======☆=======☆

''پلیز سسٹر! میں جانتا ہوں، وہ اوپر ہی ہے۔ مجھے ایک بار اس سے ملنے تو دیں۔''

الحان، ذکیہ آنٹی اور سمک کے سامنے بیٹھا منت سے کہہ رہا تھا۔ ماما کا اندازِ گفتگو دیکھ اور سن کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ ماما نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کر کے گئی تھیں۔ تبھی تو وہ اس سے ملنے سے انکاری تھی۔

''وہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہے الحان صاحب! آپ کی ماما کے بی ہیویر نے اسے بہت ہرٹ کیا ہے۔ وہ آپ سے نہیں ملنا چاہتی تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

سمک نے قدرے رکھائی سے جواب دیا۔ اس نے سعدہ کو پہلی بار اس قدر روتے،

ٹوٹتے، بکھرتے دیکھا تھا اور صرف اسی شخص کی وجہ سے۔

''پلیز، آپ اس سے کہیں، مجھے آخری موقع دے۔ میں ہر بات کا مداوا کرنے آیا ہوں۔''

''میں اسے سمجھا چکی ہوں مگر آپ کی ماما کا رویہ ہی ایسا تھا بیٹا کہ کوئی بھی ہوتا، اس سے شدید ردِعمل دکھاتا۔ سعدہ نے تو پھر ضبط و صبر سے کام لیا ہے۔ وہ وکیل سے بات کر چکی ہے۔ اب آپ وکیل کے ذریعے کورٹ میں ہی مل سکتے ہیں۔'' ذکیہ آنٹی نے پہلی بار مداخلت کی۔

وہ لب بھینچ کر سننے پر مجبور تھا۔

''پلیز آنٹی! مجھے ایک بار اس سے بات تو کرنے دیں۔ رئیلی سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

وہ سچائی سے بولا تو ذکیہ آنٹی نے بیٹی کو کچھ اشارہ کیا۔ دونوں نے اسے اوپر جانے دیا۔

الحان خان کے احساسات اس وقت بہت عجیب ہو رہے تھے۔ سعدہ کی محبت اس کے ذہن و دل اور جسم و جاں میں لہو اور زندگی بن کر دوڑ رہی تھی۔ سعدہ تک جانے میں آج اس کے قدموں میں کوئی لڑکھڑاہٹ، کوئی لرزش نہ تھی۔ وہ پوری سچائی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سعدہ پہلے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ اسے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا دوسرے کمرے میں پہنچا تو وہ فرش پر بچھے میٹرس پر ساکت سی بیٹھی تھی۔ قدموں کی آہٹ پر بھی اس میں جنبش نہ ہوئی تھی۔ الحان نے اسے پہلی بار دل کی گہرائیوں سے آواز دی تھی۔

''سعدہ! سعدہ!''

سعدہ اپنی سوچوں سے نکل کر غائب دماغی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی اور پھر اگلے ہی پل اس کی آنکھوں اور چہرے پر تلخ و سرد احساس ابھر آیا۔

''تم..... یہاں؟..... یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

الحان کو اس کے اندازِ تخاطب پر اچنبھا ہوا۔ پھر بھی اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تم سے ملنے مسز..... کتنے دن ہو گئے تھے تمہیں دیکھے ہوئے۔ میں فون پر بھی تم سے رابطہ کرتا رہا مگر شاید یہاں لائن میں کچھ خرابی ہو گئی تبھی تم.....'' الحان نے انجان بنتے ہوئے اپنے لہجے کو خوشگوار بنایا۔

''زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے الحان صاحب! اونہہ! مجھ سے ملنے؟ سیدھی طرح کہو، اپنی ماں کی خواہش اور ضد پوری کرنے کے لیے پیپرز سائن کروانے آئے ہو مگر اتنی

آسانی سے تو اب تمہیں میرے سائن نہیں ملیں گے۔"

سعدہ کی آنکھوں میں زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکا کیونکہ اس کی آنکھوں میں نفرت کا گلیشیئر تھا، وہ فوراً ہی اس سے کچھ فاصلے پر میٹرس پر بیٹھ گیا اور خود کو سنبھال کر پھر سے انجان بننے کی ایکٹنگ کی۔

"کن پیپرز پر بھئی؟ تم آج کیسی باتیں کر رہی ہو؟ میں اتنے دنوں بعد آیا ہوں۔ کھانے کا، کافی کا نہیں پوچھو گی مجھ سے؟" الحان نے اسے محبت سے دیکھا۔

"شٹ اَپ! شٹ اَپ! کیا سمجھتے ہو تم، میں بے وقوف ہوں۔ تمہاری ماں کی دھمکیاں مجھ پر اثر انداز نہیں ہوئیں تو اب تم اپنی مکاری لے کر میرے سامنے آ گئے ہو؟ اتنی آسانی سے میں یہ سب کر دوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے الحان خان! تمہیں اب ڈائیورس کے لیے کورٹ میں آنا ہوگا، انڈر اسٹینڈ؟"

اس کا چیختا چلاتا لہجہ اس کے ذہنی انتشار کو عیاں کر رہا تھا۔ الحان نے لب بھینچ کر اسے سنا اور دیکھا۔ آج اس کا رویہ اور انداز ہمیشہ سے الگ نظر آ رہا تھا۔ اس کے اندر پھیلی مضطرب اداسی اس کے ظاہر پر بھی حاوی تھی۔

الحان کا اندازِ نظر بدلا تھا۔ اس کے احساسات تبدیل ہوئے تھے حتیٰ کہ اس کے دل کی دھڑکنیں بھی نئی لے پر تھرک رہی تھیں اسی لیے آج سعدہ خان اسے خود سے بہت قریب اور اپنی اپنی لگی تھی۔ ہلکے گلابی سوٹ کا گلابی پن اس کے گندمی رنگ میں آمیز ہو کر اسے نیا روپ دے رہا تھا۔ اس کے الجھے بکھرے دراز گیسو، شانوں پر گہری رات کے سائے کی طرح پڑے تھے۔ وہ گھٹنوں کو سمیٹ کر اس پر چہرہ ٹکائے دلکش ہی نہیں، مسحور کن بھی لگ رہی تھی۔ الحان اپنی کیفیات کے پورے اثر میں تھا۔ اسے ٹھیک طرح یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ گھر سے کس کبیدگی کے ساتھ نکلا ہے۔

"تم..... کیسی باتیں کر رہی ہو سعدہ؟ میں تمہارے پاس ڈائیورس پیپر لے کر آؤں گا؟ کس لیے؟ تمہیں معلوم ہے، میں تمہارے ساتھ لائف شروع کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی....."

"غلط فہمی مجھے نہیں، تمہیں اور تمہاری ماں کو ہے۔ تم لوگوں نے سمجھا ہوگا، میں اکیلی ہوں، مجبور ہوں۔ جب دل چاہے گا، مجھ سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ مطلب نکل جائے گا تو میرا تماشہ بنا دو گے۔ اب دیکھنا کہ تماشہ کون بنتا ہے۔ میں یا تم اور تمہارا خاندان....." سعدہ نے اسے غضب ناک آنکھوں سے دیکھا۔

"سنو سعدہ! میں تم سے کبھی تعلق توڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، کجا تمہارے پاس ڈائیورس کے لیے آؤں گا۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟"

الحان نے اس کے قریب ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کی جسے اس نے ہاتھ سے جھٹک کر ناکام بنا دیا۔

"اپنی حد میں رہو الحان خان! تمہاری چکنی چپڑی باتیں مجھ پر اثر نہیں کریں گی۔ تم سے تعلق توڑنے کا فیصلہ اب میں کر چکی ہوں۔ میں مصلحتوں، سمجھوتوں کی دیواروں میں محصور رہ کر زندگی نہیں گزار سکتی جہاں میرے لیے ذلت آمیز فضا قائم ہے۔ میں ایسے ماحول میں اب جینا نہیں چاہتی جہاں میرے لیے زندہ رہنا ہی نہیں، سانس لینا بھی دشوار ہو رہا ہے۔"

"میں بھی نہیں چاہتا کہ تم محصوری یا مجبوری کی زندگی بسر کرو۔ مجھ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے میرا سب کچھ تمہارے لیے بھی ہے۔ تم مجھ سے اپنے تمام حقوق وصول کر سکتی ہو۔ اپنا حق مانگ سکتی ہو۔ یہی بات سمجھانے کے لیے میں عرصہ دراز سے کوشش کر رہا ہوں مگر تم خود ہی مجھ سے گریزاں رہی ہو۔"

الحان کی آنکھوں میں محبتوں کے چراغ جھلملا اٹھے تھے۔ اس کے لہجے میں پیار کی جو شیرینی گھلی ہوئی تھی، یہ مٹھاس سعدہ نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ آنکھوں کی چمک میں تابناکی تھی جس نے سعدہ خان کے دل کی اندھیر نگری لحہ بھر کو خیرہ کی تھی۔ مگر اسے یہ سب فریب دھوکا اور جھوٹ محسوس ہوا تھا۔ اسے الحان پر اعتبار نہیں تھا۔

"اچھا! تو پھر اس چیک پر اپنی قیمت خود ہی لکھ دو۔" سعدہ خان نے ہاتھ بڑھا کر تکیے کے نیچے سے چیک نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

الحان اس کے رویے پر بھونچکا رہ گیا۔ اسے سعدہ خان سے ایسی امید نہ تھی۔ وہ تو اپنی محبت، اپنی چاہت کا مان دینے اسے آیا تھا اور وہ اس کی قیمت پوچھ رہی تھی۔ وہ دم بخود الجھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"کیا ہوا، دعویٰ کر کے پچھتانے لگے ہو؟ تم سے اچھی تو تمہاری ماما رہیں۔ انہوں نے بنا طلب کیے تمہاری قیمت لگا دی۔ اس بلینک چیک کے عوض وہ تمہیں مجھ سے خریدنا چاہتی ہیں۔ تم بتاؤ، تم کتنے میں بکنا پسند کرو گے؟ کتنی دولت ہے تمہاری ماں کے پاس؟" سعدہ کے لہجے میں زہریلی کاٹ تھی۔

"وہاٹ؟ تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟" الحان نے فوراً ہی اس کے ہاتھ سے چیک جھپٹ

لیا۔ ''کیا سمجھا ہے تم نے مجھے؟ میں تمہاری نظر میں کوئی معمولی شے ہوں جسے تم اپنی ضرورت پڑنے پر بیچ دو؟ بولی لگا دو میری؟ ایسا ہی بے وقعت ہوں میں تمہارے لیے؟''

دکھ وافسوس سے اس کے لہجے میں دراڑ پڑ گئی۔ اسے اپنی ماما پر بھی افسوس تھا۔

''میں نے نہیں، تمہاری ماں نے تمہیں نیلامی کا مال سمجھا ہوا ہے۔ اگر میں چاہتی تو نشاء سے شادی کے وقت ہی تم سے یا تمہاری ماں سے تمہاری بھاری قیمت وصول کر سکتی تھی مگر میں ایسا کیوں کرتی؟ اور تم سمجھے کہ میں کمزور ہوں۔ تمہارے چنگل میں پھنسے رہنے کے باوجود ایک لفظِ احتجاج بھی ادا نہ کروں گی۔ میں ایسے ہی سب برداشت کر لیتی اگر تم لوگ میری انا و خودداری کو پامال نہ کرتے۔ تم مجھے رسوا کرنا چاہتے ہو نا، رسوا تو میں تمہیں کروں گی۔ ساری دنیا اب دیکھے گی کہ تم اور تمہاری خاندانی شرافت ونجابت کتنے میں نیلام ہوتی ہے۔ مجھے کہتے ہو میں گھٹیا خاندان کی ہوں، میں طوائفوں سے بدتر ہوں۔ یہ تو اب میں بتاؤں گی کہ میں کیا ہوں۔''

سعدہ کا تنفس تیز تر تھا۔ اس کا لہجہ بھی بے ربط ہونے کے ساتھ دہک رہا تھا۔ الحان اس کی ذہنی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ اس کی بے ربط باتیں بھی اسے سمجھا رہی تھیں کہ اس کی ماما اسے کتنا بے عزت کر کے گئی ہیں۔ اس نے مزید نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

''پلیز سعدہ! فار گاڈ سیک! مجھے آرام سے بتاؤ، کیا ہوا ہے؟''

''یہ تو اپنی ماں سے جا کر پوچھو۔ وہ تمہیں یہاں خریدنے آئی تھیں۔ انہوں نے یہ چیک، یہ بلینک چیک تمہاری قیمت رکھی ہے۔ ان سے کہو، انہیں بہت شوق ہے نا خرید و فروخت کا۔ تو ٹھیک ہے، اب وہ عدالت کے ذریعے تمہیں مجھ سے خرید لیں۔''

الحان خان، سعدہ کے دھمکی آمیز لہجے پر بھونچکا رہ گیا۔ سعدہ آج صحیح معنوں میں عورت نظر آ رہی تھی۔ اپنے حق کی خاطر دنیا کے آگے ڈٹ جانے والی عورت! اس نے سعدہ کو اپنے لیے ایسی ہی دیکھنا چاہا تھا۔ یک گونہ سکون اس کے رگ و پے میں اُترا تھا۔

''ٹیک اِٹ ایزی مسز! تمہیں یہ سب اس وقت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی جب میں بھی تمہارے خلاف ہو جاؤں۔ دیکھو، میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ تمہیں سب کچھ دینے۔ وہ سب کچھ جو میں تمہیں اب تک نہیں دے سکا۔ بھول جاؤ سب کچھ اور.....''

الحان کی محبت سے لبریز آواز بھی اس کے اندر ابلتے غصے اور غم کے طوفان کو نہ روک سکی۔

''ضرورت ہے مجھے الحان صاحب! ضرورت ہے۔ رافیہ خان کو یہ بتانے کے لیے کہ

کسی کی قیمت چکانے کے لیے کیا کچھ بیچنا پڑتا ہے۔''

''شٹ یور ماؤتھ!'' الحان سے اس کا تضحیک آمیز رویہ برداشت نہیں ہوا تو سختی سے بول اٹھا۔ ''تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ تم اور ماما دونوں ہی اس وقت جذباتی ہو رہی ہو اور جذباتی انسان خود غرض ہو جاتا ہے۔ صرف اپنی انا اور جیت کے چکر میں رہتا ہے۔ چاہے اسی میں دوسروں کی زندگیاں اجیرن ہو جائیں۔ تم اور ماما اپنے اپنے اطمینان ومفاد کے چکر میں مجھے، میری ذات کو بالکل ختم کر دینا چاہتی ہو۔'' اسے سختی سے چپ کروانے کے بعد وہ پھر سے نرم لہجے میں بات کرنے لگا۔

''تم بھول رہے ہو، میرا تم سے کوئی مفاد وابستہ نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہی میں اس خوش فہمی میں ہوں کہ مجھے کبھی تم سے کوئی راحت ملے گی۔ تم جاؤ، اپنی ماما کی رضا کے پتلے بنے رہو۔ انہی کے اشاروں پر چلو۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا۔ آئندہ یہاں آنے کی یا مجھ پر کوئی حق جتانے کی ضرورت نہیں ہے، انڈر اسٹینڈ!'' وہ یک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

الحان نے سر اٹھا کر کچھ فاصلے پر غصے سے کھڑی سعدہ کو دیکھا۔ وہ سینے پر اپنے بازو لپیٹے ہمیشہ سے مختلف دکھائی دے رہی تھی۔

''تم یہاں سے جا رہے ہو یا میں کسی کو بلواؤں؟'' اس کا دھمکی بھرا کرخت لہجہ الحان کو برا نہیں لگا تھا۔ اب وہ اسے حق بجانب سمجھ رہا تھا۔

''سعدہ! میں مانتا ہوں، میں نے تم سے ہمیشہ زیادتیاں کی ہیں۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ اب مجھے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو گیا ہے۔ میں اب مداوا کرنے آیا ہوں۔ تمہیں مجھ سے وابستہ رہنے کے باوجود جو حقوق نہیں ملے، انہیں میں تمہیں دینے آیا ہوں اور.....''

الحان نے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کے کندھوں پر اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت رکھ کر اسے اپنا اعتماد دینا چاہا جسے اس نے اگلے پل ہی درشتی سے جھٹک دیا۔

''سعدہ خان کھلونوں سے بہلنے کی عمر میں نہیں ہے الحان! اور نہ ہی لفظوں کی مصنوعی تپش سے پگھلنا جانتی ہے۔''

''جانتا ہوں، اسی لیے تو اپنی چاہتیں اور محبت لے کر آیا ہوں۔ میری چاہت مصنوعی نہیں ہے۔ ایک بار یقین تو کرو۔'' الحان نے اپنے لہجے میں حتیٰ المقدور اپنے جذبوں کی صداقت کو عیاں کیا تھا۔

سعدہ استہزائیہ ہنستی ہوئی اس کی طرف رخ پھیر کر بولی۔

''حیرت ہے الحان خان! اتنے اعلیٰ اور اونچے خاندان کے چشم و چراغ، ایک معمولی

خاندان کی گھٹیا ترین لڑکی کے لیے یہ سب کیوں لے کر آئے ہیں؟ کیا آپ کا معیار اتنا گھٹ گیا ہے یا پھر آپ کی ماما اور آپ کی یہ کوئی نئی سازش ہے۔ ارے ہاں، کورٹ میں جانے سے ڈر رہے ہو۔ خاندان کی عزت پیاری ہے اور اس سے بھی زیادہ خوف اپنی بیوی کی نظروں میں معتبر نہ رہنے کا ہوگا، ہے ناں؟ کبھی جذبوں کا جال بچھا کر لفظوں سے شکار کر رہے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو، میں پھنس جاؤں گی تمہارے جال میں؟ کبھی میں نادان تھی، اب نہیں الحان خان اب نہیں ہوں۔'' سنعہ نے اسے اپنی مخصوص نظروں سے دیکھتے ہوئے اس سے دور ہٹتے ہوئے کہا۔

الحان اسے بے بسی سے دیکھے گیا۔ وہ اس پر اعتبار نہ کر کے اسے تکلیف دے رہی تھی جو ناقابلِ برداشت تو تھی مگر اسے برداشت کرنا ہی تھی۔ نہ جانے اس کی ماما اسے کس کس طرح اذیت دے کر گئی تھیں کہ وہ اب تک سنبھلی نہ تھی۔ دل میں پشیمانی مزید بڑھ گئی۔

''پلیز سنعہ! فار گاڈ سیک! لیو اِٹ پلیز، پرانی باتیں اور رنجشیں بھول جاؤ۔ یقین کرو، میں چینج ہو گیا ہوں۔ میرے احساسات تمہارے لیے نئے ضرور ہیں لیکن بالکل سچے ہیں۔ تم مجھ پر یقین تو کرو، پھر دیکھو، ہم مل کر اچھی زندگی شروع کریں گے۔ ایسی زندگی جہاں تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ تمہیں تمہاری ہر خواہش کی تکمیل ملے گی۔ تمام حقوق ملیں گے۔ ہم نئی زندگی میں صرف اپنے لیے جئیں گے۔ تمام رنجشیں اور کدورتیں بھلا دو سنعہ! میں تمہارا ہوں اب۔''

الحان کی صداقت سے بھیگی آواز بھی سنعہ کے غصے کو کم نہ کر سکی۔ وہ پتھر بنی رہی۔

''میں کسی خواب سراب میں نہیں رہنا چاہتی الحان! مجھے اپنی اوقات کا پتا ہے۔''

''تم آخر مجھ سے اتنی بدگماں کیوں ہو؟ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں دل کی گہرائیوں سے سچ کہہ رہا ہوں۔ میرے دل میں تمہارے لیے محبت تو شاید شروع سے تھی مگر یہ کبھی مجھ پر بھی آشکارا نہ ہو سکی۔ پھر تم سے نکاح کے بعد مجھ پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ہمارے درمیان جو کھنچاؤ تھا، وہ رقابت کا نہیں تھا بلکہ اپنے نہ چاہے جانے کا تھا۔ خود کو تمہاری نظروں میں بے وقعت پانے کا اثر تھا۔ بعد میں بھی میں نے تمہارے قریب ہونے کی کوشش کی تھی، مگر تم نے خود ہی فاصلے قائم کر لیے۔ اپنی نفرت مزید بڑھا لی۔ میری اہمیت، میری ضرورت کو نظر انداز کر دیا۔''

الحان کے لہجے کی سچی گرمی و حلاوت اس بار پتھر دل سنعہ خان کو بھی ہلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے قدرے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ آج الحان خان کے پیکر میں نیا

مرد سمایا کھڑا تھا جو محبت کے خمیر سے گندھا ہمدم رفیق لگ رہا تھا۔ وقت جیسے ٹھہر گیا تھا اور وہ اسے اپنی حیران نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

''پلیز! میرا اعتبار کرو مسز! میں تمہارے لیے اپنی محبت لے کر آیا ہوں۔ اس میں کوئی جھوٹ، فریب، سازش نہیں ہے۔ میرے جذبے سچے اور خالص ہیں۔''

الحان ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا۔ اس کے کندھوں پر اپنے ہاتھوں کو ٹکاتے ہوئے اس میں اپنی چاہت کی سچائی منتقل کرنا چاہی۔

سنعہ خان کے احساسات نے کروٹ لینی شروع کی تھی۔ وہ اس پر یقین کر بھی رہی تھی اور نہیں بھی۔ اس کے منجمد احساسات متحرک ہونا شروع ہو گئے تھے۔ احساسِ توہین معدوم ہو کر پھر اپنے آپ پر غرور قائم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ دھڑکنوں کا شور تیز تر ہوا جا رہا تھا۔

سنو سنعہ خان! یہ شخص تمہارا مان ہے..... یہی تمہیں معتبر کرے گا۔ مان لو اس کی بات، کر لو اس پر یقین، یہ تمہیں اب دھوکا نہیں دے رہا.....

لیکن یہ کسی اور کا بھی تو ہے..... ایک کسک دل میں اٹھی اور درد بن کر روم روم میں بس گئی۔

سنو عہدِ وفا تو تم سے کر رہا ہے جو کہ جھوٹ نہیں ہے، پھر سوچو، تمہیں اس سے وہ سب کچھ بھی تو حاصل کرنا ہے جس کا طعنہ رافیہ خان نے دیا تھا.....

ذہن و دل کی کشمکش میں احساس ذلت پھر سے جاگنے لگا۔ بے بسی کا شدید احساس غالب آنے لگا۔

''الحان صاحب! ٹکڑوں میں بٹی ذات اپنی کوئی شناخت نہیں رکھتی۔ آپ اب کسی اور کی پہچان بن چکے ہیں۔ جائیے، اسی ڈگر پر لوٹ جائیے۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ نہ آپ کی محبت اور نہ ہی آپ کی وفا..... مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔''

اچانک، بالکل اچانک سنعہ خان کی مضبوط کٹھور آواز لرزنے لگی تھی اور پھر وہ اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتی تیزی سے باتھ روم کی جانب لپکی اور کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔ شاید وہ پچھلے دو سالوں کا رکا سیلاب آج بہانا چاہتی تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو کمزور لمحوں سے بچا کر لے گئی تھی۔

الحان اس کی لرزتی نم آواز پر بے چین ہو کر فوراً اس کے پیچھے لپکا تھا مگر وہ دروازہ بند کر چکی تھی۔ اسے تو آج اس کی آنکھوں میں وہی فاتحانہ خمار دیکھنا تھا۔ وہی اعتماد، وہی غرور، آج اس کی بھی تمنا تھی۔ وہ شاید اس کی اسی ادا سے گھائل ہوا تھا۔ اندر سے پانی گرنے کی آواز

تیزی سے آ رہی تھی۔ پانی کی آواز نے ہی شاید سعدہ کی سسکیوں کا بھرم قائم رکھا تھا۔ الحان کو پھر بھی اس کی بے آواز سسکیاں بے چین کیے دے رہی تھیں۔ وہ باتھ روم کے باہر ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے اپنی سوچوں کے دائروں میں الجھا بے تابی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وقت تھا کہ رک گیا تھا ہر ساعت اذیت انگیز معلوم ہو رہی تھی اور اس کے اندر بھی جذبات طوفان مچائے ہوئے تھے۔ سعدہ خان کو اپنی محبت کا یقین دلانے کا طوفان ہی اسے مضطرب کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے برآمد ہوئی۔ اس کی سرخ آنکھیں متورم ہونے کے ساتھ لبریز بھی تھیں۔ مزید ضبط کی کوشش میں اس نے لبوں کو سختی سے بھینچ رکھا تھا۔ جھکی پلکوں کی چلمنیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔

الحان کے لیے یہ منظر نیا ہی نہیں، دلکش و مسحور کن بھی تھا۔ محبت ہستیٔ ذات کو کس طرح بدل دیتی ہے، اسے اب معلوم ہو رہا تھا۔

''سنو سعدہ! نشاء کو میری نہیں، میرے خاندان کی شناخت ملی ہے۔ اسے یا اس کے خاندان کو مجھ سے زیادہ میرے خاندان کا نام اپروچ کرتا تھا جبکہ تمہیں صرف میرا نام ملا۔ وہ بھی کاغذات پر..... میں تمہیں اب اپنے ہی نام کے ذریعے معتبر کرنا چاہتا ہوں۔ ماما نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے، پلیز، اس کے لیے مجھے معاف کر دو۔ وہ اوور پوزیسیو ہیں۔ ان کے اسی جذباتی پن نے تو مجھے نشاء کو اپنانے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ میں تو تمہارے.....''

''مجھے تمہاری کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔'' سعدہ نے اسے اپنی مخصوص نظروں سے دیکھ کر تولیہ اسٹینڈ پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھا۔

''پھر مجھ پر اعتماد کرو کہ میری ذات اب تمہارے لیے مخصوص ہے۔ میں تمہیں اپنی محبت کی نئی شناخت دینے آیا ہوں۔'' الحان قدرے زچ ہو کر بولا۔

سعدہ نے قدم بڑھا دیئے۔

''تم مجھے دھوکا دے رہے ہو یا خود کو بہلا رہے ہو؟ کم از کم تم یہ تو نہیں بھول سکتے کہ تمہاری بیوی ہے، تمہاری بیٹی ہے جو تمہاری حقدار ہیں اور بہر حال تمہیں انہی کی طرف لوٹنا ہے۔ مجھ سے کھیل کھیلنے کی کوشش مت کرو۔'' سعدہ کی برہمی پھر عود کر آئی۔ وہ پھر سے اپنے میٹرس پر بیٹھ کر اسے درشتگی سے دیکھنے لگی۔

''میں تم سے کوئی کھیل نہیں کھیل رہا۔ تمہیں دوسروں کی طرح جینے کا حق دے رہا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے، نشاء کا اب میری زندگی میں بیٹی کی وجہ سے الگ مقام ہے۔ اسے

جو کچھ بھی ملا ہے یا ملے گا، وہ کمپرومائزنگ ہوگا۔ مگر تمہیں تو میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر سب کچھ دینا چاہتا ہوں اور تم ہو کہ اکڑی جا رہی ہو۔''

الحان کی جھنجھلاہٹ اس کے چہرے میں ہی نہیں، لہجے میں بھی نمایاں تھی۔ وہ زچ ہو کر برہمی سے بولنے پر مجبور ہوا تھا۔ اس کی برہمی و جھنجھلاہٹ پر سعدہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھری تھی۔ کم از کم وہ اس وقت جھوٹ بول نہیں رہا تھا۔

''میں تم سے کچھ نہیں مانگ رہی ہوں اور نہ ہی میں غاصب کہلوانا چاہتی ہوں، جاؤ، اپنی دنیا میں خوش رہو۔ آزاد رہو تم۔ کچھ نہیں کروں گی میں۔ تم لوگوں نے مجھے بہت غلط سمجھا۔ میں تو اپنی مجبوریوں کی زنجیروں میں بندھی ہوئی تھی۔ تم نے مجھے مزید بے بس کر دیا۔ میں اپنی بے بسی کا کسی سے انتقام نہیں لے سکتی۔ اپنی ماما سے کہو، مجھے ان کے اعلیٰ خاندان میں شامل ہونے کی کبھی خواہش نہیں رہی اور نہ ہی میں کبھی ایسا کوئی خواب دیکھتی ہوں۔ کہاں ہیں پیپرز؟ لاؤ میں سائن کر دوں۔''

سعدہ کا ٹھہرا ہوا سرد و سپاٹ لہجہ الحان کو چونکنے پر مجبور کر گیا۔ احساسات کی تیز لہر آگہی بن کر لہو میں دوڑ گئی۔

''سعدہ! تم نے ہمیشہ غلطیاں کی ہیں۔ اپنے حقوق سے دستبرداری بہادری نہیں، بزدلی ہوتی ہے۔ تمہاری بزدلی نے ہی مجھے نشاء کی طرف بڑھنے پر مجبور کیا تھا۔ تم مجھے نشاء کی طرف بڑھنے سے روک سکتی تھیں مگر تم نے بہت آرام سے مجھے اس کے حوالے کر دیا۔ تم اپنی خوشیوں کی خود غاصب ہو۔ کوئی اور نہیں۔''

الحان آگہی کی ساعتوں کو منکشف ہوتے دیکھ کر متاسف ہو رہا تھا۔

''کیوں روکتی میں تمہیں؟ کیا حق تھا میرا تم پر؟ مجبوری کا رشتہ تھا ہمارے درمیان جسے تم کبھی بھی تماشہ بنا سکتے تھے۔''

''بیوی تھیں تم میری۔ روکنے کا حق تھا تمہیں اور مجبوری کا رشتہ تمہارے لیے ہوگا۔ میرے لیے نہیں۔ میں نے تمہیں صرف اپنے لیے دیکھنا چاہا تھا اور تم صرف میری ہو گئی تھیں۔ یہی میری خواہش تھی اور یہی تمنا..... صرف تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے میں غلطیوں پر غلطی کرتا چلا گیا۔ میں سمجھتا تھا، تم دنیا کے سامنے ڈٹ کر اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و حوصلہ رکھتی ہو مگر تم..... تم سعدہ! بہت کمزور ثابت ہوئی ہو۔ صرف ماما کی دھمکیوں سے ڈر گئیں؟ اتنی جلدی ہار گئیں؟''

الحان آج اس پر کیا کیا انکشاف کر رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا جس انداز میں

اعترافِ محبت کر رہا تھا، وہ سعدہ خان کو بھی بے بس کر گیا۔ وہ بھی آخر ایک لڑکی تھی جس کے سینے میں دھڑکنے والے دل میں صرف لہو ہی گردش نہیں کرتا تھا، جذبات بھی ہلچل مچاتے تھے۔ چاہے جانے کی لہریں بھی اٹھی تھیں اور خود منوانے کی خواہش بھی سر ابھار رہی تھی۔

''ہاں، میں کمزور ہوں۔ مجھ میں حوصلہ نہیں ہے تمہاری ماما سے لڑنے کا اور مجھے کمزور کس نے بنایا، تم نے الحان خان! تم نے۔ تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔''

وہ اس پر الزام دھر کر خلافِ توقع سسک پڑی۔ اس کا رونا اس کی بے بسی کی انتہا کو ظاہر کر رہے تھے۔ الحان کو اس کا رونا، اس کی کم ہمتی غصہ دلا گئی۔

''جب فیصلہ کر چکی ہو تو رونے کی وجہ؟ خوش کرنا چاہتی ہو میری ماما کو یا پھر خود کو..... ایسا کرو، تم اور ماما دونوں مجھے اپنی اپنی تسکین کی خاطر خرید لو بیچ لو۔ مگر یاد رکھو سعدہ! تم مجھ سے آزادی حاصل نہیں کر سکتیں۔ تم میری ضد سے اچھی طرح واقف ہو۔''

وہ سعدہ کی محبت کے ہاتھوں بے بس ضرور ہوا تھا مجبور نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ سعدہ کو خلوصِ دل سے اپنا آپ سونپنے آیا تھا۔ اس کی کسی حماقت کو قبول کرنے نہیں..... وہ اپنی ماما کے غلط رویوں سے لگے سعدہ کے زخم بھرنے آیا تھا۔ اسے خود کو زخمی کرتے دیکھنے نہیں۔ اس کی کیفیت اس کے جذباتی ہیجان کو واضح کر رہی تھی۔

سعدہ مزید شدت سے رونے لگی تھی۔ اس کی ہچکیوں نے الحان کے غصے کو نہ صرف ٹھنڈا کیا بلکہ بے جا غصے کا احساس بھی دلایا۔ وہ اسے گھورتے گھورتے تھک گیا تو پینٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکال کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے چہرے کو اونچا کرنے کی کوشش کی۔

سعدہ کا احتجاج بالکل کمزور تھا۔ الحان نے اس کے بکھرے بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے اپنے رومال سے اس کے آنسو خشک کرتے ہوئے اسے مصنوعی غصے سے جھاڑا۔

''مجھ سے جدا ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتیں تو دعویٰ کیوں کرتی ہو؟ اعتراف کیوں نہیں کر لیتیں کہ مجھ سے محبت کرتی ہو۔ کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ میرے بنا جی نہیں سکتیں۔ کس بات کا زعم ہے تمہیں؟''

سعدہ اس کے بدلے ہوئے لہجے پر یک لخت اسے دیکھے جا رہی تھی اور ذہن میں آندھی سی چل رہی تھی۔ اس کی ادھوری بات اور یہ انداز اسے بے یقین کر رہا تھا۔

''تم اعتراف کرو نہ کرو مسز، مگر مجھے سمجھنے کی کوشش تو کرو۔ محبت کے جذبے سے تم بھی واقف ہو گی اور اس کے احساسات کو بھی خوب سمجھتی ہو۔ یہ وہی جذبہ ہے جس نے آج مجھے یہاں پہنچایا ہے۔ یہ جو آج میں تمہارے سامنے اس پوزیشن میں بیٹھا ہوں تو اسی جذبے کی

بدولت، ورنہ خود پر زعم تو مجھے بھی بہت تھا اور کوئی بھی طاقت مجھے اس قدر مجبور و بے بس نہیں کر سکتی تھی۔''

الحان نے اپنی ادھوری بات کچھ توقف کے بعد پوری کی۔ سعدہ کے احساسات کی تبدیلی اس کے چہرے اور آنکھوں سے ہویدا تھی تبھی وہ پھر سے نرمی اور پُر یقین انداز میں گویا ہوا تھا۔

''مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ میں نے اکثر مقامات پر تمہارے ساتھ زیادتیاں کیں، تمہیں دکھ دیے، لیکن یقین کرو، وہ سب نادانستہ ہوا۔ میرا دل کبھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ کی تمنا کی مگر تم مجھ سے ہمیشہ دور، بہت دور رہیں۔ آج میں تم سے اپنے تمام جرم اور غلطیوں کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ پلیز، سوری فار می!'' الحان نے بلا جھجک اپنے کانوں کو چھو کر ہاتھ باندھے۔

سعدہ کے آنسو مزید روانی سے بہنے لگے۔ کسی کی چاہت بننا اور کسی کی چاہت پانا، اس کی بھی آرزو رہی تھی۔ عام لڑکیوں کی طرح محبت کا حصول اس کی بھی تمنا اور خواب تھا مگر یہ خواب کب اور کس طرح پورا ہو رہا تھا، جب اس کا خوابوں پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا، جب اسے یقین ہونے لگا تھا کہ وہ ساری زندگی کسی کی چاہت بننے اور چاہت پانے کی آرزو دل میں لیے تہی داماں رہ جائے گی تو اب اسے تکمیلِ آرزو کی نوید مل رہی تھی اور کس سے..... جس پر ایک لمحے کو بھی اعتماد کرنا محال رہتا تھا۔ وہ آج چاہت اور محبت کی دولت لیے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''خود پر یقین نہیں ہے تو میرا تو اعتبار کرو رئیلی آئی لو یو..... فار ایور اینڈ ایور.....''

الحان کا پُر یقین اظہارِ محبت سعدہ خان کو ہارنے پر مجبور کر گیا۔ اس کی تعمیر کردہ دوریوں کی تمام دیواریں ایک پل میں ڈھے گئیں۔ اس کی بے بسی، اس کے لرزتے وجود سے عیاں تھی۔ اس بار اس نے خود کو سنبھالنے کے لیے اپنے گھٹنوں کا سہارا نہیں لیا تھا بلکہ الحان خان کے مضبوط کندھے اس کا سہارا بنے تھے۔

اس کے لرزتے وجود نے الحان کو بھی نئے احساسات سے روشناس کیا تھا۔ وہ ناقابلِ تسخیر ہستی آج اس کی فتح بن کر اس کی بانہوں کی پناہوں میں ٹوٹ کر بکھری تھی۔ سعدہ خان کی یہ شکست، اسے اپنی ہار لگی تھی۔ ابھی اسی لمحے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بنا نامکمل تھے۔ ان کے درمیان دوریاں ان کی اپنی اناؤں کی پیدا کردہ تھیں ورنہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے۔

الحان کے رگ و پے میں خوش کن احساسات لہو کے ساتھ ساتھ گردش کر رہے تھے، وہ سنعہ سے آئندہ کے پیمان باندھ کر اپنے درمیان تمام غلط فہمیوں اور رنجشوں کو ختم کرنے کا عہد کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے سنعہ، ہمارے درمیان ان سب رنجشوں کا باعث تمہاری یہ آنکھیں ہیں۔''

سنعہ کے سنبھلنے اور یقین کر لینے کے بعد الحان نے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس پر راز منکشف کیا۔

''اچھا.....! وہ کیسے؟'' حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''وہ ایسے کہ ان میں تیرتا سب کچھ فتح کر لینے کا نشہ، اچھے بھلے بندے کو پاگل بنا دیتا ہے اور مجھے تو تمہاری ان آنکھوں نے یونیورسٹی لائف میں ہی بہت ہرٹ کیا تھا۔ ہر بندے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے چٹکی میں اُڑا دینے کی ادا مجھے بالکل پسند نہیں تھی مگر تم نے اپنی اسی ادا سے مجھے ہی نہیں، نہ جانے کس کس کو ہرٹ کیا ہے، شاید ماما کو بھی، تبھی تو وہ تمہاری دشمن بنی ہوئی ہیں۔'' الحان نے صاف گوئی سے کہا۔

''تم پہلے انسان ہو جسے میری آنکھوں سے شکایت ہے۔ مجھے تو کبھی کسی نے نہیں کہا۔ ویسے الحان صاحب، آئینہ دیکھنا ضرور چاہیے، اپنے اندر کی تبدیلیوں کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ میری آنکھیں ان لوگوں کے لیے آئینہ ہیں جو اپنی پہچان بھول رہے ہوتے ہیں۔''

سنعہ کو اسے چھیڑنے میں مزہ آیا کیونکہ وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے تم خود یونیورسٹی میں کیا تھے؟ یہ بھول گئے ہو یا یاد دلاؤں؟'' وہ بے ساختہ ہنسی۔

''تھینک یو! اینڈ شٹ اَپ! مجھے اگر سب کچھ یاد آ گیا ناں تو نیا محاذ کھل جائے گا۔ مجھے تو وہی بات نہیں بھولتی کہ تم بارش میں بھیگتی ہوئی خضر کے ساتھ اس کی موٹر بائیک پر بیٹھ کر چلی گئی تھیں۔ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے پر تمہیں اعتراض تھا اور اس خبیث کے ساتھ موٹر بائیک پر..... میرا بس چلتا تو دونوں کو شوٹ کر دیتا۔'' الحان کے تصور میں پرانی یادیں تازہ ہوئیں تو وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

سنعہ کو آج اس کی یہ جذباتیت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ صفائی دینے والے انداز میں اسے مطمئن کرنے کی خاطر بولی۔

''خضر کو میں اچھی طرح جانتی تھی۔ میرا اس کی فیملی کے ساتھ ملنا جلنا بھی تھا جبکہ تم..... تمہیں ایسا کوئی موقع دینا خود کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہوتا۔ تم سے میری جس قسم کی

جھڑپیں ہوئی تھیں، انہیں مدِنظر رکھتے ہوئے میں تم سے خوفزدہ بھی رہتی تھی کیونکہ تم جیسے ماں باپ کے لاڈلوں کی نیچر کا بھی مجھے اندازہ تھا کہ ہر بات کو انا کا مسئلہ بنا کر اپنی توہین سمجھنے لگتے ہو اور بدلہ لینے میں بھی وقت نہیں لگاتے اور میرے اندازے سینٹ پرسنٹ درست نکلے۔''

سنعہ نے اس بار قدرے سنجیدگی اختیار کی۔

الحان بھی اس کی باتیں سمجھ کر کچھ مطمئن ہوا پھر اسے سنجیدگی سے باہر لانے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑا۔

''تم اور مجھ سے خوفزدہ؟ دل نہیں مانتا۔ تم تو مجھے ایک نظر ہی دیکھ لیتیں تو میں ڈر کر جان سے ہی گزر جاتا۔''

سنعہ نفی میں سر ہلا کر سنجیدگی سے بولنے لگی۔

''رئیلی، میں تم سے خوف زدہ رہتی تھی اور ایسا تم سے نکاح سے پہلے تک رہا ہے۔ ہم لڑکیاں کتنی بھی بہادر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اگلے کی حقیقت اس پر آشکارا کرنے والی کیوں نہ ہوں، تنہا کسی مرد کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ خوف زدہ رہتی ہیں۔ بہادری کا یہ خول تم جیسے مردوں سے بچنے کے لیے ہی خود پر چڑھاتی ہیں۔

میں سرخان کے ساتھ خود کو بہت محفوظ فیل کرتی تھی۔ ان سے مجھے ہمیشہ پدرانہ شفقت کا احساس ملتا تھا مگر تمہاری آمد کے بعد وہ احساس ہی مجھ سے چھن گیا۔ اس پر تمہارا حاکمانہ رویہ میرے خوف کو بڑھانے اور تمہارا اعتماد ختم کر دینے کے لیے کافی تھا۔ میڈم کی بدگمانیوں کا بھی مجھے علم تھا مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے انتقام لینے کے لیے تمہیں استعمال کریں گی اور تم بھی انہی کے ہم خیال ہو کر ان کے دکھائے ہوئے ہر منظر کو سچ سمجھنے لگو گے اور یونیورسٹی لائف کے معمولی معمولی جھگڑوں کو انا کا مسئلہ بنا کر سینٹ سنبھال کر رکھو گے اور موقع ملنے پر مجھ پر وار کرو گے۔

میں سمجھتی تھی، سرخان کے تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے تم میں بہت سی اچھائیاں بھی ہوں گی جو تمہاری نوجوانی کی کمزوریوں کو قابو کرنے میں کامیاب ہو چکی ہوں گی مگر تم نے مجھے اس روز دھوکا دے کر اپنے کمزور ہونے کا ثبوت دے دیا تھا اور پھر بعد میں تو سمجھو، تم نے خود ہی تصدیق بھی کر دی تھی کہ سرخان کے سامنے میرا مان، میرا خود پر زعم تک مٹی میں ملا ڈالا تھا۔ پھر بھی تمہاری ماما کہتی ہیں کہ وہ ''مجھے'' سرِ عام رسوا کریں گی، مجھے!'' سنعہ خان کو پھر سے بہت سی باتیں یاد آ گئیں جو اس کی آنکھیں بھگوتی چلی گئیں۔

الحان کے پاس آج اس کا درد محسوس کرنے کے لیے احساسات بھی تھے اور دلاسہ دینے

کے لیے الفاظ بھی۔

''آئی ایم ریئلی ویری سوری سوئیٹ ہارٹ! میں اس گئے وقت کی تلافی تو نہیں کر سکتا تمہارے سامنے، اس ایک لغزش کے لیے البتہ ساری زندگی شرمندگی محسوس کرتا رہوں گا اور پاپا کی محبت کا سایا بھی تمہیں ضرور ملے گا۔ اس دن کسی نے مجھے سنا ہی کب تھا۔ پاپا کی صحت جیسے ہی بہتر ہوگی، میں تمہارے اور اپنے بارے میں انہیں بتا دوں گا۔ ان کی ہارٹ پرابلمز بڑھ رہی ہیں۔ آئی تھنک، انہیں بائی پاس کے لیے جانا پڑے گا۔ بٹ یو ڈونٹ وری، پاپا تم سے بدگمان نہیں ہیں۔ ریئلی بلیوی!''

سعدہ نے ٹھہرے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ خشک لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے اس کی بات پر یقین کر لینے والے انداز میں سر ہلا کر اسے دیکھا۔

''مجھے امید ہے، ہم اپنی زندگی کی نئی اور پہلی صبح کو اپنی تمام کدورتیں اور رنجشیں بھلا کر خوش آمدید کہیں گے۔ آؤ عہد کریں کہ اب ہماری باقی زندگی اپنی چاہتوں کی نگہبانی میں گزرے گی۔''

الحان کا خوبصورت اور خوابناک لہجہ سعدہ کا اعتماد بحال کر گیا۔ اس کے لبوں پر ہی نہیں، آنکھوں میں بھی مسکراہٹوں کی کرنیں دمک اٹھی تھیں۔ اس نے پورے اعتماد کے ساتھ الحان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام کر تجدید عہد کیا۔

زندگی کی رعنائیوں پر اس کا بھی حق تھا اور اپنے حصے کی خوشیاں ملنے کا یقین بھی..... اسی لیے الحان کا مان دیتا وجود اس کے رگ و پے میں اطمینان بن کر اُترا تھا۔

☆=======☆=======☆

''ماما! حمی واپس آ گیا ہے اور آپ نے مجھے کہا کہ وہ ابھی نہیں آیا، کیوں؟''

نشاء کافی بگڑے موڈ کے ساتھ دوسرے دن اپنے والدین کے پاس سے آئی تھی اور آتے ہی رافیہ کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ فرحان خان اس وقت لاؤنج میں موجود تھے اس لیے رافیہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے نشاء کو بھی سنبھالنے کی کوشش کی۔

''تمہارا مطلب ہے، میں نے تم سے جھوٹ بولا؟ اگر وہ آیا ہوتا تو گھر میں نہ ہوتا اور مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا تھی؟''

''پاپا نے دیکھا ہے آج اسے، وہ اپنی اسی اسسٹنٹ کے ساتھ تھا۔ اس کا اس کے بغیر گزارہ نہیں تھا تو آپ نے میرے ساتھ اس کی شادی کیوں کی تھی؟''

نشاء نے اس بار بدتمیزی کا بھی مظاہرہ کیا جسے رافیہ کمال ضبط سے پی گئیں۔

''بیٹا! وہ گھر آتا تو مجھے معلوم ہوتا۔ شاید آج ہی آیا ہو اور سیدھا آفس چلا گیا ہو جان! تمہاری جگہ وہ ذلیل لڑکی لے سکتی ہے؟ کہاں تم اور کہاں وہ گھٹیا خاندان کی لڑکی.....؟''

''تین دن سے اس نے مجھے فون بھی نہیں کیا اور اپنا موبائل بھی آف کر رکھا ہے۔ اسے کوئی خیال ہے۔ میرا یا اپنی بیٹی کا..... دوستوں کا خیال اُترتا ہے تو بزنس اور آفس کا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ بس بہت ہو گیا، اپنے بیٹے سے کہیں، اپنے یہ چکر ختم کرے ورنہ بہت برا ہو گا۔''

وہ جس طرح دندناتی ہوئی ان کے کمرے میں آئی تھی، اسی طرح پیر پٹختی ہوئی نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد رافیہ کی ذہنی کیفیت پھر سے ابتر ہونے لگی۔

☆=======☆=======☆

''کیا کالج میں رہنا بہت ضروری ہے؟'' سعدہ نے سنجیدگی سے استفسار کیا کیونکہ الحان اگلے دن ہی سے اسے کالج میں شفٹ ہونے کے لیے مجبور کر رہا تھا۔ سعدہ جانتی تھی، کالج میں شفٹ ہونے کے بعد بہت ہنگامہ آرائیاں ہوں گی۔ جن لوگوں کو نہیں بھی معلوم تھا، وہ بھی جان جائیں گے۔ اندرونی طور پر وہ رافیہ اور نشاء کے کسی شدید ردِعمل سے خائف بھی تھی اس لیے دو دن سے اس کی بات مذاق میں ٹال رہی تھی، لیکن الحان کے بڑھتے اصرار پر اب وہ سنجیدگی اختیار کرنے پر مجبور تھی۔

''سب کے علم میں لانے کے لیے کہ تم میری بیوی ہو۔ ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ میں اعلانیہ طور پر تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تاکہ لوگوں کو ہمارے تعلق پر کیچڑ اچھالنے کا موقع ہی نہ ملے۔ میں تمہیں وہ عزت دینا چاہتا ہوں جو تمہارا حق ہے۔''

الحان نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی پھر کچھ سوچ کر قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔

''تم کالج میں شفٹ ہونے سے کیوں گھبرا رہی ہو؟ کیا ماضی کی ایک تلخ یاد کی وجہ سے؟''

سعدہ اس کی گہری سنجیدگی محسوس کر کے نفی میں گردن ہلانے کے بعد گویا ہوئی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ تلخیاں حالات کی پیدا کردہ ہوتی ہیں، جگہوں کی نہیں۔ اور پھر تلخیٔ حالات نہ ہو تو زندگی کی مٹھاس انسان محسوس ہی نہیں کر سکتا۔ زندگی بالکل سیدھی سپاٹ اور بے مزہ لگنے لگے..... مگر یہ بات بہت دیر میں سمجھ آتی ہے انسان کو۔'' اس کی مسکراہٹ پھیکی تھی۔

''پھر! اور کیا وجہ ہے؟ کیا لوگوں کو فیس کرنا مشکل لگ رہا ہے؟'' الحان نے بہت محسوس

کر کے پوچھا۔

''لوگوں سے زیادہ مجھے تمہاری ماما کا خوف ہے۔ میرے بارے میں ان کی سوچ بہت غلط ہے۔ میری فیملی کا تعلق جس کلاس سے ہے، تم اچھی طرح جانتے ہو۔ وہاں چھوٹی چھوٹی باتیں ایشو بن جاتی ہیں۔ جن لوگوں سے میری روز کی ڈیلنگ ہے، ان کے رابطے تمہاری ماما سے بھی ہیں۔ وہ لوگوں کو جس انداز میں بتائیں گی، وہ میری فیملی تک اس سے زیادہ برے طریقے سے پہنچے گا۔ چلو میں اپنی فیملی کے ری ایکشن کو فیس کر بھی لوں تو ان سب باتوں پر نشاء کا ری ایکشن کیا ہوگا، اس کے بارے میں سوچا ہے تم نے؟'' سعدہ نے اپنے خوف کا اظہار کر کے اس سے سوال کیا۔

''فار گیٹ اِٹ سویٹی! لوگوں کی باتیں، سب سوچیں، صرف کچھ وقت کے لیے ہوتا ہے، پھر سبھی بھلا دیتے ہیں۔ تمہاری شادی کے حوالے سے بہت سے لوگوں نے قیاس آرائیاں کر رکھی ہیں اور تقریباً وہی لوگ اس ہستی سے ملنے اسے دیکھنے کے لیے متجسس بھی اسی لیے ہیں کہ ان کے اندازے کس حد تک درست ہیں۔ اگر ان کے اندازے درست ہو جائیں گے تو ہمارا کیا جاتا ہے۔ ہم اپنی زندگی کے کسی معاملے کے لیے لوگوں کو جواب دہ نہیں ہیں اور تمہیں ماما یا نشاء سے بھی خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دونوں کچھ نہیں کر سکتیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں کسی سے بھی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے سویٹ ہارٹ! نشاء کو اگر مجھ پر حقوق حاصل ہیں تو تمہیں بھی تو ہیں۔ نشاء کو اپنی زندگی میں لانے کا فیصلہ میں نے تمہاری مرضی و اجازت سے کیا تھا، اب نشاء کو بھی میں چوائس دوں گا۔ اسے میں خود اپنے اور تمہارے بارے میں انفارم کروں گا پھر اس کا ری ایکشن دیکھوں گا۔ اگر وہ اسی طرح عزت کے ساتھ رہنا چاہے گی تو ٹھیک ہے ورنہ.....'' سعدہ کو اعتماد دینے کے لیے الحان نے اس کے سرد ہاتھوں کو تھام کر پوری سچائی سے کہا۔

سعدہ کو اس پر اعتبار تھا پھر بھی اس کے تصور میں ایک معصوم وجود در آیا۔ خود کو سنبھال کر اس نے الحان کو ناصحانہ انداز میں رائے دی۔

''حنی، کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی بیٹی کو ضرور یاد رکھنا۔''

''اسی لیے..... اسی لیے تو میں نشاء کو چوائس دوں گا۔ جس کا کوئی قصور ہی نہیں ہے، میں اسے کوئی سزا دینا بھی نہیں چاہتا، اور اس معاملے میں، میں تم سے کمپرومائز بھی چاہتا ہوں۔ آئی نو، تمہارا دل اور ظرف اتنا بڑا ضرور ہے کہ تم میری بیٹی کی خاطر میرے ساتھ یہ کمپرومائز کر لو۔''

''میں جب تمہارے ساتھ لائف شیئر کر رہی ہوں تو پھر ہماری زندگی کے دکھ سکھ بھی سانجھے ہیں۔ تمہیں تمہاری ذمے داریوں سے عہدہ برا ہونے سے میں کبھی نہیں روک سکتی کیونکہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ بروکن فیملی کے بچوں کے ساتھ ہمارا سسٹم کیا سلوک کرتا ہے۔'' سعدہ کی آواز کسی دکھ سے بوجھل ہوگئی۔

''تھینک یو!..... تھینکس اے لاٹ!'' الحان نے محبت و تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو آنکھوں سے چھو کر ہونٹوں سے لگایا، پھر جذب کے عالم میں اعترافیہ گویا ہوا۔

''مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے قرب میں اتنی راحت ہے تو پھر میں کسی اور طرف جاتا ہی نہیں۔ آؤ، اپنے گھر چلتے ہیں۔ مجھے تم سے وہ سب کہنا ہے جو میں کسی سے کہہ نہیں پایا۔ اپنے جذب دل کی شدتیں تم پر عیاں کر کے شاید میری روح کو قرار آ جائے۔''

اور پھر الحان کی وارفتہ محبت اسے زندگی کے نئے سفر پر مجبور کر گئی۔ اپنا ضروری سامان سمیٹتے ہوئے اس نے گومگو کی سی کیفیت میں سگریٹ پیتے الحان کو پکارا جو اسے ہی کام کرتے دیکھ رہا تھا۔

''حنی! کیا واقعی تم مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جا رہے ہو؟'' سعدہ کو پھر سے خدشات نے گھیرا تھا۔

الحان فوراً ہی سگریٹ مسل کر اس کی طرف بڑھا۔

''ا..... ے.....! اپنے نہیں، تمہارے گھر..... میری ماما کی یہ بات تمہیں بھی پسند آئے گی۔ وہ کہتی ہیں، گھر عورت کا ہوتا ہے، مرد کا نہیں اس لیے تو ان کے گھر پر ان کی حکمرانی چلتی ہے۔ تمہیں ابھی بھی مجھ پر کوئی شک ہے؟'' الحان نے اس کے ہاتھ سے ہینگر لے کر ایک طرف پھینکتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔ سعدہ کی آنکھوں میں نمی ہی نمی تھی۔

''کیا ہوا، کچھ غلط کہہ گیا ہوں میں؟''

''حنی! ان تین دنوں میں کئی بار مجھے احساس ہوا ہے کہ جیسے میں کوئی سہانا خواب دیکھ رہی ہوں۔ نیند سے جاگوں گی تو سب کچھ بکھر جائے گا۔'' سعدہ کی آنکھوں سے نمی چھلک پڑی۔

''ڈارلنگ، تمہارا اور میرا..... آئی مین، ہمارا ملن خواب نہیں، حقیقت میں ہوا ہے اور یہ میری زندگی کی تو بہت ہی سچی حقیقت ہے۔ تمہیں اب یہ بے یقینی کیوں ہو رہی ہے؟ مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں آج بھی تمہارے پاس ہوں اور ہمیشہ تمہارے پاس رہوں گا۔ سوائے خدا

کے، اب ہمیں کون جدا کر سکتا ہے؟'' الحان نے اس کی آنکھوں کی نمی کو بہت نرمی سے جذب کیا۔

''اگر تمہاری..... ما..... مانے تمہیں مجبور کیا تو؟ اب میں تم سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ جو شے حاصل نہ ہو، اس کے بچھڑنے یا کھونے کا ملال نہیں ہوتا، مگر کچھ پانے کے بعد کھونا کبھی کبھی جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ پلیز، مجھے اپنا عادی بنا کر راہ میں چھوڑ نہ جانا۔ اب میں کچھ بھی سہہ نہیں سکتی۔ میں پاگل ہو جاؤں گی یا پھر.....''

سنعہ پہلی بار جذب دل کی شدتیں عیاں کر رہی تھی۔ الحان کے جسم و جاں میں خوشگواریت لہرائی۔ اس کی یہ تمنا کتنی مدت بعد بر آئی تھی۔ سنعہ کا اعتراف محبت اسے سرشار کر گیا۔

☆=======☆=======☆

وہ تیسرے دن ''فرحان ہاؤس'' میں داخل ہوا تو سب کچھ اجنبی لگ رہا تھا۔ اسے آج ہی آفس سے اطلاع ملی تھی کہ اس کے پاپا کی طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے انہیں باہر بھجوا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنا پتا ٹھکانا کسی کو نہیں دیا تھا اور رافیہ تو ویسے ہی اس سے ناراض تھیں لیکن پھر بھی وہ اس کے موبائل پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی رہی تھیں۔ نشاء بھی شاید ٹرائی کر رہی تھی مگر اس نے اپنا موبائل آف کر رکھا تھا۔ سنعہ کے گھر کا فون بھی اس نے بند کر دیا تھا اور کاٹج شفٹ ہو کر بھی رابطہ منقطع کر رکھا تھا۔ اس کی ساری توجہ صرف سنعہ کو اعتماد کی دولت فراہم کرنے پر تھی۔ وہ سنعہ کو خدشات سے پاک خوشی کے امر لمحے دینا چاہتا تھا۔

اب یہاں آ کر وہ عجیب احساسات میں اس لیے گھر گیا تھا کیونکہ ماحول پر جامد سناٹا طاری تھا اور در و دیوار سے بھی وحشت ٹپک رہی تھی۔ اسے اپنے فعل پر پچھتاوا نہیں تھا البتہ رافیہ کے گزشتہ رویوں سے وہ کچھ خائف ضرور ہو رہا تھا کیونکہ اسے ان کی جذباتیت کا بھی اندازہ تھا۔ ان کا آخری حربہ خود کو اذیت دینے کا ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے کانوں میں گھر میں داخل ہوتے ہی ان کی آخری دھمکیاں بھی گونجنے لگی تھیں۔ انہیں ٹی وی لاؤنج میں دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی۔

''السلام علیکم ماما!'' الحان کچھ سوچتا ہوا ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

رافیہ تو پہلے اسے دیکھ کر چونک اٹھیں اور پھر ایک دم کھڑی ہو کر دھاڑیں۔

''تم یہاں.....! اب یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

''ماما! کیا میں یہاں نہیں آ سکتا؟'' الحان نے حیرت سے پوچھا۔

''آ سکتے ہو مگر اس چڑیل کو چھوڑ کر، ورنہ اس گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم مجھے اس دن کیا کہہ کر گئے تھے کہ میں تمہیں اپنا بیٹا نہ سمجھوں۔ اب میں تمہیں کہتی ہوں، جب تک وہ جادوگرنی تمہارے ساتھ ہے، تمہیں مجھے ماما کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

انہوں نے جس سنگدلی سے کہا تھا، الحان لب بھینچ کر رہ گیا۔ پھر قدرے تحمل سے باپ کے بارے میں استفسار کیا۔

''ماما! پاپا کی طبیعت.....''

''کوئی رشتہ نہیں ہے تمہارا ہم سے۔ کہہ دیا ہے نا تمہیں۔ یہاں آنا ہے تو اس سے اپنا رشتہ ختم کر کے آؤ ورنہ.....'' رافیہ کے چہرے پر تناؤ تھا۔

اس نے اپنی ماما کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔ آج وہ ان کی کسی جذباتی بلیک میلنگ کے زیر اثر نہیں آنا چاہتا تھا۔

''میں نشاء سے بات کرنے آیا ہوں۔ نشاء کہاں ہے؟ کیا وہ اپنے گھر چلی گئی ہے؟''

''نشاء سے کیا بات کرو گے تم، پہلے مجھ سے بات کرو۔ تم جس کے لیے ماں کا دل دکھا رہے ہو دیکھنا، ایک دن سب کچھ سمیٹ کر لے جائے گی اور پھر تم روتے پیٹتے ہوئے یہاں آؤ گے۔ الحان! ابھی بھی سنبھل جاؤ۔ نشاء کو ابھی آدھی ادھوری بات کا علم ہوا ہے تو وہ آپے میں نہیں ہے۔ اگر وہ سب کچھ جان گئی تو سوچو، انجام کیا ہوگا۔ خاندانی لوگوں میں اس طرح کے معاملات انا کے مسئلے بن جاتے ہیں۔ تم دو ٹکے کی عورت کے لیے دو خاندانوں کو رسوا کرو گے؟ تمہیں اپنی بیٹی کا خیال بھی نہیں ہے۔ کل کو وہ بڑی ہوگی تو کیا سنے گی تمہارے بارے میں کہ تم.....''

ہمیشہ ان کی باتیں ماننے والا ان کے اشاروں پر چلنے والا آج ان کے قابو سے باہر تھا اسی لیے وہ سلگ رہی تھیں۔ الحان کو پھر سے گھیرنے کے لیے انہوں نے اپنے سابقہ لب و لہجے کا استعمال کیا۔ انہیں کسی بھی طرح اپنی ضد منوانا تھی۔

''ماما! سنعہ خان جیسی بھی ہے، اب میری بیوی ہے اور یہ سب تو آپ کو بھی سوچنا چاہیے تھا کہ اس سارے کھیل کا انجام کیا ہوگا۔ میں نے آپ کو بتا دیا تھا کہ میں نے سنعہ سے نکاح کر لیا ہے اور میں اسے چھوڑنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔ پھر بھی آپ نے نشاء کو پرپوز کیا اور میری کوئی بھی بات نہ سمجھتے ہوئے مجھے شادی کے لیے مجبور کر دیا۔ آپ یاد کریں، اس سے بھی پہلے آپ نے مجھے سنعہ میں انٹرسٹ لینے کی ترغیب دی تھی۔ آپ اس وقت یہ کیوں بھول گئی تھیں کہ اگر میں واقعی سنعہ میں انوالو ہو گیا تو اس کا انجام کیا ہوگا یا پھر ہمارے اس

کھیل میں اُس رات کا قصہ اگر زبانوں پر آجاتا تب بھی تو آپ کے خاندان کی عزت مٹی میں مل جاتی۔ میرے کسی عمل کے جواب میں سعدہ بھی ردِعمل دکھا سکتی تھی اور اس میں اتنی ہمت بھی تھی مگر اس نے اتنا عرصہ ہماری عزت بچانے کے لیے اپنی زبان بند رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اسے کمزور سمجھ کر اس سے جینے کا حق بھی چھین لیں۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اگر وہ صرف پاپا کو ہی بتا دیتی کہ میں نے آپ کے ایماء پر اسے ٹریپ کیا تھا تو پاپا کیا کرتے؟''

الحان نے بہت تحمل سے انہیں ان کی کوتاہیاں یاد دلانے کی کوشش کی مگر رافیہ سمجھنے والوں میں سے کہاں تھیں، مزید بھڑک اٹھیں۔

''تمہاری اپنی نیت میں خلل تھا تبھی تم میرے ہمدرد بن گئے تھے۔ اگر تم اس کی وکالت کرنے آئے ہو اور سمجھتے ہو کہ تمہاری خاطر میں اسے قبول کرلوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ آئندہ یہاں آؤ تو اس Bitch سے ہر تعلق توڑ کر آنا..... ورنہ.....'' وہ غصے سے پھر پھنکاریں۔

''میں یہاں رہنے بھی نہیں آیا ماما! آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں اب سعدہ کے ساتھ کاٹیج میں شفٹ ہو گیا ہوں۔ میں یہاں صرف نشاء سے بات کرنے آیا ہوں۔ اسے بتانے بلکہ اس سے پوچھنے کہ یہ جاننے کے بعد کہ سعدہ اب ایزاے وائف میرے ساتھ رہے گی، وہ میرے ساتھ رہنا چاہے گی یا.....''

الحان کی بات ادھوری رہ گئی۔ نشاء پھٹ پڑنے والے انداز میں چیختی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں یہ سب جاننے کے بعد تمہارے ساتھ رہنا چاہوں گی؟ تم نے مجھے چیٹ کیا ہے الحان خان! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

الحان بھی چونک کر پلٹا۔ لگتا تھا، وہ کہیں باہر سے آئی ہے یا پھر جانے کے لیے تیار ہے۔

''آئی تھنک، تمہیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔''

''سب کچھ؟ ہاں، سب کچھ! تمہارے جھوٹ، تمہارے فریب، تمہارے سارے کارنامے منظرِ عام پر آگئے ہیں الحان خان! تم کیا سمجھتے تھے، مجھے کبھی معلوم نہیں ہوگا۔ تمہاری راتوں کی غیر حاضریاں، تمہاری مجبوریاں، تمہاری عیاشیوں کی کہانیاں کبھی مجھ تک نہیں پہنچیں گی؟''

نشاء بھی غصے میں لال پیلی ہو گئی تھی۔ الحان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کس طرح سمجھائے۔

''سنو نشاء! اگر تمہارے علم میں سبھی باتیں آ چکی ہیں تو تم یقیناً یہ بھی جان گئی ہو گی کہ میں نے سعدہ سے کن حالات میں شادی کی تھی اور تمہیں میں نے نہیں، ماما نے چیٹ کیا ہے۔ یہ جانتی تھیں کہ میں نے سعدہ سے نکاح کر رکھا ہے، پھر انہوں نے.....''

الحان نے خاموش کھڑی رافیہ کو الزام دیتی نظروں سے دیکھا۔ وہ آرام و تحمل سے سارا معاملہ سلجھانے آیا تھا مگر نشاء آپے سے ہی باہر تھی۔

''یس! میرے علم میں آ چکا ہے کہ تم سب کے سب دھوکے باز، فراڈیے ہو مگر یاد رکھو، میں اس دھوکا دہی پر تم لوگوں کو سبق سکھا کے رہوں گی۔ تم ماں بیٹے نے سمجھا ہو گا کہ میرے ذریعے میری دولت و جائیداد بھی حاصل کرلو گے اور مجھے اندھیرے میں رکھ کر اس کمینی ذلیل گھٹیا عورت کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے رہو گے تو ایسا میں نہیں ہونے دوں گی۔''

''شٹ اَپ نشاء!''

الحان سے اس کی بدتمیزی برداشت نہیں ہوئی جبکہ رافیہ گم صم یک ٹک مہذب سی نشاء کی غیر مہذب گفتگو کو حیرت سے سن رہی تھیں۔

''مجھے نہ تمہاری ضرورت ہے اور نہ تمہاری دولت و جائیداد کی۔ میں صرف اپنی بیٹی کی خاطر تم سے کمپرومائز کرنے آیا تھا لیکن تم.....''

''بیٹی.....! اوہ، یاد ہے تمہیں کہ تمہاری ایک بیٹی بھی ہے؟ اس چیپ عورت کے ساتھ شادی کرتے ہوئے تمہیں بیٹی کا خیال نہیں آیا تھا؟ تم سمجھ رہے ہو گے کہ تم مجھے بیٹی کے ذریعے بلیک میل کر کے خاموش رہنے پر مجبور کر دو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے الحان.....!'' وہ غصے میں جذباتی ہو رہی تھی۔

''نشاء..... بیٹا! اس طرح معاملات نہیں سنبھلتے۔ میں مانتی ہوں، تمہارے ساتھ بہت زیادتی ہو گئی ہے مگر یقین کرو، تمہارے لیے میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ اس سے نادانی میں ایک بھول ہو گئی تھی لیکن وہ لڑکی بڑی شاطر نکلی۔ اس نے اسے اس طرح پھانس لیا کہ باوجود کوشش کے، اس جونک نے ہماری جان نہیں چھوڑی مگر تم اب فکر نہ کرو، تم جیسا کہو گی، یہ ویسا ہی کرے گا۔ ایک معمولی لڑکی کو یہ تم پر فوقیت نہیں دے سکتا۔ تم ہمارے خاندان کی عزت ہو۔ تمہاری کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ وہ..... وہ صرف ایک وقتی بھول ہے۔ جب ہم اس کی بھول کو قبول نہیں کر رہے تو اسے بھلانے میں کتنی دیر لگے گی۔ بیٹا! جذبات سے نہیں

عقل سے کام لو۔"

الحان اپنی ماما کی باتیں استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ سن رہا تھا کہ وہ اب تک اس کی طرف سے غلط فہمی کا شکار تھیں۔ وہ اب ان کی جذباتی محبت کی حدود سے بہت دور نکل چکا تھا۔

وہ نشاء کو مصلحت کوشی سکھا رہی تھیں۔ نشاء طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مزید بھڑک اٹھی۔

"ایسا ہی معصوم ہے نا آپ کا بیٹا جس سے بھول ہوگئی۔ دودھ پیتا بچہ ہے کیا یہ جس کی انگلی پکڑ کر وہ ساتھ لے گئی اور زبردستی شادی کر لی آپ کے انوسنٹ چائلڈ سے؟ مجھے اب یہ چکر بازیاں مت دیں مائی ڈیئر مدران لاء..... میں ابھی، اسی وقت اپنے پاپا کے پاس جا رہی ہوں، پھر دیکھوں گی آپ لوگوں کا تماشا۔"

"شٹ اَپ نشاء! کنٹرول یور سیلف، ورنہ....." الحان نے دانت بھینچ کر خود پر جیسے ضبط کیا۔

"و..... ر..... نہ..... ورنہ کیا؟ کیا کرو گے اب تم؟ ایک چیپ عورت کو میرے حقوق دے رہے ہو۔ اس کی خاطر تم مجھے چھوڑ ہی سکتے ہو نا، اس سے زیادہ کیا کرو گے؟ یہی اوقات ہے تمہاری اور تمہارے خاندان کی۔ بازاری عورتوں سے دل بہلاتے رہنا اور....."

نشاء کی بات الحان کے زناٹے دار تھپڑ نے پوری نہ ہونے دی۔ پہلے تو وہ چند ثانیے ششدر کھڑی رہ گئی اور پھر وہ بپھری شیرنی کی طرح اس کے مقابل آ گئی۔

"تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، مجھ پر..... میں..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ اسے کبھی کسی نے گرم نگاہ سے بھی نہیں چھوا تھا۔ الحان نے اسے تھپڑ مار کر اس کے اندر کے طوفان کو مزید مشتعل کر دیا تھا۔ وہ الحان کا گریبان پکڑ کر مغلظات بکنے لگی تھی۔ اسے دھمکیاں دے رہی تھی۔

الحان کے لیے یہ تماشا نیا ہی نہیں، ناقابلِ برداشت بھی تھا۔ اس کی کلائیاں پکڑ کر زور دار جھٹکا دے کر اسے دور دھکیلا۔ وہ صوفے پر جا گری۔

"سنو نشاء! تم میری بیٹی چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر جا سکتی ہو۔ ڈائیورس پیپر تمہیں وہیں مل جائیں گے۔ ناؤ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔"

نشاء نے اس کا گریبان پکڑ کر اس کی انا و مردانگی کو چھیڑا تھا۔ اب تک وہ مصلحت کوشی سے کام لے رہا تھا لیکن نشاء کے رویے نے اسے حتمی فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سرد و سنگین

لہجے میں کہی بات پر نشاء پھر سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

"تمہاری بیٹی؟ اس بھول میں مت رہنا کہ میں اپنی بیٹی تمہارے حوالے کروں گی۔ ہرگز نہیں۔ میں ابھی اپنی بیٹی کے ساتھ یہاں سے جا رہی ہوں۔ میں تھوکتی ہوں تم پر اور تمہارے گھر پر..... آیا! آیا!" نشاء بھی فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہوئی اور پھر بیٹی کی آیا کو چلا چلا کر پکارنے لگی۔

"نشاء! تم فضہ کو نہیں لے جا سکتیں۔" الحان نے غصے سے مداخلت کی۔

"تم مجھے روک کر دکھاؤ۔" نشاء نے آیا کی گود سے فوراً فضہ کو جھپٹ لیا۔

"نشاء، اس طرح مت جاؤ۔ ہم مل کر کوئی حل سوچتے ہیں۔" رافیہ نے بھی اپنی کوشش کی۔

"اب کیسا حل..... آپ نے جانتے بوجھتے میری زندگی برباد کی ہے۔ میں اب آپ کو بھی سکون سے نہیں رہنے دوں گی۔ میں تم سب کو برباد کر دوں گی۔ دیکھ لینا۔"

نشاء بنا سوچے سمجھے بولتے ہوئے باہر نکل گئی۔ الحان اس کے پیچھے نہیں گیا۔ محض غصے میں اس نے بیٹی کو روکنے کی کوشش کی تھی ورنہ وہ دل سے نشاء سے اس کی بیٹی کو الگ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

نشاء کے نکلتے ہی رافیہ پھر سے اس سے الجھ پڑی تھیں۔ وہ اپنے گھر کی بربادی کا الزام سنعہ کی ذات کو ٹھہراتے ہوئے اس پر کیچڑ اچھالے جا رہی تھیں۔ اپنی دھمکیوں کو دہرا رہی تھیں۔ الحان کی چپ نے آخر انہیں کوسنے اور بددعائیں دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ بے بس ہو کر وہ وہاں سے ہی نکل آیا۔

☆=======☆=======☆

الحان نے اگلے دن ہی آفس میں اپنے اور سنعہ خان کے تعلق کو واضح کر کے اعتراف و اعلان کر دیا تھا کہ سنعہ خان نے اسی سے شادی کی تھی۔ جن لوگوں کے اندازے اور قیاس درست ہوئے تھے، وہ بھی حیرت زدہ تھے کہ بظاہر اس شادی کو چھپانے یا خفیہ رکھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال اس کے اعترافیہ اعلان سے جہاں سنعہ خان کو حوصلہ اور تقویت ملی تھی، وہیں اسے الحان خان کی بڑھتی پریشانیوں کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ نشاء اور اس کے والدین نے ایک ہنگامہ اٹھا رکھا تھا۔ الحان نے اسے ڈائیورس دینے کی محض دھمکی دی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کے مستقبل کی خاطر اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کو تیار تھا مگر وہ اور اس کے والدین نہ کچھ مان رہے تھے نہ سن رہے تھے بلکہ مسلسل اس کی تذلیل کیے جا رہے تھے۔

الحان کو احساس تھا، اس ساری صورتِ حال سے سعدہ کس قدر کشمکش کا شکار تھی۔ وہ زبان سے اسے حوصلے کی تلقین کرتی تھی مگر خود اندر سے بے یقین و بے حوصلہ ہو رہی تھی۔ اسے ابھی مکمل اعتبار کب آیا تھا۔ وسوسے ابھی بھی اس کے چہرے پر ہراس بن کر پھیلتے سمٹتے رہے تھے۔ شاید وہ سوچتی رہتی تھی کہ الحان بیٹی کی خاطر، نشاء اور اس کے والدین اور اپنی ماما کا مطالبہ مان کر اسے چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔

وہ غلط سوچتی تھی۔ الحان اب اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی محبت کو جن صبر آزما مراحل سے گزر کر حاصل کیا تھا، اسے پانے کے بعد اسے کھونے کا حوصلہ اور ہمت اس میں نہیں تھی۔ نشاء کو اس نے اپنی نادانی اور کم ہمتی کی وجہ سے اپنایا تھا۔ اپنی جھوٹی انا کے دائروں میں الجھ کر اس نے سعدہ خان کی محبت کو جھٹلانے کے لیے اپنی ماما کی ضد پوری کی تھی ورنہ دل کے کسی کونے میں مسلسل احتجاج ہوتا رہا تھا۔ بیٹی کی محبت بھی اس کے دل میں موجود تھی مگر اب نشاء کی زبان و بیان کے جوہر کھلنے کے بعد وہ ساری زندگی اسے رسمی رفاقت بھی نہیں دے سکتا تھا اس لیے اس نے اپنے لیے اپنی محبت کا انتخاب کر لیا تھا۔ اسے معلوم تھا، بیٹی آخر اسی کے پاس آئے گی۔ نشاء جیسی ہستی سے اسے مستقل مزاجی کی توقع و امید نہیں تھی اس لیے اس نے سعدہ کو چھوڑنے کی بجائے نشاء کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو یا اسے۔

رافیہ کے لیے بھی یہ گہری شکست تھی۔ انہوں نے الحان سے قطع تعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔

الحان کو معلوم تھا، اس کی ماما کا ردِعمل ایسا ہی ہوگا۔ ان کی سوچیں جو الٹ ہو گئی تھیں۔ اس وقت اسے صرف اپنے پیار کی نئی دنیا بسانے کی فکر تھی۔ اسے سعدہ خان کو وہ تمام خوشیاں دینے کا جنون سوار رہتا تھا جو وہ اسے نہیں دے پایا تھا۔

''الحان، میں نے اس طرح تو نہیں چاہا تھا۔ میں اپنی خوشیوں کا حصول کسی کو آنسو دے کر تو نہیں چاہتی تھی۔ نہ ہی کسی کی بددعائیں سہنے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔ غلطی تو میری، تمہاری تھی اور سزا نشاء.....''

سعدہ کے اندر کا موسم باہر کے موسم سے زیادہ جل تھل تھا۔ وہ اپنے بیڈروم کی کھڑکی میں کھڑی بھیگی آنکھوں اور پُرنم آواز کے ساتھ پلٹ کر سر جھکا کے بیٹھے الحان سے مخاطب تھی جو کچھ دیر پہلے ڈائیورس پیپر پر سائن کر کے آیا تھا۔ سعدہ کی بوجھل آواز پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''سعدہ! پلیز لیو دس۔''

''حتیٰ! تم اندازہ نہیں کر سکتے، اب کس قسم کی باتوں کو فیس کرنا پڑے گا۔ لوگ کہیں گے، میں نے نشاء کا گھر برباد کر دیا۔ غلطی میری ہی ہے کہ میں اس وقت کمزور پڑی جب تم سے ایک نہیں، دو ہستیاں وابستہ ہو چکی تھیں۔ تمہاری ذات پر ان کا حق زیادہ تھا جبکہ میں تو.....''

''پلیز سعدہ! ایسی بات مت کرو۔ تمہاری اس معاملے میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ تم خود کو الزام دے کر پریشان مت ہو۔ نشاء اور میرے درمیان رشتے کو ابھی نہیں تو کبھی تو ٹوٹنا ہی تھا کیونکہ ہم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے وفا نہیں تھی۔ مجھے تو اس سے نباہ کرنا دشوار لگنے لگا تھا۔ تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ پھر بھی میں مطمئن ہوں، میں نے اپنی پوری کوشش کی تھی مگر وہ خود راضی نہیں تھی۔ وہ جو چاہتی تھی، وہ میرے لیے ممکن نہیں ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ اتنے سالوں بعد تو مجھے اپنے بے تاب جذبوں کو پُرسکون رکھنے کا ذریعہ ملا تھا۔ کیا میں ایک ضدی اور انا پرست عورت کی خاطر پھر سے زندگی بھر کا اضطراب خرید لیتا؟''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سعدہ کے قریب گیا، پھر اسے کندھوں سے تھام کر آہستہ سے بولا۔

''تمہیں معلوم ہے سوئٹ ہارٹ، مرد کس سے 'وفا' کرتا ہے؟''

سعدہ نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

''جس کی طلب اس کے جسم و جاں میں نہیں، روح میں بھی اٹھے..... جسے پانے کی لگن اسے اپنے آپ سے بھی بے گانہ کر دے..... جس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار رہے حتیٰ کہ جان دینے کو بھی..... اور ایسا میں نے صرف اور صرف تمہارے لیے محسوس کیا ہے۔ اس کا احساس تو شاید مجھے تمہیں پہلی نظر دیکھ کر ہی ہوا تھا کہ تمہی میرے دل و روح کی پہلی خواہش ہو۔ تمہی ہو جس سے قلب کے تار ازل سے بندھے ہیں۔ تمہیں کھونے کا حوصلہ مجھ میں نہیں تھا اسی لیے تو تمہیں اس رات اپنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اگر تمہارے ہمیشہ کے لیے کھو جانے کا خوف نہ ہوتا تو کیا میں تمہیں شادی کی آفر کرتا؟

یہ تمہاری محبت ہی تھی جس نے مجھے میرے غلط ہونے کا احساس دلا دیا تھا۔ تم ہمیشہ بس یہ یاد رکھنا کہ الحان خان دنیا میں ہر سچ کو جھٹلا سکتا ہے مگر محبت کو نہیں..... کیونکہ محبت بہت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ انا کی ہر بلند دیوار کو پل میں مسمار کر دیتی ہے.....

محبت جب ایک بار سرزمین دل پر آبیاری کر دیتی ہے تو سدا بہار رہتی ہے۔ کوئی موسم

ہو، کیسی بھی ہوا ہو، خزاں نہیں چھاتی۔ کوئی اس نخلِ بہاراں کو اکھاڑنے کی کوشش بھی کرے تو نہیں اکھڑتی بلکہ اس کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہو کر جسم و جاں سے روح میں پھیل جاتی ہیں اور پھر ساری زیست کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ میری روح، میرے جسم و جاں کی بہار اور تازگی تم سے، تمہارے دم سے ہے۔ میں ہر بات، ہر دکھ سہہ سکتا ہوں مگر تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہوا، ایسے ہی ہونا تھا۔ سب بھلا دو، صرف میری محبت کو یاد رکھو۔''

الحان کے لفظوں میں سچائی بھی تھی اور جذبوں کی شدت بھی۔ اس کا واضح اظہار سعدہ خان کے وجود میں زندگی بن کر دوڑ اٹھا تھا۔ زیست میں اس سے زیادہ کی تمنا کب تھی۔

☆=======☆=======☆

اس کے اور نشاء کے قطع تعلق کے بارے میں اس کے بھائیوں اور بھابیوں کو بھی علم ہو گیا تھا۔ سبھی نے اسے لعنت ملامت کی تھی۔ کوئی بھی اسے نہیں سن رہا تھا اور وجہ صرف رافیہ ہی تھیں جو اس کے خلاف سب کو بھڑکانے کے ساتھ خود اذیتی اور تنہائی کا بھی شکار تھیں۔ وہ نہ تو اسے لاتعلق رہنے دے رہی تھیں اور نہ اسے اپنے پاس برداشت کر رہی تھیں۔ فرحان خان کو بھی انہوں نے نشاء کو طلاق دینے کے بارے میں بتایا تھا لیکن انہوں نے کسی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ الحان، سعدہ خان سے شادی پہلے ہی کر چکا تھا۔ ان میں جو رشتہ تھا، وہ ناجائز نہیں، جائز ہے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید باپ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر ہی الحان اپنا ارادہ و فیصلہ بدل دے گا مگر اس پر کوئی اثر نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ ان کی خبر گیری کی کوشش ضرور کرتا تھا اور وہ ہر بار اسے دھتکار کر گھر سے نکال دیتی تھیں۔

الحان کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ اپنی ماما کو کیسے سمجھے یا سمجھائے۔ اس کی اپنی زندگی میں ذمے داریاں بڑھ رہی تھیں۔ نئے موڑ آ چکے تھے اور وہ اپنی زندگی سے مطمئن بھی ہو چکا تھا۔ سعدہ کے ذریعے اسے زندگی کی بڑی خوشی پھر سے میسر آنے والی تھی اس لیے اس نے سب کی پرواہ کرنا چھوڑ دی تھی اور اس کی ساری توجہ صرف سعدہ کی طرف ہی تھی۔

''سعدہ! تمہارا اس حالت میں آفس جانا ضروری نہیں ہے۔''

الحان کئی دنوں سے اسے یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ ہر صبح اپنے معمول سے آفس کے لیے تیار رہتی تھی۔

''میں تمہاری بات مان لیتی اگر تم میری بات مان چکے ہوتے۔''

''کون سی بات؟ ہر بات تو مانتا ہوں تمہاری۔'' وہ زچ ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''مگر ایک بات نہیں مانتے ہو۔ کب سے کہہ رہی تھی کہ بزنس کو سنجیدگی سمجھو۔ خود فیصلے

کیا کرو۔ پہلے میری ضد میں سیریس نہیں تھے، اور اب.....''

''تمہاری محبت نے سیریس نہیں ہونے دیا، یہی کہنا چاہتی ہوں ناں؟ تو مجھے کب انکار ہے۔''

الحان نے اس کی بات کاٹ کر دلچسپی سے اسے دیکھا اور بھرپور انداز میں مسکرایا۔

''تو اب انجام بھی بھگتو۔ کام تو مجھے ہی کرنا ہے، کمپنی کو loss میں جاتے تو نہیں دیکھ سکتی۔ کتنا کہا تھا، کچھ سیکھ لو۔ اب مجھی سے شکایت ہے۔ آفس نہ جاؤں تو کیا کروں؟'' سعدہ نے نیم دراز ہوتے ہوئے اسے قدرے خفگی سے دیکھا۔

''مجھے کمپنی کا نقصان قبول ہے لیکن اس چکر میں تمہاری صحت ڈاؤن ہو جائے، یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ بس میں نے کہہ دیا ہے کہ کل سے تم آفس نہیں جا رہی ہو۔''

''تو پھر کام کون کرے گا؟'' سعدہ اس کی دھونس پر حیرت زدہ ہوئی۔

''ہو جائے گا کام بھی۔ ڈونٹ وری، میں مین ٹین کر لوں گا کسی بھی طرح۔''

''وہی تو پوچھ رہی ہوں، کیسے؟ تم اپنے لیے اسسٹنٹ رکھنے پہ بھی راضی نہیں ہو۔''

''نہیں چاہیے ناں کوئی بھی اسسٹنٹ، ایک تم کافی نہیں ہو مجھے اسسٹ کرنے کے لیے۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''یہی تو اصل پرابلم ہے۔ پھر میں کیا کروں؟ میرے بارے میں اتنا فکر مند بھی مت ہو۔ ویسے بھی تم اوور پوزیسو (Over Possessive) ہو رہے ہو۔ ڈلیوری میں ابھی چار ماہ باقی ہیں۔ یہ پراجیکٹ شروع ہے، اسے پورا کرنے دو، پھر میرے آرام کے بارے میں بات کریں گے۔ اوکے، ابھی سو جاؤ۔''

''جب ڈاکٹر تمہیں ریسٹ کے لیے کہہ رہی ہے تو تم ریسٹ کرو ناں؟''

''جب ریسٹ کا ٹائم آئے گا، تب ریسٹ بھی کر لوں گی۔ تمہیں معلوم تو ہے، میں فارغ رہ کر ڈپریس ہو جاتی ہوں۔''

''تم نے کبھی میری بات مانی بھی ہے؟''

الحان گود میں رکھا تکیہ سر کے نیچے لے کر سیدھا لیٹ گیا۔ لہجے میں شدید ناراضگی نمایاں تھی۔ اسے جب سے علم ہوا تھا کہ سعدہ اس کے لیے ایک خوبصورت تحفہ تخلیق کر رہی ہے، تب سے وہ اس کے لیے مزید چاہت اپنے دل میں محسوس کرنے لگا تھا۔ نئے انوکھے جذبات کی ترنگ اس کے وجود میں اٹھتی رہتی تھی اور اسے سعدہ کا خیال رکھنے پر بے کل رکھتی تھی۔ وہ کسی چاہنے والی ساس کی طرح ہمہ وقت سعدہ کو ہدایات سناتا رہتا تھا جن پر عمل کرنا سعدہ کے لیے

فی الحال ممکن نہ تھا۔

''اب کم از کم ایک ماہ تو کام کرنے دو، پھر جیسے تم کہو گے، ویسے ہی کروں گی۔'' سعدہ نے اسے منانے کی کوشش کی۔

''تم اپنی مرضی کی مالک ہو، میں تمہیں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''اچھا بابا، لنچ ٹائم تک کام کرنے دو، لنچ کے بعد آفس نہیں جایا کروں گی۔ اب خوش ہو جاؤ۔''

''سعدہ، رئیلی! میں نے ایسی عورت پہلی بار دیکھی اور سنی ہے جو اس حالت میں بھی آرام کی بجائے کام کو ترجیح دیتی ہے ورنہ تو عورتیں طرح طرح کے بہانے ڈھونڈ کر بستر سنبھالنے میں دیر نہیں لگاتیں۔ میں نے اپنی بھابیوں کو ہی دیکھا ہے۔ وہ تو اٹھ کر پانی تک خود نہیں پیتی تھیں اور ماما تو الگ ان کے ناز نخرے اٹھانے کے بہانے ڈھونڈتی تھیں۔''

''ڈیئر ہزبینڈ، میں ایک ورکنگ وومن ہوں اور میرے پاس ساس نامی خوش فہمی بھی نہیں ہے جو میرے ناز نخرے سہہ کر میری زندگی میں خوشگوار یادوں کا اضافہ کر سکے۔ مجھے کام کرتے رہنے کی افادیت کا اندازہ ہے۔ کام کرنے والا بندہ جب فارغ رہنے لگتا ہے تو اس کے ذہن میں خیالات بھی اوٹ پٹانگ قسم کے آنے لگتے ہیں جو کہ بندے کو نارمل نہیں رہنے دیتے ہیں اور آنے والی اولاد پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ تمہیں ایڈجسٹمنٹ میں کتنی پرابلم ہو گی۔ جب مجھے ضرورت محسوس ہو گی، میں آرام کر لوں گی۔ اوکے!''

سعدہ نے اسے متانت سے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ دلکشی سے مسکرا دیا۔

''او.....ہو.....! میرا بہت خیال ہے تمہیں۔''

''تمہارے خیال نے ہی تو پھنسایا ہے۔''

''اوکے، تم ابھی اپنی مرضی کر لو، پھر میں تم سے پوچھوں گا۔''

الحان نے اسے محبت بھری وارننگ دی تو وہ بھی ہنس دی۔

☆=======☆=======☆

رافیہ کو جب سے علم ہوا تھا کہ سعدہ خان ماں بننے والی ہے تو وہ مزید بے کل ہو گئی تھیں۔ نشاء پہلے ہی ان سے رابطہ و تعلق ختم کر چکی تھی اور آج کل وہ فضہ یعنی ان کی پوتی کو بھی ان سے دور پرائے دیس لے کر چلی گئی تھی۔ یہی بات انہیں سعدہ خان کو قبول کرنے سے روک رہی تھی۔ ان کی من چاہی بہو اور پوتی صرف سعدہ خان کی وجہ سے ان سے دور ہوئی تھی۔ اب

سعدہ خان ان کے بیٹے کو مزید بلکہ ہمیشہ کے لیے ان سے دور کرنے کی پلاننگ کر رہی تھی۔ اب تو وہ اپنے دل کا حال بھی کسی کو سنا نہیں سکتی تھیں۔ دونوں بہوؤں اور بیٹوں نے انہیں اپنے پاس آنے کی آفر کی تھی۔ فرحان خان کا بائی پاس بھی کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ تیزی سے رُو بہ صحت ہو رہے تھے اور اب واپس آنے ہی والے تھے۔ رافیہ نے ان کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تو ابھی تک سعدہ خان کو شکست دینے اور الحان کو واپس لانے کی منصوبہ بندی کر رہی تھیں اور اس مقصد کے تحت انہوں نے سعدہ کو فون پر کئی بار دھمکیاں بھی دی تھیں جن میں واضح دعویٰ یہ تھا کہ ایک دن وہ الحان کو اسے چھوڑنے پر مجبور کر کے رہیں گی۔ شروع میں تو سعدہ نے ان کی فون کالز کا نہ ہی اثر لیا تھا اور نہ ہی اس نے الحان سے ذکر کیا تھا لیکن جیسے جیسے اس کی ڈلیوری کے دن قریب آ رہے تھے، اس کی سوچیں بھی پلٹنے لگی تھیں۔ رافیہ کی باتیں اسے پریشان کرنے لگی تھیں اور وہ متفکر رہنے لگی تھی۔

الحان اس کی طبیعت کی بے زاری، اس کے گھر میں وقت گزارنے کی وجہ سمجھ رہا تھا اس لیے زیادہ نوٹس نہیں لے رہا تھا۔ اب بھی الحان لنچ کے لیے معمول کے مطابق آیا تو اسے گم صم دیکھا تھا۔ کھانے کے دوران بھی اس نے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر اسے بیڈروم میں آرام کی تاکید سے لے جاتے ہوئے الحان نے اس کی خاموشی محسوس کر کے آخر استفسار کر ہی لیا۔

''کیا بات ہے، زیادہ بوریت ہو رہی ہے تو تمہیں امی کی طرف چھوڑ دیتا ہوں۔ تمہارا باقی دن اچھا گزر جائے گا۔'' الحان نے پوچھنے کے ساتھ مشورہ بھی دیا۔

''نہ.....نہیں! امی بہت فارمل ہو جاتی ہیں اور پھر مجھے ان سے اپنے لیے بھاگ دوڑ کروانا اچھا نہیں لگتا۔'' اپنی ماں کی محبت اس کے چہرے پر پھیلے ممتا کے نور سے ہم آہنگ ہو کر مزید چمک اٹھی تھی۔

الحان نے اس کے چہرے سے نظریں چرائیں۔ اسے اپنی ہی نظر لگ جانے کا احتمال رہتا تھا۔

''میری بھاگ دوڑ سے تو بہت خوش ہوتی ہو۔ میری پریڈ کروانا تمہیں اچھا لگتا ہے۔'' سعدہ کو تکیوں کے سہارے نیم دراز ہونے میں مدد دیتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''تو مت کرو، میں نے تمہیں مجبور کیا ہے۔'' سعدہ نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

''تم نے نہیں، کسی اور نے مجبور کیا ہے۔ ویل، یہ بتاؤ، آج کیا مسئلہ ہے؟ آج کیوں اتنی چپ چپ ہو؟''

''حنی! میں سر سے ملنا چاہتی ہوں۔ آئی مین، پاپا سے۔'' سعدہ کے رویے میں مزید سنجیدگی در آئی۔

''اس حالت میں؟'' الحان اس کی فرمائش پر حیران رہ گیا کہ اچانک اس کے دل میں پاپا سے ملنے کی خواہش کیوں پیدا ہوگئی ہے۔

''ضروری ہے ناں، میں چاہتی ہوں کہ میں آخری بار ان سے مل کر ان سے معافی مانگ لوں تاکہ ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔''

''آ.....خری بار.....؟''

الحان پہلے تو اس کی بات کا مفہوم سمجھا نہیں اور جب اس کی مایوسی کا اس پر ادراک ہوا تو جھنجھلاہٹ وغصہ اس کے رگ وپے میں دوڑ اٹھا۔

''وہاٹ ڈو یو مین بائے آخری بار؟ آخر تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے؟ جانتی ہو، تمہاری ایسی سوچیں ہمارے بچے پر کتنی اثر انداز ہوں گی۔''

''پھر میں کیا کروں؟'' سعدہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

''پاپا کی غلط فہمی دور کرنا میرا کام ہے۔ تمہیں کس بات کی ٹینشن ہے؟ تم میری جائز بیوی ہو، ناجائز تو نہیں ہو جو تمہیں دوسروں کا خوف رہنے لگا ہے۔'' الحان اس کی کیفیت سمجھ کر مزید برہم ہوا۔

''تم صحیح کہتی تھیں، فارغ انسان کو اوٹ پٹانگ سوچیں پاگل کرتی رہتی ہیں۔ بابا، تم میرے ساتھ ہی آفس چلا کرو۔ میرے روم میں بیٹھ کر اچھی اچھی کتابیں پڑھا کرو۔ میوزک سنا کرو۔ اوکے!'' آخر الحان کا لہجہ نرم ہوگیا۔

''حنی! اس سب کو کرنے سے بھی میرے دل کی خلش تو کم نہیں ہوگی۔'' سعدہ نے اپنے آنسوؤں پر ضبط کا پہرہ بٹھایا۔

''آخر تم چاہتی کیا ہو؟'' وہ زچ ہو کر پوچھنے لگا۔

''پاپا کو ہمارے بارے میں نہ جانے کس قسم کی معلومات فراہم کی گئی ہیں تبھی تو انہوں نے ہم سے رابطہ نہیں کیا۔ وہ ضرور ہم سے ناراض ہیں۔ میں انہیں حقیقتِ حال بتانا چاہتی ہوں۔ یہ بہت ضروری ہے حنی، تاکہ کل کو اگر میں نہ رہوں تو میری اولاد کو تو اس کا اصل مقام حاصل ہو جائے جو کہ مجھے نہیں مل سکا۔ پلیز، تم مجھے ایک بار پاپا سے ملوا دو۔ آخر تم گھر والوں سے کٹ آف کیوں ہو گئے ہو؟'' سعدہ کی فتح کن آنکھوں میں اداسی حلول تھی۔

''تمہیں اور ہماری اولاد کو صرف میرا نام کافی نہیں ہے؟ تمہیں دوسروں سے مقام

حاصل کرنے کی ضرورت کیوں ہے؟ میرے دل میں جو تمہارا مقام سب سے بلند تر ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے؟''

''حنی، مجھے تمہاری محبت ہی کافی ہے مگر بچوں کے لیے تو.....''

''اوکے.....! اوکے.....! میں تمہیں پاپا سے ملوا دوں گا۔ انہیں واپس تو آنے دو۔ نہ جانے وہ واپس کیوں نہیں آ رہے؟ تم صرف اس لیے گھبرا رہی ہو کیونکہ تمہارا یہ فرسٹ ایکسپیرینس ہے۔ ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کر کے فریش رہنے کی کوشش کرو گی تو سب کچھ نارمل لگے گا۔ امی جان تمہیں بتا تو رہی تھیں، ان دنوں میں ایسی ہی کنڈیشن ہو جاتی ہے۔ تم پوزیٹو سوچا کرو۔ ان شاء اللہ، سب ٹھیک ہوگا۔''

الحان نے جانے سے پہلے اسے بھرپور انداز میں اپنی محبت کا احساس دلا کر اسے تسلی و تشفی دی۔ سعدہ بھی اس کی پریشانی کم کرنے کی خاطر تائیداً مسکرا دی لیکن اسے یہ نہ بتا سکی کہ اس کی ماما کی فون کالز نے اس کا سکون وچین لوٹ رکھا ہے۔

☆=======☆=======☆

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ رافیہ یعنی اس کی ماما خود چل کر اس کے آفس میں آئی ہیں۔ کچھ دن پہلے ہی وہ ماما کے ڈاکٹر سے ملا تھا جس نے ان کی ذہنی حالت وصحت کے بارے میں کافی تشویش ظاہر کی تھی۔ ڈاکٹر کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ اسی طرح مسلسل شدید تناؤ کا شکار رہیں تو ان کا ذہن مفلوج ہو سکتا ہے مگر وہ اس بارے میں سوائے بے بس رہنے کے، کیا کر سکتا تھا۔ رافیہ نہ اس سے ملتی تھیں نہ اس کی سنتی تھیں۔ اس نے کئی بار گھر جانے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار ہی بے عزت کر کے نکالا گیا تھا مگر اب آج اپنی ماما کو سامنے دیکھ کر اسے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کیونکہ وہ اسے ڈاکٹر کے کہے کے برعکس کافی بہتر نظر آ رہی تھیں۔

''ماما! آپ یہاں.....؟'' الحان سے اپنی حیرت چھپائی نہ گئی۔

''ماں ہوں ناں زیادہ دن تک تمہیں دیکھے بغیر رہ نہ سکی۔ دو بیٹے پردیس میں پڑے ہیں۔ تمہارا باپ بھی جیسے جان چھڑا کر یہاں سے بھاگا ہے۔ رہ گئے تم.....تو تمہیں تو اس جادوگرنی نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ دیکھ لینا، ایک دن وہ بھی اس طرح تڑپے گی جس طرح اس نے میرا چین سکون چھینا ہے۔ ایک دن اس کا سکون بھی غارت ہوگا۔'' رافیہ نم دیدہ ہو کر مظلومیت سے بولنے لگیں۔

الحان نے لب بھینچ کر ان کی باتوں کو سنا پھر ان کے خاموش ہوتے ہی بات بدلتے ہوئے گویا ہوا۔

''آپ کچھ لیں گی کافی، چائے، کولڈ ڈرنک.....''

''کیا میں یہاں کھانے پینے آئی ہوں؟ کوئی ہے میرا دکھ سننے والا.....جس کی اولاد اس بڑھاپے میں ماں کو تنہا، بے آسرا چھوڑ دے؟ وہ کیا کھاتی ہوگی، کیا پیتی ہوگی؟''

''ماما! میں اب آپ سے کیا کہوں؟ یہ جگہ ان باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ آئیں، گھر چلتے ہیں۔''

الحان کو احساس ہو رہا تھا کہ ماما یہاں کسی تماشے کے لیے آئی ہیں۔ سعدہ اگرچہ آفس میں موجود نہیں تھی۔ پھر بھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماما اس کے لیے اس قسم کی باتیں یہاں بیٹھ کر کریں۔

''کس کے گھر، تمہارے؟ ابھی مجھ پر ایسا برا وقت نہیں آیا ہے کہ میں تمہارے گھر چل کر جاؤں۔ جہاں اس چڑیل کا سایہ بھی ہو، میں وہاں قدم بھی نہ رکھوں گی۔ الحان! میں تم سے آخری بار کہنے آئی ہوں۔ اسے چھوڑ کر میرے پاس آجاؤ۔ میں تمہاری ہر خطا معاف کر دوں گی۔ تمہیں لڑکیوں کی کمی نہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی آج بھی تمہارے لیے حاضر ہو سکتی ہے۔ تمہیں اس بدشکل عورت میں آخر نظر کیا آتا ہے۔''

''ماما! آپ کی یہ خواہش تو میں مرتے دم تک پوری نہیں کر سکتا۔ آپ کیوں بار بار خود کو آزما رہی ہیں؟ اس گھر میں، میں جب بھی آؤں گا، اپنی بیوی سعدہ الحان کے ساتھ، ورنہ نہیں۔ آپ اپنے دل سے یہ خیال نکال دیجیے کہ اب میں کوئی غلطی کروں گا۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے انہیں بہت کچھ باور کرانے کی کوشش کی۔

''یہ تم نہیں، وہ حرافہ بول رہی ہے۔ اسی نے منتر پھونکے ہیں تم پر، اسی لیے تو تم ماں اور اس کا احترام بھلا چکے ہو۔ یاد رکھنا، میں تمہیں نہیں بخشوں گی تو قیامت کے دن بخشے بھی نہیں جاؤ گے۔ کیا کیا نہیں کیا میں نے تمہارے لیے؟ تمہاری ہر غلطی پر پردہ ڈالا۔ ہر معاملے میں من مانی کرتے رہے۔ میں نے تمہارے باپ کو بھنک تک نہ پڑنے دی۔ سیر سپاٹے کرتے رہے۔ ذمے داریوں سے بھاگتے رہے اور میں بچہ کہہ کر تمہیں بچاتی رہی۔ آج تم مجھے یہ صلہ دے رہے ہو کہ ایک لڑکی کے لیے مجھے مسلسل اذیت دیئے جا رہے ہو۔ چند روز کی بھول تو میں نے برداشت کر لی تھی۔ تم تو جنم جنم تک اسے میرے سینے پر مونگ دلنے کو لے آئے ہو۔'' رافیہ جوش جذبات میں زور زور سے بولنے لگیں۔

''پلیز مام! یہ میرا آفس ہے۔ آپ میرا نہیں تو پاپا کی ریپوٹیشن کا تو خیال کیجیے۔ وہ لڑکی اب صرف آپ کی ملازم نہیں رہی۔ وہ اب میری بیوی اور ہونے والے بچے کی ماں بھی ہے۔

آپ مانیں یا نہ مانیں، وہ آپ کی بہو کہلائے گی، اس لیے پلیز، اب ان باتوں کو بھلا دیجیے۔'' الحان نے قدرے نرمی و آہستگی سے انہیں بولنے سے روکنے کی کوشش کی۔

''میرے جیتے جی تو ایسا ہو نہیں سکتا اور نہ ہی اس کی اولاد کو میں تسلیم کروں گی۔ تمہارے پاپا آنے والے ہیں۔ میں چاہتی ہوں، ان کے آنے سے پہلے یہ معاملہ نمٹ جائے ورنہ.....''

ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ الحان کے موبائل کی ٹیون بج رہی تھی۔ اسکرین پر گھر کا نمبر دیکھ کر اسے پریشانی ہوئی۔ سعدہ کی ڈلیوری ڈیٹ اسی ہفتے میں تھی۔ آج اسے شام کو چیک اپ کے لیے جانا تھا جبکہ وہ خود کچھ دیر پہلے گھر سے ہی ہو کر آیا تھا، سو فون آن کرتے ہی اس نے پریشانی سے استفسار کیا۔

''ہاں.....! کیا بات ہے؟ طبیعت ٹھیک ہے؟ نہیں.....اوکے، اوکے، ڈونٹ وری، میں آرہا ہوں، ریلیکس یار، میں بس آرہا ہوں ناں۔''

الحان سب کچھ بھلا کر اٹھ کر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

رافیہ اس کے انداز و اطوار دیکھ کر مزید پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ وہ یہ منظر کب برداشت کر سکتی تھیں۔ الحان نے انہیں بالکل فراموش کر دیا تھا۔ وہ انٹرکام پر اپنی سیکرٹری کو ضروری ہدایات دے کر جانے لگا تو رافیہ نے اسے حیرت زدہ ہو کر آواز دے کر روکا۔

''الحان! میں یہاں بیٹھی ہوں اور تم جا رہے ہو یہاں سے؟''

''آپ سن چکی ہیں، سعدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے جانا ہی ہے۔''

''تمہارے جانے سے اس کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی؟ چلتر باز عورتیں انہی حربوں کو آزما کر تو مردوں کو قابو کرتی ہیں۔''

''ماما! آپ بھول کیوں نہیں جاتیں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے ایسی محبت.....''

الحان کے کانوں میں سعدہ کی شدت تکلیف سے گھٹی آواز گونج رہی تھی اور ادھر ماما کے نشتر لفظوں سے دل و روح گھائل ہو رہی تھی۔ وہ زچ ہو کر چیخ پڑا۔

''ارے، تم تو اس اولاد کے لیے تڑپ کر ماں کو ماں ماننے سے انکار کر رہے ہو جو ابھی دنیا میں آئی بھی نہیں.....اور مجھے کہتے ہو، میں اپنا اٹھائیس سالہ بیٹا بھلا دوں؟'' رافیہ نے اسے زچ کر دیا۔

''آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟ پاپا آجائیں، پھر فیصلہ ہوگا۔ ابھی میں جا رہا ہوں۔''

الحان انہیں وہیں چھوڑ کر تیزی سے نکلا۔

☆=======☆=======☆

''مبارک ہو مسٹر الحان خان!''

ڈاکٹر فرخندہ کی زبان سے ادھوری بات سن کر ہی الحان کے لبوں سے روٹھی مسکراہٹ مان گئی۔ گزشتہ چار پانچ گھنٹے سے وہ دہری اذیت کا شکار رہا تھا۔ ڈاکٹر فرخندہ نے جس انداز میں اس سے کاغذ پر دستخط کروائے تھے، اس سے وہ کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔ سعدہ کی حالت دیکھ کر وہ پہلے ہی پریشان تھا، پھر ڈاکٹر نے رسمی کارروائی کے نام پر اس کا دل دہلا کر رکھ دیا تھا کہ ماں اور بچے میں سے کسی ایک کا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ تب سے وہ مسلسل دعائیں کرتے ٹہل رہا تھا۔

''میری مسز تو ٹھیک ہیں ناں؟ اور.....'' اس نے بے چینی سے استفسار کیا۔

''بالکل ٹھیک ہیں، لیکن بچے کے حوالے سے تمہارے لیے ایک خبر ہے۔''

ڈاکٹر فرخندہ کا انداز اسے پھر سے پریشان کر گیا۔ سعدہ کے وہم، خدشے، خیالات ایک پل میں اس کے ذہن میں کسی فلم کی طرح تیزی سے چلے تھے، اور پھر اپنی ماما کی بددعائیں.....! اس کا دل ہی تیزی سے نہیں دھڑکا تھا، لہو کی گردش بھی تیز ترین ہو گئی تھی۔ اس کے ماتھے اور وجود میں پسینے کی دھاریں سی بہہ نکلی تھیں۔ ڈاکٹر فرخندہ اس کی حالت دیکھ کر یک دم ہی پریشان ہو اٹھیں۔

''کیا ہوا بھئی، ابھی تو میں نے تمہیں کچھ بتایا نہیں۔ اگر تمہیں پہلے بتا دیا جاتا تو.....''

''پلیز ڈاکٹر! کیا بات ہے؟ سعدہ اور بے بی ٹھیک ہیں ناں؟'' الحان نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''یس! بالکل ٹھیک ہے۔ سعدہ بھی اور تمہارے ٹوئنز (Twins) بیٹے بھی! اب تو ہم مٹھائی کے حقدار ہیں ناں؟''

''وہاٹ.....؟ ٹوئنز.....! کیسے.....؟ آپ تو.....اور سعدہ.....''

الحان کو محسوس ہو رہا تھا، اس نے غلط سنا ہے۔ اسے اپنے جذبات و احساسات کا بھی صحیح ادراک نہیں ہو رہا تھا۔

''کیوں، یقین نہیں آ رہا؟ چلو، مٹھائی لے کر آؤ، پھر تمہیں ''پروف'' بھی دیتے ہیں۔''

''رئیلی ڈاکٹر! آپ نے تو مجھے پریشان ہی نہیں، حیران بھی کر دیا ہے۔ آپ نے پہلے کبھی ڈسکس ہی نہیں کیا تھا کہ..... کیا سعدہ کو معلوم تھا کہ وہ ٹوئنز ایکسپیکٹڈ (Twins

Expected) ہے۔'' الحان نے ڈاکٹر کی میز سے پانی کا گلاس اٹھا کر پینے کے بعد اپنے حواس بحال کرتے ہوئے شکایتی استفسار کیا۔

''اس کو معلوم نہیں ہو گا تو پھر کس کو ہو گا۔ ایکچولی، اس کی خواہش پر ہم نے تمہارے لیے یہ سرپرائز رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر تمہیں ٹوئنز کا پہلے بتایا جائے گا تو تم اسے کام نہیں کرنے دو گے۔'' ڈاکٹر فرخندہ نے حقیقت واضح کی۔

''مائی گاڈ! سعدہ کو تو میں..... میں اس سے مل سکتا ہوں؟'' ڈاکٹر کا خیال کر کے وہ بات ادھوری چھوڑ کر ان کی اجازت مانگنے لگا۔

''بالکل مل سکتے ہو لیکن پہلے مٹھائی آنی چاہیے۔ اتنے دن سے اس لیے تو یہ سب نہیں چھپایا تھا کہ تم مٹھائی بھی کھلانے سے جاؤ۔''

''مٹھائی تو آپ کو ضرور مل جائے گی مگر پلیز، مجھے پہلے سعدہ سے ملنے دیں، پھر اس کے گھر والے آ جائیں گے تو۔''

الحان کی بے صبری دیدنی تھی۔ ڈاکٹر فرخندہ دلکشی سے مسکرائیں۔

''ابھی وہ بے ہوش ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ہوش میں آئے گی۔ ہاں، اگر اپنے ''ڈبل سرپرائز'' سے ملنا، بلکہ دیکھنا چاہو تو ضرور۔''

ڈاکٹر فرخندہ نے نرس کو بلا کر اس کے ہمراہ کیا۔ سعدہ روم میں شفٹ ہو گئی تھی مگر ہنوز بے خبر تھی جبکہ بے بی کاٹ میں دو سرخ و سفید روئی سے گالوں جیسے معصوم پھول آنکھیں موندے پڑے تھے۔

بچوں کی محبت اور سعدہ کی چاہت اس کے وجود میں چوگنی ہو کر گردش کر رہی تھی۔ سعدہ کی کئی مبہم باتیں اب واضح ہوئی تھیں۔ وہ ہمیشہ اپنی باتوں میں بچے نہیں، بچوں کا ذکر کرتی تھی۔ الحان نے جھک کر سعدہ کی پیشانی پر محبت بھری مہر ثبت کی۔ اس کا کمزور دلاغر وجود اس کے لیے انمول رشتے تخلیق کرنے کے بعد مزید قوی محسوس ہونے لگا تھا۔ اس کے زردی کھنڈے چہرے پر ممتا کا نور سورج کے اجالوں کو بھی ماند کر رہا تھا۔

الحان کی آنکھوں میں آج کائنات سمٹ آئی تھی۔ اس نے بہت نرمی سے اپنے بچوں کو چھوا۔ آج اسے محسوس ہوا تھا کہ سعدہ نے اسے دل سے قبول کر کے اس کی محبت کو اپنے وجود میں ہی نہیں، روح میں بھی بسا لیا ہے۔ اسی خوشی کے موقع پر ایک کسک بھی کہیں دل کے کسی کونے میں اٹھی تھی۔ اپنی بیٹی فضہ کی یاد نے کچھ بے قرار کیا تھا۔ اپنی بیٹی سے نہ وہ جی بھر کے کھیل سکا تھا نہ اپنی محبتیں نچھاور کر سکا تھا۔ وہ ایک سال کی ہو چکی تھی اور نہ جانے کہاں تھی۔

نشاء اسے لے کر بیرون ملک جا چکی تھی۔

نرس کی آمد پر وہ اپنے دل پذیر احساسات سے نکل آیا۔ اب ان بچوں کے لیے وہ اپنے دل میں محبت کا سمندر پھیلا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کی فرمائش پر مٹھائی لانے کے علاوہ سنعہ کے گھر اطلاع بھی کر دی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اس کی امی، بھائی اور بہنیں خوشی کے بے اختیارانہ اظہار کے ساتھ آئی تھیں۔ سنعہ سب کو ایک ساتھ دیکھ کر خوشی سے رو پڑی۔ اس کی امی نے دعائیں دینے کے ساتھ کئی نصیحتیں بھی کیں۔ الحان اس عرصے میں بہت شرافت اور صبر کے ساتھ ایک طرف بیٹھا رہا۔ دل میں سب کے چلے جانے کی دعائیں کر رہا تھا۔ سنعہ سے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ کچھ بس نہ چلا تو اندر باہر کے چکر لگانے لگا۔ آخر سنعہ کی امی کو ہی اس کا کچھ خیال آیا۔ کچھ دیر بعد آنے کا کہہ کر سب کو لے کر باہر چل دیں۔

''مائی گاڈ! مجھے معلوم ہوتا تو ذرا ٹھہر کر سب کو انفارم کرتا۔ میرا کسی کو خیال ہی نہیں ہے۔ شام سے اکیلا پریڈ کر رہا تھا۔''

اس کی جھنجھلاہٹ بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ سب کے جاتے ہی وہ اس کے قریب آیا۔ سنعہ اس کی بڑبڑاہٹ پر زیر لب مسکرائی۔

''کیسی ہو؟ کچھ چاہیے؟ منگوا دوں؟'' سنعہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی محبت پھر اُمڈنے لگی۔

''میں ٹھیک ہوں، کچھ نہیں چاہیے۔ امی سوپ لے آئی ہیں۔ تم تھک گئے ہو گے، گھر چلے جاتے۔'' سنعہ نے اس کے چہرے پر نظر نہ آنے والی تھکن پڑھ کر اسے نرمی سے مشورہ دیا۔

''کس لیے بھئی؟ ابھی میں تم سے ملا ہوں، ابھی تو میں نے تمہارے ''ڈبل سرپرائز'' کو ہی دیکھا ہے۔ یار، اس بے ایمانی پر میری تمہارے ساتھ ایک زوردار فائٹ ضرور ہونی ہے، لیکن پہلے ذرا ٹھیک ہو جاؤ۔''

''نہیں، تم ابھی لڑلو مجھ سے۔ مجھے کمزور نہ سمجھو۔ دو بیٹے ہیں میرے ساتھ۔'' سنعہ نے اسے شرارت سے چڑایا۔

''تمہارے بیٹے..... میرے تو کچھ نہیں لگتے ناں؟ ماما والی فیلنگز آ رہی ہیں ناں تم میں بھی۔'' حنی نے مصنوعی خفگی سے دیکھا تو سنعہ سمجھ کر ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

''اُف حنی! کیا سوچ رہے ہو تم؟ میں نے تو ایسے ہی تمہاری بات کا جواب دے دیا ہے۔ رئیلی، میری ایسی فیلنگز نہیں ہیں۔ یہ ہمارے بیٹے ہیں۔''

سنعہ تکیے کے سہارے نیم دراز ہوئی۔ الحان اس کے پہلو میں بیٹھا زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ اسے صفائی دیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''پھر کیسا فیل کر رہی ہو؟''

''پتا نہیں، بہت ڈسٹرب فیلنگز ہیں میری۔ فرسٹ ٹائم ایسا لگا ہے کہ ساری دنیا کی دولت میرے پاس آ گئی ہے۔ میں خود کو بہت امیر سمجھنے لگی ہوں۔ شاید دنیا کی ہر ماں ایسا ہی محسوس کرتی ہو، لیکن مجھے بہت نیا اور اچھا لگ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے مجھے سب کچھ مل گیا ہے۔ میری ذات، میرا وجود مکمل ہو گیا ہے۔ اب مجھے ان کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔''

اس کے چہرے پر ممتا کے نور کا ہالہ تھا۔ آنکھوں میں فتح کن خمار مزید بڑھ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکان کا آج الگ ہی رنگ تھا۔ الحان اس کی آنکھوں میں خواب کے حقیقت بن جانے کے بعد کی خوشی دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔

''تمہیں معلوم ہے، مجھے کیا لگ رہا ہے؟'' الحان کا چہرہ اس کے لہجے کی سنجیدگی کا ساتھ نہیں دے رہا تھا اس لیے وہ رخ موڑ کر بولا۔

''ک..... کیا.....؟'' اس کے سنجیدہ انداز پر سنعہ متجسس ہوئی۔

''کہ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا۔''

''کیوں لگ رہا ہے تمہیں ایسا؟''

سنعہ کو تشویش ہونا لازمی تھی۔ الحان کا انداز ہی ایسا تھا۔

''یار مسز، دیکھو نا، میری ایک بیوی تھی پیار کرنے والی جو کہ اب بن گئی ہے میرے دو بچوں کی ماما! اب ماما کو اپنا بے چارہ شوہر کہاں یاد رہے گا اس لیے میں تو خود کو بالکل دیوالیہ محسوس کر رہا ہوں۔''

''جسٹ اسٹاپ! تین بچوں کے باپ بن چکے ہو، مگر سنجیدگی تم میں پہلے سے بھی مفقود ہو گئی ہے۔ بولتے وقت سوچتے ہی نہیں ہو۔'' سنعہ نے اسے قدرے خفگی سے ٹوکا۔

''تت..... تین.....! کیا ابھی ایک اور بھی ہے.....! ڈاکٹر تو کہہ رہی تھیں کہ..... یار، بار بار جھٹکا مت دو۔ ایک بار ہی بتا دو۔ تین ہیں کہ چار؟''

الحان یک دم ہی اس کے قریب سے اٹھا تھا جیسے اسے واقعی کرنٹ لگا ہو۔

''حنی، تم..... بیٹی کے والد صاحب آپ ایک سال پہلے سے ہیں، الحان صاحب! یاد رکھیے، آپ کے تین بچے ہیں۔ بی سیریس!''

سنعہ نے زچ ہو کر یاد دہانی کروائی تو الحان سمجھ کر اطمینان ظاہر کرنے لگا۔

''تھینکس گاڈ! ورنہ میں تو اس خیال سے ہی شرمندہ ہو رہا تھا کہ کل کے اخباروں میں ہمارا کارنامہ ہیڈ لائن بنا ہوگا کہ الحان خان کی بیگم نے تین بچوں کو جنم دیا اور.....''

''خدا کے لیے حنی! پلیز، تم گھر جاؤ، جا کر آرام کرو۔ صبح تمہیں آفس جانا ہوگا۔ اب گھر پر کوئی نہیں ہوگا جو تمہیں صبح اٹھانے کی ڈیڑھ گھنٹہ مہم سر کرے گا۔ جاؤ، جا کر سو جاؤ اور مجھے بھی آرام کرنے دو۔'' سنعہ اس کی باتوں اور غیر سنجیدگی سے جھنجھلا اٹھی۔

''میں تمہارے آرام میں خلل ڈال رہا ہوں؟ مسز، تم کتنی ناشکری ہو۔ بیویاں چاہتی ہیں، ان حالات میں ان کے شوہر ان کے پاس رہیں۔ ان کے ناز نخرے اٹھائیں اور تم مجھے گھر روانہ کر رہی ہو۔ ویل، بعد میں مجھ سے شکایت مت کرنا کیونکہ اکثر بیویوں کی عادت ہوتی ہے کہ.....''

''تم نے ساری زندگی یہی سب کچھ واچ کیا ہے؟''

سنعہ نے قدرے حیرت سے استفسار کیا تو الحان نے اسے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

''بابا! میں تم سے کبھی کوئی شکایت نہیں کروں گی۔ تم جاؤ۔''

''تم میرے جانے پر اتنا مُصر کیوں ہو؟ ابھی تو مجھے اپنے ''ڈبل سرپرائز'' سے ملنا ہے۔ دیکھوں تو میرے جیسے ہیں کہ تمہارے جیسے؟''

وہ اٹھ کر کاٹ کی طرف بڑھ گیا، پھر باری باری دونوں کو اٹھا کر قیاس آرائیاں کرنے لگا۔ اس بار سنعہ اس کے بچکانہ انداز پر ہنس دی۔

''حنی! ابھی تمہارے سارے اندازے غلط ہو جائیں گے کیونکہ آہستہ آہستہ یہ اپنی صورت بدلتے رہیں گے۔ دیکھو، امی جی باہر کہیں ہوں گی۔ انہیں بلا دو اور پلیز، اب ان کے سامنے سیریس رہنا۔''

''امی باہر ہی تھیں۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''تمہیں اپنی شوخیوں سے فرصت ملتی تو میں تم سے کچھ کہتی۔ پلیز، تم میرے لیے فکر مند مت ہو۔ امی آج میرے پاس ہی ہیں۔ تم صبح آ جانا۔ او کے۔''

پھر وہ بہت مشکل سے وہاں سے گیا تھا۔

دو بیٹوں کی بہ یک وقت پیدائش نے سنعہ خان کو جہاں معتبر کر دیا تھا، وہاں اسے بہت سے خدشے اور وہم بھی ستانے لگے تھے۔ ہسپتال سے گھر آنے کے بعد بھی وہ رافیہ کی طرف سے کسی بھی ردِعمل کے اندیشوں کو دل و ذہن سے نکال نہیں پائی تھی۔ الحان کی بھرپور توجہ و

محبت کے باوجود وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ جس رشتے کو اس کے سسرال کے کسی فرد نے قبول نہیں کیا، اس کا انجام کیا ہوگا؟ اب بھی وہ گہری سوچ میں مستغرق اردگرد سے جیسے بے گانہ تھی۔ الحان اپنے بیٹوں حازم اور جازم سے کھیلتے کھلکھلاتے ہوئے اسے بھی باتوں میں شامل کر رہا تھا لیکن سنعہ کی توجہ کسی اور طرف دیکھ کر اسے بلا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا تھا، تم ہو کہاں؟''

''ہوں.....! کیا بات ہے؟'' وہ فوراً خود کو سنبھال کر بولی۔

''ہم باپ بیٹے، تمہاری مکمل صحت یابی سیلیبریٹ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ تم بتاؤ، کہاں چلنا ہے؟ ویسے بھی ہمارا ہنی مون ڈِزٹ ڈیو ہے۔ ویسے یار مسز، دو بچوں کے ساتھ ہنی مون زبردست ایڈونچر ہوگا۔''

الحان نے اسے معنی خیز شرارت سے دیکھا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''بس ایسی باتیں سوچتے رہتے ہو۔ آفس پر بھی کچھ دھیان ہے کہ نہیں؟ یہ نہ ہو میرے واپس آفس جانے تک تم بزنس ٹھپ کر کے بیٹھے ہو۔''

''افوہ یار! تم مجھے خوش نہ ہونے دینا۔ کتنا سوچتا تھا، اپنی لائف پارٹنر کے ساتھ پھر سے ساری دنیا گھوموں گا مگر تم لوگوں نے مجھے آفس میں پھنسا دیا۔ یار، کیا لائف تھی میری۔ اب تو گھر اور آفس کے دائرے میں ہی اپنی اُڑان ہے۔''

الحان نے اسے چڑانے کے لیے مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا لیکن وہ اس وقت اور احساسات میں گھری ہوئی تھی۔

''تنگ آ گئے ہو مجھ سے؟ میری ذمے داری سے؟ حنی! کبھی مجھ سے اکتا جاؤ تو مجھ سے صاف کہہ دینا۔ بہانے مت تراشنا۔''

الحان نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''اے.....! اے.....! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ آر یو آل رائیٹ؟ میں تم سے اپنے دل کی خواہش بیان کر رہا تھا اور تم کیا سوچنے لگیں۔ میں تم سے اکتاؤں گا؟ تمہارے ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھنے کے لیے میں دنیا کے ہر رشتے و تعلق سے منحرف ہو گیا ہوں اور تم مجھے..... آخر تمہارے دل میں یہ بدگمانی آئی کیسے؟ ابھی تک بدگماں ہو مجھ سے؟'' الحان کو اس کی بات سن کر غصہ تو بہت آیا مگر وہ اس کی ذہنی کیفیت بھی سمجھ رہا تھا۔

''میں تم سے بدگماں نہیں ہوں، بس اپنی قسمت سے ڈر لگتا ہے۔ ڈرتی ہوں، ہماری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔''

سنعہ کی آنکھوں میں وسوسے اور وہم نمی کی صورت منجمد سے تھے۔ الحان اس کے اندیشے محسوس کر کے اپنے معمول کے لہجے میں بولا۔

''آئندہ ایسی فضول باتیں سوچنا بھی مت اور میرے سامنے کرنا بھی مت ورنہ.....''

''لیکن حنی! مجھے پھر بھی.....'' سنعہ نے اپنے لب چبائے۔

''کیا پھر بھی؟ یار، تمہیں اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہیں ہے؟ تم نے کسی کے ساتھ غلط کیا ہے جو تمہیں خوف و اندیشے ہیں؟ ڈونٹ وری، ہمارے بدخواہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور میری محبت کا یقین کیوں نہیں ہے تمہیں؟ دو بچوں کی ماما بن چکی ہو، پھر بھی بدگمان ہو مجھ سے۔ تمہیں کیا لگتا ہے، تمہاری محبت کا جادو اتنا کم اثر ہے کہ کبھی بھی ٹوٹ جائے گا؟ نیور، کوئی حور پری، اپسرا بھی اس اثر کو کم نہیں کر سکتی۔ رہی میری ماما تو ان کی کسی بات کا اثر مت لیا کرو۔ انہیں اپنا ہوش ہی نہیں ہے۔ آئندہ ان کا فون مت سننا۔ اوکے!''

الحان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ماما کا فون سن کر اپ سیٹ ہوئی ہے اسی لیے سنجیدگی و شوخی کے ملے جلے انداز سے اسے بہلانے اور سمجھانے کی کوشش بھی کی اور وہ بہل بھی گئی تھی۔

بیٹوں کی پیدائش کے بعد سنعہ کو اپنی زندگی بہت خوبصورت لگنے لگی تھی اور یہی احساسات الحان کے بھی تھے۔ زندگی صحیح معنوں میں اب زندگی لگنے لگی تھی۔ سنعہ پھر سے آفس جانے لگی تھی لیکن اب گھر پر وقفے وقفے سے فون کر کے بچوں کی خیریت معلوم کرنے کی بے چینی بھی اسے رہنے لگی تھی جس پر الحان اکثر اس کا مذاق اُڑا کر اسے گھر میں بیٹھنے کا مشورہ دیا کرتا۔ آفس ٹائم کے بعد ہی وہ گھر بھاگنے کی کرتی۔ بچوں سے ملنے کی بے تابی اپنی تھکن پر حاوی رہتی۔ بچے سارا دن آیا کے پاس رہتے۔ الحان نے اس کے ہاسپٹلائز ہونے کے دنوں میں گھر میں آیا اور مزید ایک ملازم کا انتظام کر دیا تھا۔ سنعہ کی اس دہری ذمے داری کے باوجود وہ سنعہ کو آفس چھوڑنے پر مجبور نہیں کر پایا تھا کیونکہ سنعہ کے بغیر آفس میں اس سے بھی کام نہیں ہوتا تھا۔ سنعہ جیسی مہارت اور قوتِ فیصلہ وہ ابھی تک خود میں پیدا نہیں کر سکا تھا۔ بہرحال وہ اپنی دنیا میں مگن اور سب سے بے نیاز ہو چکے تھے۔

فرحان خان بھی صحت یاب ہو کر واپس آ چکے تھے اور آنے کے بعد رافیہ کی دگرگوں حالت نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ الحان شوخ، کھلنڈرا اور بے پرواہ تو شروع سے تھا مگر ماں کا نافرمان وہ کبھی بھی نہیں رہا تھا۔ باپ سے زیادہ وہ اپنی ماما کے قریب تھا۔ انہیں تو یہ یقین کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا کہ سنعہ خان جیسی لڑکی ان کے بیٹے کو ورغلانے اور اس سے ناجائز تعلقات رکھنے کی ہمت کرے گی۔ سنعہ کو انہوں نے ہمیشہ مضبوط کردار کی، اپنے

کام سے کام رکھنے والی لڑکی دیکھا تھا۔ انہیں رافیہ کی ساری باتوں پر یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا لیکن پھر الحان کا رویہ، اس کی گھر سے، ماں سے بے توجہی، نشاء کو طلاق دینے کا عمل اور آج کل سنعہ اور اس کے دو بچوں کے ساتھ اپنے کاٹیج میں مقیم ہونے جیسا اقدام گہری سوچ میں مبتلا کر دیتے تھے۔ ایک الجھن تھی جو ان سے سلجھ نہیں رہی تھی۔ سنعہ سے ان کی بہت عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور الحان نے ان سے نہ جانے کیا کچھ چھپایا تھا۔ وہ دونوں سے بہ یک وقت ملنے کی کوشش میں تھے مگر ان کے آفس میں نہیں۔

رافیہ ان کی کوششیں ناکام بنانے کی ہر ممکن چال چل چکی تھیں۔ آج کل وہ سائے کی طرح فرحان خان کے ساتھ رہتی تھیں اور یہی سب کچھ ان کو کھٹک رہا تھا۔ رافیہ نے ان پر اپنا حق ہمیشہ جتایا تھا لیکن رفاقت نبھانے کے تقاضے وہ کبھی نہیں سمجھ سکی تھیں۔ رافیہ نے ان کے ہر فعل پر نظر رکھنے کے باوجود اپنی اختراع پردازیوں سے بھی پیچھا نہیں چھڑایا تھا۔ ان کی محبت شوہر کے معاملے میں بھی شکی تھی اور اولاد کے معاملے میں بھی، اسی لیے آج وہ تنہا اور بے بس سی تھیں اور اپنی بے بسی کا احساسِ شدید ہی انہیں تلملانے پر مجبور کرتا جا رہا تھا۔ وہ شوہر اور بچوں سے ہی دور نہیں تھیں بلکہ اپنی ذات اور اپنی ممتا کی نفی کر کے وہ اپنے آپ سے بھی دور تھیں۔

☆=======☆=======☆

''حنی! تم گھر چل رہے ہو میرے ساتھ؟'' وہ گلاس ڈور کھول کر اندر آتے ہوئے الحان سے پوچھ رہی تھی۔ اپنی شادی کے اعلان کے باوجود دونوں اسی طرح اپنے اپنے آفس کیبن میں ہی بیٹھتے تھے۔

''لو بھئی اتنی جلدی؟''

الحان نے بے ساختہ اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بجے تھے۔ وہ چھ ساڑھے چھ بجے تک آفس سے اٹھتے تھے۔ ہاں، کبھی کبھار سنعہ ایک آدھ گھنٹہ پہلے چلی جاتی تھی۔

''خیریت ہے؟ اتنی جلدی گھر چلنے کی آفر؟'' الحان نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھ کر شرارت سے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

''آج میں لنچ پر گھر نہیں گئی ہوں۔ میٹنگ کی وجہ سے فون بھی نہیں کر سکی۔ سکینہ (آیا) بھی کہہ رہی تھی کہ آج اسے جلدی جانا ہے۔ میں بس گھر جا رہی ہوں۔'' سنعہ نے خاصی بے زاری سے اسے وضاحت دی تھی۔

الحان نے اسے بغور دیکھا۔ صبح سے ہی اس کا رویہ بے زاری کی لپیٹ میں تھا۔ میٹنگ میں بھی وہ بے دلی سے شریک ہوئی تھی۔ لنچ بھی برائے نام لیا تھا۔ گزشتہ چھ ماہ میں پہلی بار وہ اس طرح مظاہرہ کر رہی تھی۔ اپنے کام اور بچوں کی محبت کو وہ ایڈجسٹ کر چکی تھی۔ لنچ کے لیے بلا ناغہ گھر جاتی تھی۔ ایک گھنٹہ بچوں کے ساتھ گزارتی تھی اور وقفے وقفے سے فون کر کے ان کی خیریت معلوم کرتی رہتی تھی جس پر الحان اکثر اسے چھیڑتے ہوئے گھر بیٹھنے کا مشورہ دے چکا تھا اور اب بھی اس کی بے قراری محسوس کر کے ہنس دیا۔

''جانم، میں پھر تمہیں کہہ رہا ہوں، ریٹائرمنٹ لے لو۔ اپنے بچوں کو سنبھالو۔ اب تم میرے کام کی نہیں رہی ہو۔ اپنا بزنس میں خود سنبھال لوں گا۔''

''تو سنبھالو اپنا بزنس، میں گھر جا رہی ہوں۔ چابی کہاں ہے کار کی؟''

وہ ساڑھی کا پلو اپنے گرد لپیٹتی روہانسی ہو کر جھنجھلائی ہوئی سی میز پر پڑی گاڑی کی چابی جھپٹنے لگی مگر اس سے بھی پہلے الحان نے چابی اٹھالی۔

''اے، وہاٹس پرابلم ودیو؟ طبیعت ٹھیک ہے؟ کوئی مسئلہ ہے؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟''

الحان اپنے اسی انداز میں مخاطب تھا۔

اس کی شوخیوں سے اکثر وہ چڑ جاتی تھی۔ اب بھی غصے میں بولی۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس میرا دل چاہ رہا ہے، میں جانا چاہتی ہوں۔ تسلی ہو گئی ہو تو مجھے چابی دو۔''

''ابھی کہہ رہی تھیں، تم چلو۔ اب کہہ رہی ہو، مجھے چابی دو۔ مجھے لے کر چلنا ہے یا خود جانا ہے؟''

''الحان! فار گاڈ سیک! مجھے تنگ نہیں کرو۔ تمہیں نہیں معلوم، میری اس وقت کیا کنڈیشن ہو رہی ہے۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ میں گھر جانا چاہتی ہوں۔ سکینہ نے بھی چار بجے چلے جانا ہے اور نظام (چوکیدار) بھی کل سے چھٹی پر ہے۔ بچے پھر اکیلے رہ جائیں گے۔ تم مجھے ڈراپ کر کے آؤ گے یا میں ٹیکسی سے چلی جاؤں؟'' سعدہ نے خود پر ضبط کرتے ہوئے اس بار ذرا تحمل سے بات کی۔

''تو سیدھی طرح کہو، گھر جانا ضروری ہے۔ رئیلی، تم نے مجھے ابھی پریشان کر دیا تھا۔ ''دل کو کچھ ہو رہا ہے۔'' کیوں ہو رہا ہے؟ اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو مائی لیڈی! تم ورکنگ ویمن ہو۔ تم خود کام کرنا چاہتی ہو تو بچوں سے اتنی سی دوری اور اس قسم کی پرابلمز کو ہمیشہ فیس

کرنا پڑے گا اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ.....''

''بس دوبارہ مت کرو۔ سن چکی ہوں تمہاری باتیں، وہ بھی سیکڑوں بار۔ تم مرد ہو ناں، اس لیے تمہیں میری فیلنگز سمجھ نہیں آئیں گی۔ بہت شوق ہو رہا ہے ناں تمہیں مجھے گھر پر بٹھانے کا تو ٹھیک ہے۔'' وہ غصے میں بولتی بولتی روہانسی ہو گئی۔

الحان اس کی جھنجھلاہٹ اور غصے پر متعجب تھا۔ آج سے پہلے سعدہ اس سے اس طرح الجھی بھی نہیں تھی۔ الحان بھی مٹھی میں بند چابی لے کر اس کے پیچھے لپکا۔ سعدہ کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ راستے بھر وہ ملول و اداس خاموش رہی تھی حالانکہ الحان نے اسے بولنے پر اکسایا بھی تھا۔

''اب اپنے فیصلے پر پکی رہنا۔ میرا گھر اور میرے بچے سنبھالنا۔ میری بھی لائف میں کچھ چارم آ جائے گا۔ اب تو خود تیار ہو کر جانا پڑتا ہے، پھر تم روایتی بیویوں کی طرح صبح تیاری میں مدد دیا کرو گی اور شام کو پھول گجرے پہن کر ہار سنگھار کر کے میرے انتظار میں گیٹ پر ملا کرنا۔ واہ، کیا سین ہو گا۔ کمپلیٹ ہیپی فیملی۔''

الحان نے اسے بولنے پر اکسانے کے لیے ہر حربہ آزما لیا تھا مگر وہ لب چباتے ہوئے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ الحان کو اس کی پریشانی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ آخر خود ہی خاموش ہو کر ڈرائیو کرنے لگا۔ الحان نے گاڑی گیٹ پر روکی تو سعدہ نے اپنی خاموشی توڑی۔

''آئی ایم سوری حنی! پتا نہیں، مجھے کیا ہو رہا تھا؟ تمہیں آفس جانا ہے تو چلے جاؤ۔ آج ڈنر باہر کریں گے، اوکے۔''

سعدہ مسکرائی ضرور تھی مگر اس کی مسکراہٹ پھیکی تھی۔

''اب گھر آ گیا ہوں تو گھر کی چائے تو پینے دو اور ایک نظر اپنے بچوں کو دیکھنے کا حق تو میرا بھی ہے کہ نہیں۔'' الحان بھی اس کی کیفیت سمجھ کر ہنس دیا۔

یہ وقت ان کے بچوں کے سونے کا تھا۔ پھر بھی سعدہ بہت بے تابی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

''دیکھو حنی! لگتا ہے سکینہ چلی گئی ہے۔ میں نے کہا بھی تھا کہ میں آ جاؤں گی تو تم جانا مگر..... آنے دو اسے۔''

گھر میں پھیلی خاموشی کو محسوس کر کے وہ مڑ کر الحان سے مخاطب ہوئی اور پھر کمرے کا دروازہ کھولتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ الحان لاؤنج میں مڑ گیا۔

اگلے پل ہی سعدہ بوکھلائی ہوئی واپس آئی اور پھر چیختی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔

''الحان.....اندر تو بچے نہیں ہیں.....!''

الحان ٹی وی کی پاور آن کر کے بیٹھتا بیٹھتا رہ گیا اور اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''کمرے میں کوئی بھی نہیں ہے۔ نہ سکینہ، نہ بچے.....!''

''ریلیکس.....! ریلیکس! آیا کے ساتھ یہیں ہوں گے۔ اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہو؟''

''اس وقت وہ دونوں سوتے ہیں، وہ کدھر ہیں؟'' وہ زچ سی ہوئی۔

''سنعہ! آرام سے بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں۔''

الحان ریموٹ کنٹرول صوفے پر پھینک کر کمرے کی طرف بڑھا۔ سنعہ بھی اس کے پیچھے لپکی۔ بچے کمرے میں نہیں تھے۔ ان کا سارا سامان بھی موجود تھا۔

الحان نے اسے مڑ کر تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''ٹیک اِٹ ایزی، ابھی دیکھتے ہیں۔''

''ہاں پلیز، جلدی دیکھو۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔''

پھر دونوں نے سارا گھر دیکھ لیا۔ کونا کونا چھان مارا۔ سنعہ نے تو اپنی ممتا کے پاگل پن میں پردوں کے پیچھے، صوفوں کے نیچے، الماریوں تک کو کھنگال ڈالا۔ مگر نہ تو آیا تھی اور نہ ہی ان کے بیٹے! جو جز وقتی ملازمین تھے، وہ بھی آیا کی موجودگی میں لنچ ٹائم تک رہتے تھے، پھر چلے جاتے تھے۔ گھر میں کچھ ایسے امکانات بھی نظر نہیں آ رہے تھے جن سے کوئی اندازہ لگایا جا سکتا کہ بچے غائب کرانے میں کس کا ہاتھ یا کیا عوامل تھے؟

سنعہ کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔

''تم..... نے رکھا تھا اس آیا کو۔ کہتے تھے، قابلِ بھروسہ ہے۔ اب دیکھو، توڑ گئی ہے وہ تمہارا بھروسہ، لے گئی ہے وہ میرے بچے! نہ جانے کہاں لے کر گئی ہے؟'' سنعہ یک دم چیخنے لگی۔

''سنعہ! اس طرح مت روؤ، ہو سکتا ہے آیا بچوں کو اپنے ساتھ لے گئی ہو۔ ہو سکتا ہے، یہیں کہیں ہو۔ کسی پڑوسی کی طرف ہو۔ ابھی کچھ دیر انتظار کر کے میں معلوم کرتا ہوں۔ پلیز، تم ریلیکس رہو!''

الحان اس کی ابتر حالت دیکھ کر پریشان ہونے کے باوجود اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اس کے لیے پانی لے کر آیا جسے اس نے ہاتھ سے پرے کیا۔

''وہ ایک ساتھ دونوں بچوں کو کیسے لے جا سکتی ہے؟ بچوں کی پرام بھی یہیں ہے اور سارا سامان بھی۔ پلیز حنی! میرے بچے لا دو ورنہ..... ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

اس کی ممتا آنسوؤں کی صورت بہہ رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ اپنے بچوں کو ہمارے کہنے کی بجائے میرے بچے کہہ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا، بچوں کے لیے صرف اسے ہی تڑپنے کا حق ہے، جبکہ الحان بھی آیا اور بچوں کے اس طرح بے وقت گھر سے غائب ہونے پر پریشان تھا لیکن اسے فی الحال سنعہ کو سنبھالنے کی فکر تھی جس کے حواس کسی لمحے بھی ساتھ چھوڑتے لگ رہے تھے۔

''سنعہ پلیز! تم حوصلہ ہارو گی تو میں کیا کروں گا؟ اچھا دیکھو، میں سکینہ کے گھر معلوم کر کے آتا ہوں۔'' الحان نے اسے اپنی محبت کے حصار میں لے کر نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ مزید ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔

''الحان.....! وہ نہ جانے میرے بچوں کے ساتھ کیا کرے گی؟ اگر وہ پیشہ ور مجرم ہوئی تو میرے بچوں کو بیچ بھی دے گی۔ ایسی عورتیں اپنا ایک ٹھکانہ کہاں رکھتی ہیں۔ تم اخبار میں پڑھتے نہیں، کتنے سفاک ہوتے ہیں یہ لوگ۔ بہروپ بھر کر آتے ہیں اور پھر۔ میرا دل کہہ رہا تھا، آج کچھ ہونے والا ہے مگر تم میرا مذاق اُڑاتے رہے۔''

وہ اس کے کندھوں سے لپٹی زار و زار رونے کے ساتھ اپنے خدشے، اپنے وہم بیان کرنے کے علاوہ اسے بھی الزام دے رہی تھی۔ الحان اسے سوائے تسلی دینے کے اور کیا کہہ سکتا تھا۔ وہ کچھ سمجھنے کی پوزیشن میں کب تھی۔

''فار گاڈ سیک! سنعہ! رونا بند کرو اور مجھے کچھ کرنے دو۔ کم از کم میں اردگرد سے معلوم تو کر لوں۔ تب ہی کوئی قدم اٹھاؤں گا۔ مجھے پہلے آیا کے گھر جانے دو، پھر میں پولیس اسٹیشن رپورٹ لکھواتا ہوں۔''

اس کے مسلسل رونے سے پریشان ہو کر الحان نے اسے خود سے الگ کیا اور پھر قدرے ڈپٹ کر چپ کرانے کی کوشش کی۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' سنعہ نے اپنی سبز ساڑھی کے پلو سے ہی اپنے تربتر چہرے کو صاف کیا۔ پھر اپنا بیگ ٹٹول کر اپنے بچوں کی تصویروں کی موجودگی کے بارے میں تسلی کرنے لگی۔ الحان باوجود خواہش کے اسے ساتھ چلنے سے روک نہ سکا۔

پھر دونوں پہلے آیا سکینہ کے گھر گئے جہاں تالا پڑا تھا اور ہمسایوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا تھا کہ وہ صبح کے بعد گھر آئی نہیں جس سے سنعہ کا یقین پختہ ہو گیا تھا کہ وہی اس کے بچوں کو لے کر روپوش ہوئی ہے۔ اپنے قریبی گھروں سے بھی پوچھ چکے تھے مگر کسی کو کچھ خبر نہ تھی۔ ویسے بھی وہ جس علاقے میں رہتے تھے، وہاں ہفتوں مہینوں تک ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا

پتا نہیں چلتا تھا۔ سبھی لوگ اپنی اپنی دنیا میں مگن اور مست تھے۔ مجبوراً الحان کو پولیس اسٹیشن جا کر بچوں کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانا پڑی۔

اس ساری کارروائی سے بھی سعدہ کی تسلی کہاں ہو سکتی تھی۔ اس کے وجود میں آگ بھڑک رہی تھی اور آنکھوں میں سمندر مچل رہا تھا۔ نہ آگ بجھ رہی تھی اور نہ ہی سمندر ٹھہر رہا تھا۔

الحان کو اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بڑی دقت سے اسے بہلا پھسلا کر ایک بار پھر گھر لایا تھا۔ اس کی خود سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ ان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا ہے؟ آیا واقعی قابلِ بھروسہ تھی، اس کی بیٹی فضہ کے لیے بھی یہی آیا رکھی گئی تھی اور اب چھ ماہ کے عرصے میں اس نے اس کے بیٹوں کے سلسلے میں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ آج اچانک اس کا بچوں کے ساتھ غائب ہو جانا تعجب خیز ہی نہیں، اذیت انگیز بھی تھا۔

''سعدہ پلیز، خدا کے لیے کچھ دیر آرام کر لو۔ ان شاء اللہ بچوں کا پتا چل جائے گا۔ میں نے شہباز سے بات کی ہے۔ ایس پی سے اس کا یارانہ ہے۔ ابھی وہ دوبارہ فون کرے گا تو میں جاتا ہوں۔''

''میں آرام کروں؟ میرے بچے نہ جانے کس حال میں ہوں گے؟ انہوں نے صبح سے کچھ کھایا پیا بھی ہوگا یا نہیں؟ اور تم کہہ رہے ہو، میں آرام کر لوں۔ میں ماں ہوں الحان۔''

وہ ایک بار پھر چیخنے لگی۔ اس کی بیٹھی ہوئی آواز، آنسوؤں کی زیادتی سے سوجی ہوئی آنکھیں اور خشک لب، الحان کو اس کی اذیت کا احساس دلا رہے تھے جو وہ سہہ رہی تھی مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس کے بیٹے ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا اس کی گود میں لا ڈالتا۔

''سعدہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس معاملے میں جتنی بے بس تم ہو ناں، اتنا میں بھی ہوں۔ اگر چیخنے چلانے سے ہمارے بچے ہمیں مل سکتے ہیں تو میں تم سے زیادہ چیخنے اور رونے کے لیے تیار ہوں، دیکھو، تم دعا کرو ہمارے بچے خیریت سے ہوں اگر کسی نے یہ سب تاوان لینے کے لیے کیا ہوگا تو ضرور رابطہ کرے گا۔ تم اس طرح بی ہیو کر کے میری ہمت نہ توڑو۔ مجھے کچھ سوچنے دو کہ ایسا کون ہو سکتا ہے جو ایسی مذموم حرکت کرے گا؟'' الحان نے ایک بار پھر اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ایسا کون ہو سکتا ہے؟ ہماری کسی سے کیا دشمنی ہے؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے جو مجھ سے میرے بچے چھین لیے؟ حنی!..... حنی!.....'' سعدہ بولتے بولتے جیسے کسی خواب سے جاگی

ہو۔ ''حنی! ماما..... میڈم نے میرے بچے غائب کروائے ہیں۔ وہی ایسا کر سکتی ہیں۔ میرا یقین کرو، میرا دل کہہ رہا ہے۔''

الحان نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ اسے اس کی سوچ پر افسوس ہو رہا تھا۔ ان حالات میں اس کا دھیان ماما کی طرف ہی جا سکتا تھا جس کا اسے یقین نہیں تھا۔

''سعدہ! تم اس وقت شاکڈ ہو۔ اس لیے تمہیں نہیں معلوم، تم کیا کہہ رہی ہو۔ آؤ، تم سلیپنگ پلز لے کر سو جاؤ۔ میں شہباز کے ساتھ ایس پی کے پاس جاتا ہوں۔ وہ لوگ جلد ہی آیا کا سراغ لگا لیں گے۔''

الحان نے اسے بیڈ پر لٹانے کی کوشش کی مگر وہ تڑپ کر اس کے حصار سے نکلی۔ پھر اسی طرح چیختے ہوئے بولنے لگی۔

''میں پاگل نہیں ہوئی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ یہ تمہاری ماما کا ہی کام ہے۔ وہ آیا انہی کے پاس تھی ناں پہلے۔ خدا کے لیے، حنی! ان سے کہو، وہ میرے بچے مجھے دے دیں۔ میں ورنہ مر جاؤں گی۔ ان کے بغیر میرا دم گھٹ رہا ہے۔ وہ انہی کے پاس ہیں، دیکھ لینا۔'' وہ چیختے ہوئے یک دم اس کی منت سماجت پر اُتر آئی۔ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ ''خدا کے لیے حنی تمہیں اگر مجھ سے محبت ہے تو میرا یقین کرو۔ میڈم مجھے دھمکیاں دیتی رہی ہیں کہ وہ تمہیں اور بچوں کو مجھ سے چھین لیں گی۔''

''سعدہ! ماما ایسا نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتیں تو پہلے کرتیں پھر اب.....''

''اس لیے کہ وہ جانتی ہیں، ہمارے بچے ہماری کمزوری ہیں۔ وہ تمہیں مجبور کرنا چاہتی ہیں۔ وہ مجھے تمہاری زندگی سے نکالنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ حنی، میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ مجھے میرے بچے لا دو۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ ان سے کہو، میرا سب کچھ لے لیں، مگر.....''

سعدہ کے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بھی اس کا یقین پختہ تھا۔ الحان اس کی حالت اور اس کی دلگیری پر تڑپ اٹھا۔

''او کے، او کے..... میں کوشش کرتا ہوں۔ میں ابھی ماما کو فون کرتا ہوں مگر تم تب تک چپ ہو جاؤ۔''

سعدہ کے پختہ یقین کے باوجود الحان کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ بنا ثبوت کے اپنی ماما کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ ماما کی ہر زیادتی اور ضد کے باوجود الحان کے دل میں آج بھی ان کی محبت، ان کا احترام موجود تھا۔ وہ جانتا تھا، انہیں اپنے بچوں کا الزام دینے پر وہ ہمیشہ کے لیے

انہیں کھو بھی سکتا ہے۔ اگر سنعہ کا یقین ثابت ہو گیا تو بھی وہ آئندہ زندگی میں ان سے کٹ کر رہ جائے گا۔

بہت وقت اور حوصلے کے بعد وہ گھر فون کرنے کی ہمت پیدا کر سکا تھا۔ سنعہ کا رونا تڑپنا اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ گزشتہ سات آٹھ گھنٹوں میں وہ برسوں کی مریض نظر آنے لگی تھی۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے وہ گھر کا فون نمبر ملا رہا تھا۔ اس وقت اس کی اپنی حالت سنعہ جیسی تھی مگر اسے حوصلہ کرنا تھا کیونکہ وہ مرد تھا۔ تیسری چوتھی بیل پر دوسری طرف سے ریسیور ملازمہ نے اٹھایا تھا۔ الحان نے بہ دقت ماما کو بلانے کے لیے کہا۔

ایک ایک لمحہ گراں بار ہوا جا رہا تھا۔ ماما نہ جانے کہاں تھیں، کافی دیر بعد ریسیور تک آئیں یا پھر ملازمہ نے انہیں کارڈلیس پہنچایا۔

اس کے لیے یہ وقت بہت صبر آزما تھا۔ سنعہ کا رواں رواں سماعت بنا ہوا تھا۔ وہ اشک روکے دم سادھے تمام حواس بیدار کیے فون کی طرف متوجہ تھی۔

''ہیلو، السلام علیکم ماما! میں حنی، الحان بول رہا ہوں۔''

ریسیور میں گہری سانس کھینچنے کی آواز پر ہی الحان نے بات شروع کی۔ اس کی ماما یقیناً ریسیور کان سے لگا چکی تھیں۔

''کون حنی؟ میں کسی الحان کو نہیں جانتی۔''

''ماما پلیز، لسن می!'' ان کی سرد و سپاٹ آواز کے جواب میں الحان نے بے چینی سے کہا۔

''ماما؟ تم تو کہتے تھے کہ میں بھول جاؤں کہ میرا کوئی بیٹا الحان بھی ہے۔''

''آپ کی ناراضگی اپنی جگہ درست ہے مگر آپ جو چاہتی تھیں، میں نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اس وقت آپ سے صرف ایک بات پوچھنی ہے۔ پلیز ماما! مجھے سچ سچ بتائیے گا۔''

''آج ماں سے کیا پوچھنا یاد آ رہا ہے؟ تمہاری چہیتی کہاں گئی؟ اس سے پوچھو جو پوچھنا ہے۔ بقول تمہارے باپ کے، ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے اس جینئس چڑیل کے پاس۔'' رافیہ اپنے لہجے کو زہرناک ہونے سے نہ بچا سکیں۔

''ماما! ماما! میں اس وقت سخت مصیبت میں ہوں۔ میرے بچے آج صبح سے یا اس کے بعد سے گھر سے غائب ہیں۔ آیا بھی نہیں ہے۔ گھر میں ہر چیز اپنی جگہ پر ہے صرف ہمارے بیٹے ماما! آپ نے اگر.....''

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں نے تمہارے بچوں کو اغوا کروایا ہے؟ اب اس کٹنی کمینی نے یہ چال چلی ہے؟ وہ تمہیں مجھ سے چھین تو چکی ہے۔ اب وہ اور کیا چاہتی ہے؟''

''ماما! سنعہ ایسا کیوں کرے گی؟ وہ اس کے بھی بیٹے ہیں۔ وہ بہت اَپ سیٹ ہے۔ اگر اسے بچے نہیں ملے تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مر جائے گی۔''

''بیوی کے غم کا بہت خیال آ رہا ہے۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ میرا صبر تو رنگ لاتا ہی! اس سے پوچھو کہ ممتا کیسے تڑپتی ہے۔ کیسے روح میں کٹاریں اُترتی ہیں۔ آج اپنے دل پر چوٹ لگی تو ماں کا خیال آ گیا، وہ بھی الزام کی صورت میں..... مجھے دکھ دے کر کیا تم لوگ چین سے رہ سکتے ہو؟ اسے کہو، صبر کرے صبر جس طرح میں نے کیا تھا تمہارے جانے کے بعد۔''

''ماما! اس سارے معاملے میں صرف میں قصوروار ہوں، سنعہ نہیں۔ آپ مجھے سزا دیں۔ سنعہ یا میرے بیٹوں کو.....''

''بکواس بند کرو! میرا اس ذلیل عورت اور اس کی اولاد سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ جس کا سایہ میں اپنے گھر پر پڑتا نہیں دیکھ سکتی، اس کی اولاد کو تو میں دیکھنا بھی گوارہ نہیں کروں گی، کجا انہیں اپنے پاس لے آؤں۔''

''وہ صرف سنعہ کی اولاد نہیں ہیں۔ میرا اور آپ کا خون بھی ہیں۔'' الحان ان کے زہریلے سفاک لب و لہجے پر دکھ سے چیخ اٹھا۔ سنعہ نے دیوانگی سے اٹھ کر الحان سے ریسیور جھپٹ لیا۔

''میڈم! خدا کے لیے خدا کے لیے میرے بچے مجھے واپس کر دیں آپ کو میرے ساتھ جو سلوک کرنا ہے وہ کریں۔ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ ابھی تو ابھی تو انہیں میری ممتا کی گرمی بھی پوری طرح نہیں ملی۔ وہ نفرتوں کی ٹھنڈک نہیں سہار سکتے۔ میں چلی جاؤں گی یہاں سے مگر میرے بچے مجھے دے دیں۔''

سنعہ فون پر ہی بلک بلک کر ان کی منت سماجت کرنے لگی۔ رافیہ کی نفرتوں کا مکمل ادراک اسے ابھی ہوا تھا۔ وہ اپنی ضد منوانے کی خاطر کچھ بھی کر سکتی تھیں۔ اس کے بچے اس سے چھین سکتی تھیں۔

''اپنے چلتر مجھ پر آزمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے جال میں صرف الحان پھنس سکتا تھا، رافیہ نہیں۔ میرے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے مجھ سے بدظن کرنے کے لیے خود اپنی اولاد غائب کروانے کا ڈرامہ کر کے مجھے بدنام کر رہی ہو۔ تمہارا مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں

گی۔تم مجھ سے میرے بیٹے کو دور نہیں رکھ سکتیں۔'' رافیہ نہ پھنکارتے ہوئے فون پٹخ دیا تھا۔

سعدہ آنسو بہاتے ہوئے کبھی ریسیور کو گھور رہی تھی اور کبھی الحان کو۔

''حنی!..... وہ..... وہ کہہ رہی ہیں، میں ڈرامہ کر رہی ہوں۔ جھوٹ بول رہی ہوں۔ میں اپنے بیٹے غائب کرواؤں گی، خود ہی؟..... میں نے تمہیں ان سے چھینا ہے۔ میں نے دور کیا ہے تمہیں ان سے..... میں نے کبھی اپنا حق نہیں مانگا تھا اور..... اور وہ کہہ رہی ہیں کہ میں نے تمہیں چھینا ہے ان سے.....''

وہ ہذیانی انداز میں بولتے ہوئے روئے جا رہی تھی۔ الحان نے لب کاٹتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر اس سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھتے ہوئے وہ کچھ سوچ کر بولنے لگا۔

''ماما اپنی سوچ نہیں بدل سکتیں۔ ہوش میں اس وقت تم بھی نہیں ہو۔ پلیز، تم خود کو سنبھالو گی تو میں کچھ کر سکوں گا۔ تمہیں اپنے بچے چاہئیں، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ مل جائیں گے لیکن اب میں تمہارا رونا برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا حوصلہ بھی تو دیکھو۔ وہ میرے بھی کچھ لگتے ہیں کہ نہیں۔''

الحان کا ضبط بھی آخر جواب دے گیا تھا۔ اس کا لہجہ نم ہی نہیں، کرب آلود بھی تھا۔ اپنی ماما کی زہریلی اور سفاکانہ باتیں اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئی تھیں۔ وہ اپنی انا کے لیے، سعدہ کو اذیت دینے کے لیے اپنی اولاد کی تکلیف گوارہ کر سکتی تھیں، اس کا مکمل یقین وفہم ابھی الحان کو ان سے باتیں کر کے حاصل ہوا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ اپنی ماما کی باتیں محض ضد سمجھا کرتا تھا، اس لیے کبھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ سعدہ اس کے انداز پر لب بھینچ کر اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

''میں جا رہا ہوں۔ تم ٹیبلٹس لے کر سونے کی کوشش کرو۔'' الحان نے کچھ توقف کے بعد قدرے تحمل سے اسے مخاطب کیا۔

''مجھے بھی تمہارے ساتھ جانا ہے۔''

الحان نے آنکھیں موند کر لب بھینچ کر کچھ کہنے سے خود کو روکا اور پھر سر ہلایا۔ ''اوکے! کم آن!''

☆=======☆=======☆

زندگی یک دم مسکرانا بھول جائے گی، الحان نے کبھی ایسا گمان بھی نہیں کیا تھا۔ سعدہ اور اپنے بچوں کے ساتھ زندگی کا اصل لطف لیتے ہوئے وہ اپنی ماما کو جیسے بھول ہی گیا تھا۔ ان کی دھمکیاں، ان کی بددعائیں، کوسنے، اب سبھی کچھ یاد آ رہا تھا۔ پھر بھی اس کا ذہن یہ بات

ماننے کو تیار نہیں ہو رہا تھا کہ اس کی ماما اس کے بچوں کو گھر سے غائب کروائیں گی۔ اس سے انہیں حاصل کیا ہوگا؟

وہ اپنے کاروباری حلقے پر بھی نگاہ ڈالتا تو سبھی سے اس کے تعلقات سازگار بلکہ خوشگوار تھے۔ صرف یہی بات اسے سمجھ آئی تھی کہ آیا سکینہ کسی کے ساتھ ملی ہوئی تھی اور پلاننگ کر کے اس کے گھر میں آئی تھی۔ ذہن میں ایک نام آیا تھا، نشاء زیاد..... اور دوسرا اس کے والد زیاد فاروق کا..... ایسی حرکت نشاء بھی کر سکتی تھی، لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ نشاء اس کی بیٹی کے ساتھ ملک سے باہر جا چکی ہے مگر اس کا باپ بیٹی کی خوشی کی خاطر یہاں بیٹھ کر کچھ بھی کر سکتا تھا۔ نشاء نے بھی اس کا سکون غارت کرنے کی قسم کھائی تھی۔ پھر بھی کسی ثبوت کے بغیر ابھی وہ زیاد فاروق کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ اس وقت سعدہ کے اطمینان کے لیے بھی ضروری تھا کہ اسے ماما کے سامنے لے جا کر ہر بات کر کے وہ کوئی قدم اٹھاتا، سو وہ بہت کشمکش کے بعد وہاں موجود تھا۔

''سعدہ! تم بھی چلو۔ آؤ میرے ساتھ!''

سعدہ کو گاڑی سے نہ اُترتے دیکھ کر الحان نے سنجیدگی سے پکارا۔ وہ مسلسل رونے میں مشغول تھی۔

''نہ..... نہیں! میں اگر اندر چلی گئی تو مجھ سے ضبط کرنا مشکل ہو جائے گا۔ میں میڈم کے ساتھ اونچا بھی بولوں گی تو شاید تمہیں بھی اچھا نہیں لگے گا۔ تم خود چلے جاؤ اور میرے بچے لے آؤ۔''

سعدہ کے لہجے کا ارتعاش الحان کو لرزا رہا تھا۔ وہ جس یقین سے کہہ رہی تھی اسے ٹوکا بھی نہیں جا رہا تھا مگر الحان اسے اپنے ہمراہ لے جانے پر مُصر تھا۔ وہ چاہتا تھا، ہر بات، ہر رنجش اس کے سامنے کھلے۔ وہ بعد میں اسے کوئی الزام نہ دے۔

''سعدہ! تم میرے ساتھ چلو، ورنہ شاید میں بھی ہار جاؤں۔ ویسے بھی تمہارا میرے ہمراہ ہونا بہت ضروری ہے۔''

محبوب شوہر کے شکستہ انداز پر وہ ٹھٹکی۔ وہ اس سے زیادہ کمزور اور بکھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کسی کشمکش نے اس کے وجود کو بھی جیسے جکڑ رکھا تھا۔ اندیشوں نے اس کی سانسیں بھی مدھم کر رکھی تھیں۔ وہ اس کے لیے دروازہ کھولے ضرور کھڑا تھا مگر لگتا تھا، اگلے قدم پر ہی حوصلہ ہار جائے گا۔

سعدہ نے لب چباتے ہوئے خود کو بہت سنبھال کر باہر قدم نکالا جیسے خود کو قدموں کے

نیچے بچھے کانٹوں سے بچانا چاہ رہی ہو۔ پھر بھی اس کی ساڑھی کا کونا گاڑی کے دروازے سے الجھ گیا۔

سنعہ نے ہراساں ہو کر گردن گھمائی۔ الحان نے آگے بڑھ کر اس کی ساڑھی کا کونا دروازے سے نکالا اور پھر اس کے کندھے کے گرد اپنے بازو کا حصار بناتا اسے لے کر آگے بڑھا۔

''سنعہ! تمہیں اس وقت بہت حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے بچے ہم سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ یہ جس کی بھی حرکت ہوگی، میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ آئی پرامس یو!''

رافیہ کو جگانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے مل گئیں۔ انہیں اپنے سامنے دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹک کر رک گئیں، پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئیں۔

''تم یہاں؟ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میرے گھر میں جب بھی آنا، اکیلے آنا۔ تمہاری یہ ہمت کہ تم میرے گھر میں اسے لیے چلے آئے ہو؟''

الحان نے افسوس سے انہیں دیکھا۔ وہ ماں کے رتبے سے بہت نیچے نظر آئیں۔

''ہم ہمیشہ کے لیے نہیں آئے ہیں۔ آپ مجھے صرف اتنا بتائیں کہ ہمارے بچے کہاں ہیں؟''

''کیا..... مجھ سے پوچھنے آئے ہو؟ اس سے کیوں نہیں پوچھا جس کی یہ چال ہے؟ اسی نے تم سے جان چھڑانے کے لیے یہ داؤ کھیلا ہے۔''

''فار گاڈ سیک! ماما! آپ کب ان شکوک سے باہر نکلیں گی؟ سنعہ کو میرے ساتھ رہنے یا مجھ سے الگ ہونے کے لیے کسی سازش کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں سنعہ کیسی بیوی اور کیسی ماں ہے، وہ اپنی کسی ضد یا انا کے لیے اپنی اولاد کو سوئی کے برابر بھی تکلیف نہیں دے سکتی۔ یہ آپ ہی ہیں جو اپنی جھوٹی انا اور ضد کی خاطر اولاد کی خوشیاں تک قربان کر دیتی ہیں۔ ماما! اگر آپ نشاء یا زیاد فاروق کے ساتھ اس معاملے میں انوالو ہوئیں تو آئی سویئر، میں آپ کے لیے ہمیشہ کے لیے مر جاؤں گا۔''

الحان نے بہت سنجیدگی اور سرد مہری سے انہیں بہت کچھ باور کرایا تھا۔ وہ بہت زیادہ حیرت کے ساتھ سامنے کھڑے بیٹے کو دیکھ اور سن رہی تھیں پھر جیسے اس کی باتیں سمجھ کر پھٹ پڑیں۔

''تم مجھ پر..... اپنی ماں پر الزام لگا رہے ہو؟ صرف اس گھٹیا خاندان کی عورت کی خاطر جو جمعہ جمعہ آٹھ دن پہلے تمہاری زندگی میں آئی ہے۔ اس کی خاطر تم اپنی ماں کی اٹھائیس سال

کی محبتیں، خدمتیں، عنایتیں سبھی فراموش کر کے اسے مجرم ثابت کرنے آئے ہو۔''

''اس کا موقع آپ نے خود دیا ہے ماما! آپ کی باتیں ہی گواہ ہیں کہ آپ میری اولاد کو اپنے انتقام.....''

''شٹ اَپ! چلے جاؤ یہاں سے، نکل جاؤ فوراً ابھی میرے گھر سے۔'' وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی دھاڑ اٹھیں۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟ اور تم لوگ.....''

فرحان خان کی سنجیدہ آواز نے تینوں کو ہی چونکا دیا تھا۔ وہ ابھی باہر کہیں سے آئے تھے اور رافیہ کی چیخ و پکار سن چکے تھے اور شاید الحان کی باتیں بھی۔

سب سے پہلے رافیہ ہی سنبھلیں اور دو قدم ان کی طرف بڑھیں۔

''سنا تم نے 'فرحان' تمہارا بیٹا کیا کہہ رہا ہے کہ اس کے بیٹوں کو میں نے غائب کروایا ہے۔''

''اس کے بیٹے؟ مگر رافیہ! تم تو کہتی تھیں کہ وہ الحان کی اولاد نہیں ہیں۔''

رافیہ کو توقع نہیں تھی کہ فرحان خان اس طرح ان کی کہی بات کو پکڑ کر الجھانے کی کوشش کریں گے۔

''ہاں، جس رشتے کو میں نے نہیں مانا، اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مزید کسی رشتے کو بھی میں نہیں مانتی۔'' اگلے ہی پل وہ اپنی ازلی ضد پر ڈٹی کھڑی تھیں۔

سنعہ اس عرصے میں الحان کے ساتھ سر جھکائے کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔

''آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی حقیقت بدل سکتی ہے۔ بہر حال میں ابھی تو یہاں سے جا رہا ہوں، لیکن میں آپ کو پھر بتا رہا ہوں، میں نے اپنے بیٹوں کے گمشدہ ہونے کی پولیس میں رپورٹ درج کرا دی ہے اور اب میں زیاد فاروق کا نام لینے جا رہا ہوں، چلو سنعہ!''

ماں کی مسلسل بے رخی دیکھ کر الحان جیسے کسی نتیجے میں پہنچ کر انہیں اپنے اٹل ارادوں سے آگاہ کرتا سنعہ کا ہاتھ تھام کر مڑا۔

''ٹھہرو! مجھے کوئی بتائے گا، یہ سب کیا ہو رہا ہے ماں بیٹے کے درمیان؟'' فرحان خان نے ڈپٹ کر روکا۔

''میں کسی کا بیٹا نہیں ہوں۔'' الحان کا لہجہ چیخ گیا تھا۔

''شٹ اَپ! کیا تمہارے کہہ دینے سے حقیقت بدل جائے گی؟''

''ما..... ماتو ایسا ہی سمجھتی ہیں۔''

''حنی! پلیز، چلو یہاں سے ورنہ..... میرے بچے!'' سنعہ آخر خود کو بولنے سے روک نہ سکی اور اس کا بازو تھام کر اسے اصل مسئلے کا احساس دلایا۔

''سنعہ خان! یہ سب کیا ہے؟ جھگڑا کیا ہے آخر؟''

''سر.....! میرے بچے! کوئی گھر سے لے گیا ہے۔ آپا بھی شاید ان کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اگر مجھے میرے بچے نہیں ملے تو میں.....''

سنعہ نے لب دانتوں تلے دبا کر ابھرنے والی سسکیوں کو روکا اور رافیہ کو اپنی زخمی نظروں سے دیکھا جس پر وہ پھر سے تڑپ اٹھیں۔

''تڑپ رہی ہو نا چھٹانک بھر کے لوتھڑوں کے لیے اور مجھ سے میرا جوان بیٹا چھین کر لے جاتے ہوئے تو تمہیں میری تڑپ کا احساس نہیں ہوا ہوگا؟ کہا تھا، تمہارے مجنوں سے، نشاء اور اس کے باپ کو کمزور نہ سمجھنا۔ دیکھ لیا انجام..... نبھائے تم سے محبت..... تڑپو اب دونوں ہی..... جتنا میں جلی ہوں، اتنا اب تم بھی جلو۔''

''رافیہ! بس بند کرو یہ تماشہ۔ بہت عرصے سے میں بہت کچھ سن رہا ہوں اور برداشت بھی کر رہا ہوں۔ تم نے سنعہ اور الحان کے بارے میں جتنا کیچڑ اچھالنا تھا، اچھال لیا، اب مزید نہیں۔ تم کیا سمجھتی تھیں، میں ساری زندگی حقیقت سے بے خبر رہوں گا۔ سچائی پر جھوٹ اور فریب کا پردہ ڈال کر تم نے خود کو ہی مجرم ثابت کر دیا ہے رافیہ!''

ماحول میں یک دم خاموشی تیرنے لگی تھی۔ صرف فرحان خان کی آواز وقفے وقفے سے گونج رہی تھی۔

''بیٹے کو غلط راہ دکھا کر تم اس سے کیا کروانا چاہتی تھیں؟ وہ سنعہ سے شادی نہ کرتا تو کیا کرتا؟ پھر بھی تم نے اپنے بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں سے دور کیا ہے۔ تمہیں سنعہ کو یا کسی اور کو الزام دینے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہی میرے کسی بچے کو میرے گھر سے بے دخل کرنے کا اختیار ہے۔ سنعہ کو تو میں خود اپنی بہو بنانے کا ارمان رکھتا تھا اور اب اسے اپنی بہو ہونے کا اعزاز بھی دوں گا۔ تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوگا۔''

رافیہ حیرتوں کا سمندر آنکھوں میں سموئے فق چہرے کے ساتھ بدلے ہوئے فرحان خان کو دیکھ اور سن رہی تھیں اور ان کا ارمان بھی سمجھ رہی تھیں۔

''اور تم..... تم نے یہ سب کیوں چھپایا؟ اور صرف مجھ سے؟ ساری دنیا کو خبر تھی اور تم نے مجھے بے خبر رکھا۔ کس لیے؟ کیا مجھ پر بھروسہ نہیں تھا؟'' الحان کو انہوں نے ملامتی نظروں

سے دیکھا۔

سنعہ کو اب اس وقت اپنی حیثیت قبول کرانے یا ہونے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔ اس کی جان، اس کی سانسیں تو اپنے بچوں میں اٹکی ہوئی تھیں جو نہ جانے کہاں تھے اور کس حال میں تھے۔

الحان اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس لیے عجلت بھرے انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

''پاپا! میں اپنی ہر غلطی ہر جرم مانوں گا مگر ابھی ہمیں جانے دیں۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہمارے بچے نہ جانے کہاں ہوں گے؟ میں نشاء اور اس کے باپ کو چھوڑوں گا نہیں۔ اب میں اپنی بیٹی بھی اس کے پاس نہیں رہنے دوں گا۔''

''تمہارے بچے یہیں ہیں۔'' فرحان خان نے جیسے دھماکا کر دیا۔

تینوں ہی پھٹی پھٹی آنکھوں اور کھلے ہوئے منہ سے انہیں دیکھنے لگے۔

''وہاٹ؟ یہا.....ں.....؟'' الحان کے لہجے میں ہی نہیں، ہر تاثر میں بے یقینی تھی۔

سنعہ بھی حیرت زدہ سی سر اٹھائے انہیں ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اس نے اپنی نئی زندگی کی نوید سنی ہو پھر بھی سماعت پر اعتبار نہ ہو۔

الحان حیرت، دکھ اور افسوس کا مجسمہ بنا کھڑا تھا۔

''یہاں کہاں ہیں؟ تم بھی یہی سمجھ رہے ہو، میں..... میں لائی ہوں انہیں۔'' رافیہ کا بھی یہی حال تھا۔ اس بار حقیقی معنوں میں انہیں شاک لگا تھا۔ ''تمہاری نظر میں، میں اتنی ظالم ہوں کہ.....''

''انہیں میں لایا ہوں۔'' فرحان خان نے دوسرا بم پھوڑا جس نے بے حس و حرکت وجودوں میں جان ڈال دی۔

سنعہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ اس کی سسکیاں پورے ماحول میں گونجنے لگیں۔ اس کی یہ آہ و زاری شکرانہ تھا، شاید اپنے بچوں کے صحیح سلامت ہونے کی خبر نے اس کی بے قرار ممتا کو کچھ قرار جو دیا تھا۔

''پاپا! آپ..... آپ نے ہمیں اتنی اذیت دی۔ اس سارے وقت میں سنعہ کو کچھ ہو سکتا تھا۔ میں کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ آ..... پ نے ایسا کیوں کیا پاپا؟''

اتنی کشمکش، ضبط و حوصلے کے بعد اونچے لمبے الحان خان کا صبر بھی جواب دے گیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھی نم ہو گئے تھے۔ آواز بوجھل ہو گئی تھی۔

''تمہیں احساس دلانے کے لیے..... کہ ہم بھی تم لوگوں سے دوری برداشت نہیں کر سکتے۔''

"پاپا! میں اپنی مرضی سے آپ لوگوں سے دور نہیں ہوا تھا۔ ماما نے مجھے خود اپنے آپ سے اس گھر سے دور کیا تھا اور اس سب میں سعدہ کو اذیت کیوں دی گئی؟ آپ مجھے سزا دیتے۔"

الحان، سعدہ کا مقدمہ خود لڑ رہا تھا۔ سعدہ کو بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

انہوں نے جھک کر بیٹھی ہوئی سعدہ کو اٹھایا اور پھر اپنے پُر شفقت حصار میں اسے لیا۔ وہ شدت سے رونے لگی۔

"تم لوگوں نے مجھ سے میری اتنی خوشیاں چھپا کر رکھی تھیں اس لیے میں نے تمہیں سبق سکھانے کی کوشش کی تھی۔ جب کوئی جرم نہیں کیا تھا تو چپ کیوں رہے؟ مجھے پہلے دن کیوں نہیں بتا دیا؟ میں اپنی بہو کو پورے اہتمام اور اعزاز کے ساتھ اس گھر میں لے کر آتا۔ بہر حال مجھے میرے ارمان پورے کرنے سے روک تو اب بھی کوئی نہیں سکتا۔ جس کو میرا فیصلہ قبول نہ ہو، وہ بے شک مجھ سے تعلق توڑ کر چلا جائے۔"

فرحان خان نے سعدہ کو شفقت سے تھپکتے ہوئے کن انکھیوں سے رافیہ کو بھی دیکھا جو ابھی تک اسی طرح ششدر کھڑی تھیں۔

فرحان خان نے سکینہ آیا کو زور سے آواز دی۔ وہ دروازے سے کانپتی ہوئی ڈھیل کاٹ دھکیلتی اندر آ رہی تھی۔

سعدہ خود کو چھڑا کر بے تابانہ اس طرف بڑھی جدھر سے سکینہ آ رہی تھی اور پھر وہ ہنستے لبوں، روئی آنکھوں سے دونوں بچوں کو چوم رہی تھی۔ ایک کو اٹھاتی، دوسرے کو لپٹاتی۔ ماں کا لمس پاتے ہی شاید انہیں بھی ماں کی جدائی کے بعد ملن کا احساس ہوا تھا۔ دونوں ہی ایک ساتھ رونے لگے تھے۔

سکینہ آیا ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ فرحان خان نے اسے بمشکل اس سب کے لیے تیار کیا تھا۔ انہیں تمام حقیقتیں سکینہ آیا سے ہی معلوم ہوئی تھیں۔ وہ سعدہ کو اپنے گھر میں اصل مقام کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔

الحان بھی اپنے بچوں کی طرف بڑھا تھا۔ سعدہ کو اس طرح ہنستے روتے دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"آؤ سعدہ! اپنے گھر چلیں۔"

"یہ کس کا گھر ہے؟" فرحان خان اس کے سر پر پہنچ کر بولے۔

"پاپا پلیز، میں ماما کے لیے اذیت نہیں بننا چاہتا۔ سعدہ کا وجود ان کے لیے ناقابل

برداشت ہے اور میں، سعدہ اور اپنے بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

الحان نے ان کے چہرے پر ان کی خواہش پڑھ کر قدرے شرمندگی سے منع کیا۔

"اور میں تم لوگوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا بڑھاپے میں مجھے اپنے بچوں کے ساتھ ان کی خوشیاں دیکھنے کا کوئی حق نہیں ہے؟ تمہاری ماں اگر فطری محبتوں سے منکر ہے تو میں خود پر جبر نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے پوتوں کے ساتھ رہنے کا سکھ نہیں چاہیے۔ اپنی بہو کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے تو میں کیا کروں، مجھے تو یہ سکھ چاہیے۔ مجھے تو اپنی بہو اور بیٹی کی محبت ملنی چاہیے یا نہیں؟ اور میری بیٹی کو اپنی اتنی ریاضتوں کا انعام نہیں ملنا چاہیے جس نے تمہارے لیے اتنا سب کچھ سہا اسے اس کے اصل گھر سے دور کیوں کرو گے؟ میں فیصلہ کر چکا ہوں، تم لوگ اب یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گے۔ اگر رافیہ کو اعتراض ہے تو وہ بے شک....."

"پاپا پلیز، مزید کچھ مت کہیں۔ آپ نے مجھے تسلیم کر لیا، میرے بچوں کو اپنا مان لیا، اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ آپ ماما کو جبراً کسی بات کے لیے مجبور مت کریں۔ میں آپ کے ساتھ ضرور رہوں گی مگر جب ماما چاہیں گی، تب۔"

سعدہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ اس کے جذبات کی طغیانی بھی تھم چکی تھی اس لیے وہ اب پورے ذہن سے ہر بات سوچ سکتی تھی، سمجھ سکتی تھی۔ فرحان خان کو اس نے جس انداز اور نرمی سے بات سمجھائی تھی، وہ اس پر اسے رشک آمیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

رافیہ کے احساسات میں تغیر تو فرحان خان کی باتوں نے ہی پیدا کر دیا تھا، مزید تبدیلی سعدہ کی باتیں سن کر پیدا ہو رہی تھی۔ وہ چاہتی تو انہیں نیچا دکھانے کے لیے فرحان خان کی پیشکش قبول کر کے پورے دھڑلے سے یہاں رہنے کی کوشش کر سکتی تھی مگر وہ ہر موقع گنوا کر جا رہی تھی۔ بچوں کی چہکاریں انہیں بھی کھینچ رہی تھیں مگر وہی انا اور ضد کی زنجیریں جنہیں اپنے گرد انہوں نے خود باندھا تھا، کھلنے میں دیر لگ رہی تھی۔

سعدہ نے الحان کو کچھ اشارہ کیا تو وہ ماما کی طرف بڑھا تھا۔ سعدہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ دونوں نے ایک ایک بچہ اٹھا رکھا تھا۔

"ماما! اگر میں نے کبھی آپ کا دل دکھایا ہو تو آپ مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں آئندہ آپ کو دکھ پہنچانے نہیں آؤں گا۔"

الحان نے کٹھور بنی ماں کو امید افزاء نظروں سے دیکھا کہ شاید وہ اس کے بچوں کو پکڑ کر ایک نظر ہی دیکھ لیں۔

"ماما! مجھے بھی میری ہر غلطی کے لیے معاف کر دیں۔ بلیومی، میں نے کبھی دانستہ آپ کو

تکلیف دینے کی کوشش نہیں کی۔ نہ ہی کبھی الحان کو روکا ہے۔ الحان کو تو آپ نے خود ہی.....''
سنعہ کی آواز بھیگ گئی۔

''ہاں، ہاں، ساری غلطی میری ہے۔ سارے قصور میرے ہیں۔ میں ہی بری ہوں۔ میں ہی اولاد کی خوشیوں کی دشمن ہوں۔ مجھے ہی اپنے سکھ برے لگتے ہیں۔ تنہائی کے عذاب میں نے خود خریدے ہیں۔ میں ہی چاہتی ہوں، میری ساری اولاد مجھ سے دور چلی جائے۔ چلے جاؤ، سب چلے جاؤ۔ تم بھی چلے جاؤ، تمہارا باپ بھی چلا جائے۔ چھوڑ دو مجھے تنہا۔ میں اسی قابل ہوں۔''

رافیہ بے بس ہو کر رونے لگی تھیں۔ دراصل وہ ہار گئی تھیں۔ ان کی ضد و انا کی زنجیریں آخر ٹوٹ ہی گئی تھیں۔ الحان ان کے ہذیانی انداز پر بچے کو صوفے پر بٹھا کر انہیں سنبھالنے بڑھا۔ اسے معلوم تھا، ماما بکھر رہی ہیں۔

''ماما! ماما! خود کو سنبھالیں۔ پاپا یہیں ہیں، کہیں نہیں جا رہے۔ اگر آپ چاہیں گی تو ہم بھی نہیں جائیں گے۔ میں تو خود آپ کی محبتوں کے سائے میں رہنا چاہتا ہوں اور سنعہ بھی۔''

وہ اس کے کندھے سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔ یہی وہ سننا چاہتی تھیں۔ الحان کا یہی سعادت مند لہجہ تو ان کی تسکین کا باعث تھا۔ ان کے دل سے ہر میل کدورت دھلنے لگی تھی۔ اپنی عمر بھر کے عوامل پر ایک بصیرت بھری نظر کافی تھی۔ انہیں ہمیشہ ان کی حیثیت سے بڑھ کر ملا تھا۔ وہی ساری زندگی ناشکری کا کشکول لیے اپنے خالی پن کا رونا روتی رہی تھیں ورنہ کیا نہیں تھا ان کے پاس، شوہر، اولاد، بہوؤں اور پوتے پوتیوں کی انمول محبتیں..... اس بار انہوں نے فراخ دلی سے سنعہ کو اپنے پہلو میں سمیٹ کر اپنے بڑے پن کا ثبوت دیا تھا۔

فرحان خان کو اپنی اس کوشش کی کامیابی پر سرشاری ہو رہی تھی۔ ایک عمر کی ریاضت کے بعد وہ رافیہ کو اس روپ میں دیکھ پائے تھے اور سنعہ بھی سوچ رہی تھی کہ اسے رافیہ کی نظروں میں کوئی مقام ملنا تھا مگر اتنے کٹھن دور اور کڑے امتحان کے بعد..... اب وہ انہیں پیچھے ہٹا کر اپنے پوتوں کو دونوں پہلوؤں میں سنبھالے پیار کر رہی تھیں۔ نامانوس لمس پر دونوں ہی نچلے جا رہے تھے اور یہ تینوں کھڑے مسکرائے جا رہے تھے۔

بعد مدت کے اس گھر میں ہنسی، مسکراہٹیں اور بچوں کی رونے مچلنے کی آوازیں گونج رہی تھیں جو زندگی کے ثمر بار ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔

☆=======☆=======☆

سراب چہرے

کہتے ہیں پولیس والوں کی نہ دوستی اچھی نہ دشمنی۔ ایک معصوم لڑکی کی جذبات میں ہلچل مچا دینے والی دردناک داستان۔ اسے وقت نے سہاگ کی سیج سے کھینچ کر کانٹوں کے بستر پر پٹخ دیا تھا، وہ کسی اور کے گناہوں کی فصل کاٹنے پر مجبور تھی۔

جواد آخر تمہیں تکلیف کیا ہے، ہر لڑکی کو ریجکٹ کر دیتے ہو۔ تمہاری وجہ سے اب تو مجھے اماں جان سے بھی شرمندگی محسوس ہونے لگی ہے۔ وہ الگ مجھ سے خفا ہیں کہ میں نے ہی تمہیں سر چڑھا رکھا ہے۔ ظاہر ہے میں نے ہی تمہیں سر چڑھا رکھا ہے، تمہاری ہر جا اور بے جا ضد منوانے میں تمہارا ساتھ جو دیتی ہوں۔'' یہ شمور بھابی تھیں جو خاصی خفگی سے بولی رہی تھیں۔ آج پھر جواد کی شادی کا مسئلہ زیر بحث تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

''کیا ہے چاچو..... آپ کی وجہ سے میرا نمبر بھی اٹکا ہوا ہے۔'' اس کے بھتیجے تیمور نے شرارت سے اپنے چہیتے چاچو کو چھیڑا تو وہ اسے گھور کر رہ گیا پھر بھابی جان کے قدموں میں خوشامدانہ انداز میں بیٹھ کر بولا۔

''بھابی جان، آپ ماما کو سمجھائیں ناں۔ ابھی مجھے اس چکر میں مت پھنسائیں۔ میری خوشی کا کسی کو احساس نہیں ہے آپ لوگوں کو میری آزادی کیوں بُری لگ رہی ہے۔''

''کیا سمجھاؤں میں انہیں، کوئی معقول جواز بھی تو ہو۔ ہمیشہ گول مول جواب دیتے ہو۔ تمہاری خوشی کا ہمیں علم بھی تو ہو۔ کیا ہے تمہارے دل میں کچھ ہمیں بھی خبر ہو۔'' وہ مزید خفگی سے بولنے لگیں۔

''افوہ آپ لوگ بھی تو بس ایموشنل بلیک میلنگ شروع کر دیتے ہیں۔ ہو جائیں گے سب کے ارمان بھی پورے مگر پہلے مجھے تو خود کو اس معاملے کے لئے تیار کرنے دیں۔ آخر میری ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ ایسے کیسے میں کسی بھی لڑکی کے لئے ہامی بھر لوں کم از کم آپ تو سمجھنے کی کوشش کریں نا۔'' اس نے ان کے گھٹنے تھام کر منانے کی کوشش کی تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر رہ گئیں۔

جواد اسامہ پانچ بہنوں کے بعد پیدا ہونے والا لاڈلا سپوت تھا۔ سب سے بڑے بھائی شارب اسامہ کے بعد پانچ بہنیں تھیں، پھر جواد اسامہ۔ سب بہنیں باری باری اپنے اپنے گھر سدھار چکی تھیں اور بال بچوں میں مگن تھیں۔ شارب بھائی کی فیملی بھی ایک عدد بیٹے اور بیٹی کے ساتھ مکمل تھی بلکہ ان کا بیٹا اور بیٹی بھی دو چار سال میں شادی کے لائق ہونے والے تھے۔ جواد ہی تھا جو کب سے گھر والوں کے ارمانوں پر پانی پھیرتا چلا آ رہا تھا۔ حالانکہ وہ مالی طور پر بھی مستحکم تھا، برسر روزگار بھی ہو چکا تھا۔ جاب بھی من پسند تھی۔ سب کی خواہش کو رد کرتے ہوئے اس نے بزنس سے جان چھڑا کر ایڈونچرس جاب کی تھی۔

گزشتہ سال سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے وہ اے ایس پی کے عہدے پر فائز ہو چکا تھا۔ تبھی اماں جان کے ارمان مچلے تھے کہ اب جلدی سے اس کے فرض سے بھی سبک دوش ہو کر چین لیں مگر وہ ہر بار ان کی پسند کردہ لڑکی میں سو سو خامیاں نکال کر رسیاں تڑا کر بھاگ نکلتا تھا۔

بھابی شمور اس کی حمایت کرتیں کہ مان جائے گا آخر۔

اماں جانی اسی لیے انہیں الزام دیتیں کہ وہ ان کی وجہ سے ہاتھوں سے نکلا ہے۔ اسے نہ ماں کے ارمانوں کا خیال ہے، نہ بہنوں کی خواہشوں کا۔ بہنوں کو تو وہ ہٹ دھرمی سے شرم دلاتا کہ وہ اپنے ہونہار بھائی کو اپنے سسرالیوں میں پھنسانا چاہتی ہیں۔

اکثر وہ صاف گوئی سے کہتا۔ ''سوری! کسی ایک بہن کی سسرال میں شادی کی ہامی بھر کے میں باقی بہنوں کو ناراض نہیں کر سکتا۔'' کبھی کہتا۔ ''اپنے بھائی اور اس کے عہدے کا خیال نہیں ہے۔ اپنی اپنی بونگی، پینڈو نندوں کی فکر رہتی ہے۔ میری بہنو! مجھے بخشو۔ مجھے زندگی میں صرف ایک عدد شادی کرنی ہے اور وہ میں سوچ سمجھ کے ہی کروں گا۔''

اس کی اس قسم کی باتوں سے بہنیں بھی ناراض سی رہنے لگی تھیں بلکہ اب تو انہوں نے اس کے سامنے یہ موضوع چھیڑنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ویسے بھی وہ میکے کم ہی آتی تھیں۔ کسی خاص موقع یا عید تہوار پر انہیں بہ مشکل فرصت نکالنی پڑتی تھی۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟ بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟'' بھابی جان ایک بار پھر زچ ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

''میرے دل میں؟ آئی سویئر بھابھو، میرے دل میں ابھی تک کوئی نہیں ہے۔'' اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

''پھر؟'' بھابی جان نے اپنا درشت لہجہ برقرار رکھا۔

''پھر یہ کہ خالاؤں، پھوپیوں، چاچوں، ماموں، بھانجیوں، بھتیجیوں وغیرہ وغیرہ کا خیال دل سے نکال دیں اور خاندان سے باہر ٹرائی کریں۔ میرے معیار کی لڑکی کم از کم خاندان میں تو کوئی نہیں ہے اور آپ سب ہیں کہ ابا جی کی بھتیجی سے کرلو، اماں جانی کی بھانجی لے آتے ہیں، پانچوں بہنیں اپنی اپنی نندوں کے گن گانے لگتی ہیں۔ مجھ پر رحم کریں مجھے ایک شادی کرنی ہے اور وہ خاندان میں کر کے باقی سب کو اپنا دشمن نہیں بنانا۔'' جواد نے اپنے خیالات کو منہ بنا کر دہرایا تو باوجود خفگی کے بھابی ثمور ہنسنے پر مجبور ہو گئیں۔

''بکو مت، خاندان میں کرنے سے بہت سے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ سب کچھ سامنے ہوتا ہے تو.....'' وہ اسے پھر سے سمجھانے لگیں۔

وہ ان کے قدموں سے اٹھ کر صوفے پر ٹک کر ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''مجھے نقصان ہی میں رہنے دیں۔ نہیں پھنسنا مجھے جنجال پورے میں۔''

''زیادہ بکوس مت کرو۔ اماں جانی نے سن لیا تو تمہارے ساتھ میری بھی خیر نہیں ہے۔ آج منہ سے اتنا پھوٹ چکے ہو تو یہ بھی بتا دو کہ کوئی پسند کر رکھی ہے؟ کوئی چکر ہے تو.....''

''آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں کہ.....'' وہ مصنوعی خفگی سے منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

تیمور نے اپنے چاچو کو شرارت آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''چاچو کی پسند ایک ہو تو بتائیں، ہاف سینچری.....''

تیمور کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی جواد نے کشن کھینچ مارا جس پر وہ خاموش ہو گیا۔

''تم اپنی بک بک بند نہیں کر سکتے۔'' اس نے تیمور کو ڈانٹا۔ ''بھابی جانی یہ آپ کو بھڑکا رہا ہے۔ ایمان سے قسم لے لیں جو کوئی ایک بھی مجھے پسند ہو۔ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ میں اس طرح تو.....'' تیمور کو مسلسل گھورتے ہوئے اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

بھابی جان بھی اس کی ٹال مٹول سمجھ کر ہنس پڑیں۔ انہیں پتا تھا، یہ معاملہ اسی طرح بغیر حل ہوئے دب جائے گا۔ جواد اسی طرح جان چھڑاتا آ رہا تھا۔

''پلیز چاچو، مان جائیں ناں! دیکھیں میرے رزلٹ میں بھی چند ہفتے رہ گئے ہیں، پھر فورتھ ایئر کی کلاسز شروع ہو جائیں گی تو میں کیسے انجوائے کروں گی آپ کی شادی۔'' اس کی بھتیجی سونم نے بھی خوشامدانہ انداز میں کہا۔ وہ ابھی ابھی کمرے میں آئی تھی۔

وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ ''میں تو راضی ہوں مگر کوئی لڑکی معیار کی بھی تو ہو، تم بھی کوشش نہیں کر رہی ہو۔ تم کوشش تو کرو۔ اماں جانی تمہارا انتخاب تو ضرور قبول کر لیں گی۔''

''واہ، اتنی لڑکیاں تو دکھائیں آپ کو سب نے، اب ہم اور کہاں سے ڈھونڈیں آپ

کے معیار کی لڑکی!'' سونم نے کافی کا مگ اسے تھماتے ہوئے خفگی کا اظہار کیا۔

''ڈھونڈنے کو کون کہہ رہا ہے، تمہاری اتنی فرینڈز جو ہیں۔ ان میں سے چار کو تو قبول کر ہی لوں گا، شرع میں فی الحال اتنی ہی گنجائش ہے ورنہ.....'' جواد نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے سنجیدہ چہرہ بنا کر کہا۔

وہ اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے مزید خفا ہو گئی۔ ''چا..... چو! آپ، آپ کتنے خراب ہیں، آپ کی نظر میری فرینڈز پر ہے۔ شیم آن یو! آخر وہ بھی میری طرح ہیں، آپ کی بھتیجیوں جیسی۔''

''مائی سویٹ ہارٹ! تم تو تم ہو میری گڑیا! میری پیاری سی بھتیجی، میری جان! تم جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ سب تو ''وہ'' ہو سکتی ہیں ناں!'' جواد نے شرارت بھرے انداز میں کہا اور لاڈ سے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

بھابی اسے گھور رہی تھیں اور تیمور اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہا تھا۔

''مما، دیکھیں ناں چاچو کو، کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میری فرینڈز سے شادی کریں گے، یہ جانتے نہیں سب پڑھتی ہیں ابھی۔'' سونم نے شکایتی انداز میں ماں کو مخاطب کیا بلکہ جیسے انہیں باور کرایا کہ وہ غلط سوچ رکھتے ہیں۔

بھابی ثمور نے بیٹی کی معصومیت پر مسکرانے کے بعد جواد کو سنجیدہ نظروں سے دیکھ کر مخاطب کیا۔ ''لگتا ہے تمہیں سونو کی کوئی فرینڈز پسند ہے، کون ہے وہ؟''

''مائی گاڈ مجھے کہاں پسند ہے۔'' خود کو پھنستے دیکھ کر اس نے اپنا بچاؤ کیا۔ ''بس تو اس گولڈی کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔ اسی کو میری شادی کی فکر ستا رہی ہے اور اسے ہی اپنی سہیلیوں کے بنا چین جو نہیں پڑتا۔ ہر وقت یہاں کوئی نہ کوئی گھسی رہتی ہے۔'' وہ بات کو مذاق میں اُڑانا چاہ رہا تھا۔

بھابی جان کو جانے کیا سوجھی فوراً بولیں۔ ''واقعی! اس میں حرج ہی کیا ہے، سونو کی سبھی سہیلیاں اتنی پیاری پیاری ہیں اور سبھی اچھے گھروں کی ہیں، تمہیں کون اچھی لگتی ہے۔''

''وہ اچھی ہوں تو اچھی لگیں ناں، سب کی سب بکواس ہیں۔'' جواد نے ثمینہ کو پھر سے چڑایا تو وہ اپنی سہیلیوں کی خاطر آبدیدہ ہو کر اس سے دور جا بیٹھی۔

''مذاق میں بات نہ ٹالو، جو پسند ہے بتا دو اس طرح اماں جانی کی ناراضگی بھی ختم ہو جائے گی، تم خود سوچو، ابا جان کی وفات کے بعد انہیں کوئی خوشی نہیں ملی۔ وہ تمہارا گھر آباد کر کے تمہاری ذمے داری نبھا کر اپنے فرض کی ادائیگی پر خوش ہونا چاہتی ہیں۔ انہیں تمہارے

بچوں کو گود میں کھلانے کی آرزو ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ ہے جو تم انہیں انتظار کی محرومی دے رہے ہو، آخر کب تک وہ آس لگائے رہیں گی! ان کی ضعیفی پر ترس نہیں آتا تمہیں، کیوں تنگ کر رہے ہو انہیں بھی اور ہمیں بھی؟'' آخر ثمور بھابی اپنے سنجیدہ اور نرم لب و لہجے میں مخاطب ہو ہی بیٹھیں۔

ان کا یہ انداز اسے ہمیشہ بے بس کر دیتا تھا۔ اماں جانی سے زیادہ وہ ان کے قریب تھا، انہی کی مانتا اور انہی سے اپنی منواتا تھا۔ اب ان کی سنجیدگی پر اسے بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔ ''میں نے انکار تو نہیں کیا۔ جب وقت آئے گا تو ہو جائے گی شادی۔ اچھا ٹھیک ہے ناراض نہ ہوں، آپ کو جو پسند ہو چلے گی، مگر شرط ہے کہ لڑکی جو بھی ہو میری گولڈی کی فیورٹ ہو۔'' آخر میں وہ پھر شرارت سے ہنسا تو اس بار ثمینہ بھی باوجود ناراضگی کے ہنس دی۔

''چاچو آپ جانتے ہیں میری فیورٹ کون ہے۔''

''کون..... کون گولڈی؟'' تیمور نے اشتیاق ظاہر کیا۔

''رشی اور کون۔'' اس نے فوراً معصومیت سے بتا دیا۔

''نو..... نو چاچو! آپ اس مصیبت سے تو شادی مت کیجیے گا، میرا آدھا بھیجا وہ پہلے ہی کھا چکی ہے آدھا یہاں آ کر کھا لے گی۔ پلیز چاچو بھتیجی کی محبت میں بھتیجے پر یہ ظلم مت ڈھانا ورنہ.....'' تیمور نے فوراً ہی تردید کر کے مظلومیت کا مظاہرہ کیا۔

''شٹ اَپ تمی، شادی تمہیں نہیں جواد کو کرنا ہے۔'' بھابی جان اس مسئلے پر کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو رہی تھیں اس لیے بیٹے کو ٹوکا۔ ارادہ تھا کہ آج جواد سے ہر حال میں شادی کے لیے ''ہاں'' کروا کر دم لیں گی۔ وہ ماں کی ڈپٹ پر خجل ہو کر وضاحت کرنے لگا۔

''وہ میرا مطلب تھا کہ ایک کم ہے مجھ پر حکم چلانے والی آپ کی لاڈلی، اب وہ آ گئی تو یقیناً دونوں مل کر مجھے تو غائب کر دیں گی، رشی تو پہلے ہی مجھ پر رعب جماتی ہے پھر تو.....''

بھابی جان نے بیٹے کی بات پر کان نہ دھرے۔ ''جواد پھر کیا خیال ہے رشان کے بارے میں۔'' وہ پھر سے جواد کو گھیرے ہوئے تھیں۔

''ٹھیک ہے اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں تو اوکے۔ گولڈی کو خوش ہونا چاہیے۔ پھر اس کی فورتھ ایئر کی کلاسز شروع ہو جائیں گی۔ یہ میری شادی انجوائے نہیں کر سکے گی بلکہ اپنی فیورٹ فرینڈ کی شادی۔'' جواد کی سعادت مندی میں بھی شرارتیں پوشیدہ تھیں۔

بھابی جان تو جیسے منوں بوجھ سے آزاد ہوئیں اور اطمینان سے ہنسنے لگیں۔

سونم بھی چاچو کو رضامند پا کر حیرت زدہ ہونے کے ساتھ انہیں بہت کچھ باور کرانے کی

کوشش کرنے لگی۔

''مگر مما، رشی تو ابھی پڑھ رہی ہے۔ ابھی وہ شادی بھی نہیں کرنا چاہتی اور میری اتنی پیاری فرینڈ کی چاچو کے ساتھ شادی.....''

''پیاری ہے تو کیا چاچو کم پیارا ہے۔'' جواد نے مصنوعی خفگی و رعب جھاڑا تو وہ گڑبڑا گئی۔

جواد شادی کے لیے رضامند ہو گیا تھا اس بات پر سب خوش تھے۔ اماں جانی نے بھی سکھ کا سانس لیا تھا کہ کسی کے لیے بھی سہی وہ مانا تو۔ ویسے بھی رشان سب کو پسند تھی۔ شائستہ، سلجھی ہوئی سیدھی سادی سی مگر کچھ شرارتیں بھی ثمینہ اور تیمور کے ساتھ رہ کر سیکھی تھیں وہ تیز طرار نہیں تھی۔ سب کو بس ایک خدشہ تھا کہ کہیں جواد اور رشان کے درمیان سات آٹھ سال کی عمر کا فرق وجہ انکار نہ بن جائے اور اس کا اظہار جواد سے بھی کیا گیا تھا جس پر اس نے قطعی انداز میں فیصلہ سنا دیا تھا کہ شادی اسے رشی سے ہی کرنی ہے ورنہ نہیں۔ طے یہ پایا تھا کہ پہلے بھابی ثمور جا کر رشی کی ماما کا عندیہ لیں۔ انہیں اپنے ارادوں سے باخبر کریں پھر باقاعدہ پیغام بھیجا جائے گا۔

رشان امل بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور یہاں پاکستان میں اپنی ماما کے ساتھ رہتی تھی۔ سب سے بڑا بھائی تھا جو تعلیم کے لیے باہر گیا تھا اور پھر وہیں شادی کر کے سیٹ ہو چکا تھا۔ رشان سے بڑی دو بہنوں کی شادیاں بھی ملک سے باہر ہوئی تھیں۔ رشان کی ماما شوہر کی وفات کے بعد رشان کے سہارے زندہ تھیں۔ بیٹا اور بیٹیاں دو تین سال میں چکر لگا جاتے تھے۔ انہیں اپنے پاس بھی بلانے کی کوشش کر چکے تھے مگر وہ اپنا وطن اور اپنا گھر چھوڑنے پر تیار نہ تھیں۔

بھابی ثمور کی وقت بے وقت آمد آج کل رشان کی ماما سیما امل کو کچھ کھٹکنے لگی تھی۔ رشی اور ثمینہ کی دوستی کئی سالوں سے تھی مگر بڑوں میں راہ و رسم واجبی اور رسمی سی رہی تھی۔

سونم کے گھرانے سے بہت کم میل ملاپ رہا تھا ان کا۔ آخر ان کی آمد و رفت کا عقدہ کھل ہی گیا تھا۔ رشان کے لیے اتنی جلدی کسی کے پرپوزل کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ رشان ابھی زیر تعلیم تھی اور ان کی ممتا کی نظر میں تو وہ ابھی بچی تھی، ناسمجھ تھی۔ بھابی ثمور کی آمد اور درخواست نے انہیں احساس دلایا تھا کہ رشان اب بچی نہیں رہی تھی۔ رشان ویسے بھی اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے خاصی نمایاں نظر آتی تھی۔

''آپ سمجھئے کہ وہ اپنے ہی گھر میں ہو گی۔ ہم سب کے ہوتے ہوئے اسے یا آپ کو

کسی قسم کی پریشانی ہو ہی نہیں سکتی۔ جواد بہت خوش رکھے گا ہماری بیٹی کو۔'' بھابی ثمور نے ان کا تذبذب دیکھ کر انہیں مطمئن کرنے کی خاطر بہت محبت سے کہا۔

''لیکن اتنی جلدی تو..... وہ ابھی پڑھنا چاہتی ہے۔'' سیما اہل کشمکش میں مبتلا ہو گئیں کہ کریں تو کیا کریں۔ پرپوزل تو ان کی توقع سے بڑھ کر تھا مگر رشی کا ردِعمل انہیں مشکل میں ڈالے ہوئے تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں باجی، اچھی طرح سوچ سمجھ لیں بلکہ اپنے بچوں سے بھی مشورہ کر لیں۔ جواد کے بارے میں بھی جو انکوائری کروانی ہو ضرور کروائیں۔ آخر بیٹی کا معاملہ ہے پھر آپ کا فیصلہ جو بھی ہوگا ہمیں منظور ہے۔'' ثمور بھابی نے رسان سے کہا۔

وہ ہولے سے مسکرا دیں۔ ''ٹھیک ہے میں بچوں سے مشورہ کر لوں۔ رشی سے بھی پوچھنا پڑے گا پھر کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔''

''ہاں ہاں ضرور، یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں، رشی تو ابھی بچی ہے۔ اس کا اچھا برا تو آپ ہی سمجھ سکتی ہیں۔ ویسے آپ بے فکر رہیں۔ رشی مجھے اپنی سونو سے کم عزیز نہیں ہے۔ ایسا سمجھیں کہ وہ آپ کی ممتا کی چھاؤں سے نکل کر میری ممتا کی چھاؤں میں آ جائے گی۔ جواد کو بھی میں نے بیٹے کی طرح پالا ہے۔ مجھے امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی۔''

بھابی ثمور نے انہیں آخر مثبت انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہیں ہمیشہ یہ خدشہ رہا تھا کہ باقی سب کی طرح رشان کا پرپوزل بھی کہیں باہر سے نہ آ جائے کیونکہ بھائی اکثر کہتا تھا کہ رشان کو میرے پاس بھیج دیں بلکہ آپ دونوں ہی آ جائیں۔ میں یہیں رشی کی شادی کر دوں گا۔ یہ بات سیما کو گوارہ نہ تھی اس لیے وہ جواد کے لیے سوچنے پر مجبور ہو رہی تھیں۔ وہ نہیں تو رشی ان سب کو اچھی طرح جانتی تھی اور ان کا خیال تھا رشی وہاں اچھی طرح ایڈجسٹ بھی ہو جائے گی۔ ان کی اتنی چاہت سے پیش قدمی کرنے کو روکنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ ویسے بھی سبھی کی طرح ان کا خیال بھی واثق تھا کہ رشتے آسمانوں پر طے پاتے ہیں۔ جواد اور رشان کا رشتہ اگر آسمان پر طے پا چکا تھا تو وہ کیسے انحراف کر سکتی تھیں۔

اب بس ان کے لیے رشان کو سمجھانے کا مسئلہ تھا کہ سونم نے اپنے گھر میں پکنے والی کھچڑی کی خوشبو اسے بھی سنگھا دی جس پر کئی لمحے تک وہ گنگ ہی رہ گئی اور جب اسے یقین ہوا کہ سونم کی اطلاع مشکوک نہیں ہے تو وہ وہیں ان کے گھر میں سونم کے کمرے میں بیٹھ کر تیمور اور سونم سے لڑنے لگی۔ سونم بار بار مصالحت کے لیے اسے وہی فوائد گنوانے لگتی جس سے اسے رام کیا گیا تھا۔ اکٹھے رہنا، اکٹھے گھومنا پھرنا، کالج میں ایڈمیشن، نئے نئے کپڑے،

جیولری، سیریں، ٹھاٹ باٹ۔ تیمور اور سونم نے اسے بہلانے کے لیے بہت سے اضافے بھی کیے تھے مگر وہ ان پر خفگی کا اظہار کرنے کے ساتھ مسلسل روئے بھی جا رہی تھی۔

آخر وہ چلا پڑی۔ ''نہیں چاہیے نا مجھے کچھ بھی۔ تم لوگ بے ایمان ہو۔ یہ سب چکر تم دونوں کا چلایا ہوا ہے۔'' رشی نے سسکی روکتے ہوئے ثمینہ اور تیمور کو جھڑک کر رکھ دیا۔ آستین سے آنسو صاف کرتی رشان کو تیمور نے دلچسپی سے دیکھا۔

رونے سے اس کا چہرہ مزید گلابی ہو رہا تھا۔ دل ہی دل میں اس نے اپنے چاچو کی جوہرانہ نظر کی داد دی۔ رشی کی دل کشی میں کشش تھی جواد نے یونہی تو نہیں کہہ دیا تھا کہ رشی سے ہی شادی ہوگی ورنہ نہیں۔

تیمور نے اسے مزید غصہ دلانے کے لیے جواباً کہا۔ ''میں تو خود تمہارا سب سے بڑا مخالف ہوں، پوچھ لو گولڈی سے۔ میں نے سب سے کہا بھی تھا کہ مجھے ایسی نک چڑھی سڑیل سی چاچی نہیں چاہیے۔ بھلا تم میری چاچی بننے کے لائق ہو۔''

''اور مجھے بھی ضرورت نہیں ہے تمہارے بدنیت چاچو کی، مجھے پتا ہوتا کہ وہ اس مقصد کے تحت گھور گھور کر دیکھتے ہیں تو اسی وقت طبیعت صاف کر دیتی اور پھر یہاں کبھی نہ آتی۔'' اس بار اس نے اپنے دوپٹے سے ناک رگڑی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ تیمور کو رگڑ ادے ڈالتی۔

''صحیح کہتی ہے فاریہ، پولیس والوں کی زبان ہی نہیں نظر بھی خراب ہوتی ہے۔ اپنی بھتیجی کی سہیلی پر نظر رکھی ہوئی تھی مجھے تو سوچ کر ہی.....'' اس کی بڑبڑاہٹ بھی خاصی اونچی تھی۔ جس پر تیمور تلملا گیا۔

''اے، دیکھو..... دیکھو میرے چاچو پر تم الزام لگا رہی ہو۔ ان کی نظروں سے بچنا تھا تو آج کس لیے آئی ہو۔''

''تمہارے چاچو کہیں کے پرنس ہیں جو میں ان سے ملنے آتی؟ اونہہ خوش فہمی۔ جا رہی ہوں میں اور آئندہ کبھی نہیں آؤں گی۔'' وہ غصے میں کھولتی ساتھ ہی ساتھ آنسو بہاتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''فار یور کائنڈ انفارمیشن ہمارے چاچو کسی پرنس سے کم بھی نہیں ہیں۔'' تیمور اس بار شرارت سے ہنسا۔ اس کا رونا، جھنجھلانا، چیخنا چلانا سمجھ میں آ رہا تھا۔ دونوں ہی جانتے تھے کہ پڑھائی کے حوالے سے اس کے کیا کیا عزائم اور پروگرام تھے۔

گولڈی کو بھی اپنی عزیز از جان دوست پر ترس آ رہا تھا۔ بھائی پر ناراض ہونے لگی۔

''شمی بھائی، آپ ہی خاموش ہو جائیں۔ دیکھ نہیں رہے کہ وہ کتنی اپ سیٹ ہے۔ سوری رشی

مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بے خبر ہو ورنہ میں تمہیں ابھی نہ بتاتی۔"

"ہاں تم ہی تو ہو میری دشمن۔" رشی نے کندھے پر اپنا بیگ لٹکاتے ہوئے گولڈی کی طرف سے رخ پھیرا۔ پھر تیمور کو رعب سے مخاطب کیا۔ "چلو مجھے گھر چھوڑ کر آؤ۔" آواز کی سختی میں آنسوؤں کی آمیزش بھی تھی۔ چہرے کی لالی میں بے بسی کی زردی بھی گھلی جا رہی تھی۔ اس کے لیے یہ دھچکا ہی بڑا شدید تھا۔

"سنو یہ رعب چچی بننے کے بعد چل سکتا ہے، فی الحال میں تم سے بڑا ہوں، او کے؟"

"بڑے آئے کہیں کے، جہنم میں جاؤ تم، بے شرم، مطلبی، خود غرض، خبردار گولڈی جو تم اس کے ساتھ آئندہ میرے گھر پر آئیں یا اس کی کبھی سفارش کی، بھائی ہے یہ میرا! ایسے ہوتے ہیں بھائی؟" وہ بہ مشکل اپنی سسکیاں روکتی دروازے کی طرف بڑھی مگر پھر وہ چند قدم پہلے ہی ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی کیونکہ دروازہ کھٹکے سے کھلا تھا اور دروازے سے نمودار ہونے والی ہستی کی بارعب آواز نے لمحے بھر کو اسے بھی گڑبڑا دیا۔

"گولڈی! تم لوگوں نے یہ کیا اودھم مچا رکھا ہے۔ بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہے۔ گھر میں سب کو آرام کی ضرورت ہے۔ کوئی مصیبت نازل ہو گئی ہے یا قیامت آ گئی ہے جو تم لوگ ہنگامہ برپا کر رہے ہو۔" سامنے کھڑی رشان پر نگاہ غلط ڈالتے ہوئے جواد نے گولڈی اور تیمور کو بھی گھورا تو وہ بھی سہم سے گئے۔

مگر اگلے ہی پل تیمور کو احساس ہوا کہ چاچو کی یہ انٹری کسی خاص مقصد کے تحت ہے اسی لیے فوراً ہی سنبھل کر رشی کو شرارت سے دیکھ کر بولا۔ "چاچو رئیلی پچھلے دو گھنٹے سے ہم دونوں تو بالکل خاموش ہیں یہ آپ کی ہونے والی۔"

"شٹ اَپ! اگر ایک لفظ بھی کہا تو تمہارا سر پھاڑ دوں گی ایڈیٹ!" رشان نے فوراً پلٹ کر اسے جارحانہ تیوروں سے دیکھا۔

غنیمت تھا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا ورنہ وہ اسے مارنے سے بھی نہ چوکتی۔ اس وقت وہ مارنے مرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس کے دانتوں کی کچکچاہٹ کمرے میں موجود سبھی افراد سن سکتے تھے۔ جواد کو اس وقت سامنے دیکھ کر نہ صرف اس کا غصہ تیز ہو گیا تھا بلکہ آنکھوں میں پانی بھی مزید تیزی سے جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اسے تنگ کرنے کو تیمور نے جوابانہ صرف ہونٹوں پر انگلی رکھ لی بلکہ اس سے ڈرنے کی ایکٹنگ بھی کی۔ گولڈی بھی اسے منت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ چاچو کے سامنے خاموش رہو مگر وہ چپ رہنے والی کہاں تھی۔

وہ دونوں کو کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ جواد نے صوفہ چیئر پر ٹکتے ہوئے رعب سے اسے مخاطب کیا۔ "بیٹھو۔"

"کیوں بیٹھوں؟ نہیں بیٹھنا مجھے۔" جواب اسی اکھڑ اور ضدی لہجے میں دیا۔ "اونہہ افسری جھاڑیں گے اب، بھلا کوئی تک ہے رعب جمانے کی۔" لب چباتے ہوئے، سوچتے ہوئے اس نے آنسو روکنے کی بھی ناکام کوشش کی مگر آج اس کی یہ کوشش کامیاب ہوتی نہیں لگ رہی تھی۔

جواد نے خاصی سنجیدگی سے اسے گھورا۔ "گولڈی! جاؤ اپنی بدتمیز فرینڈ کے لیے پانی لے کر آؤ۔" اس کے درشت لہجے کی زد میں گولڈی بھی آ گئی۔

رشی مزید تلملا کر رہ گئی۔ "آپ کو کوئی حق نہیں ہے مجھ پر ریمارکس پاس کرنے کا۔ میں جیسی ہوں اپنے گھر میں ٹھیک ہوں۔"

گولڈی اور تیمور اس کی جرأت پر حیران ہو رہے تھے۔ وہ اپنے چاچو سے فرینک تو تھے مگر اس کے غصے سے ڈرتے بھی تھے۔ اس نے دونوں کو چٹکی بجا کر باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

دونوں دروازے کی طرف بڑھے تو رشان چوکنی ہو گئی۔ ساری دیدہ دلیری غائب تھی۔

"کہاں چھوڑ کے جا رہے ہو مجھے، گھر چھوڑ کے آؤ میں آ رہی ہوں۔" وہ منمنا کر قدم اٹھانے لگی۔

"چاچو چھوڑ آئیں گے۔ مجھے اپنا ادھورا اسائنمنٹ پورا کرنا ہے۔ صبح سب مٹ کروانا ضروری ہے۔" تیمور نے نہایت شرافت سے بہانہ پیش کیا۔ رشی نے گولڈی کی طرف نگاہیں اٹھائیں مگر وہ اپنے چاچو کے حکمیہ اشارے دیکھ کر تیمور سے بھی پہلے نکل گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں خود نہیں جا سکتی، میرے پاؤں نہیں ہیں۔ مت جاؤ میں خود جا سکتی ہوں، خود غرضو۔" اب بھی اس کی بڑبڑاہٹ خاصی بلند تھی۔

اس کے دروازے سے باہر جانے سے پہلے ہی جواد نے اٹھ کر پیچھے سے اس کا بازو تھاما اور پھر جھٹکا دے کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

رشان پر تکلیف، غصہ، غم و حیرت ایک ساتھ حملہ آور ہوئی تھی اس لیے وہ صحیح طرح ردِعمل بھی نہ دکھا سکی، بس اپنے بازو کو سہلاتے ہوئے اسے عجیب نظروں سے دیکھے گئی۔ کل تک جس شخص کے لیے گولڈی کے چاچو ہونے کی حیثیت سے دل میں جو عزت و احترام تھا آج غائب ہو چکا تھا۔ اس کا گولڈی کے چاچو سے سامنا کم کم ہی ہوتا تھا اور جب ہوتا تھا تو وہ ادب کے ساتھ نگاہیں ہی نہیں سر بھی جھکا کر سلام کرتی آگے بڑھ جاتی تھی۔ البتہ یہ احساس

اسے کئی بار ہوا تھا کہ وہ اسے خاصی سنجیدگی سے دیکھتے تھے۔

اب بھی وہ اسے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر خاصے رعب اور استحقاق سے پوچھ رہا تھا۔ ''اب بتاؤ کیا تکلیف ہے، کیوں شور مچا رکھا ہے، بچی تو نہیں ہو، جو اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہو۔''

''مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے، آپ کو ہی کوئی درد اٹھا ہے۔''

اس کی حاضر جوابی پر جواد بھونچکا سا رہ گیا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اس کے سامنے وہ زبان بھی ہلا نہ سکے گی۔ ''تمہیں بات کرنے کی تمیز کسی نے نہیں سکھائی۔ یاد رکھو میں بدتمیزی برداشت نہیں کرتا، انڈر اسٹینڈ۔''

''آپ کو بڑی تمیز ہے ناں۔ آئے ہیں بڑے اخلاقیات پر لیکچر دینے۔'' اس بار پھر اس کی بڑبڑاہٹ واضح تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ابھی تک اپنا بازو سہلا رہی تھی۔ جواد کی اس کے بازو پر گرفت ہی اتنی تھی جس کی تکلیف نے ہی اسے اس طرح بولنے پر مجبور کیا تھا۔ ویسے بھی جب مقابل نے احترام کا رشتہ نہیں رہنے دیا تو وہ کیوں لحاظ کرتی۔

جواد نے اس کی واضح بڑبڑاہٹ سننے کے باوجود خود پر ضبط کیا اور نرمی سے پوچھنے لگا۔ ''کیا ہوا ہے؟ آخر کیا چکر ہے، یہ بن بادل برسات کس سلسلے میں ہو رہی ہے۔ گولڈی کا تم سے کوئی جھگڑا ہوا ہے۔'' جواد نے قدرے دلچسپی سے اس کی سیاہ آنکھوں کی سرخ ہوتی جھیل میں جھانکا تو وہ جل ہی گئی۔

''جیسے آپ تو انجان ہیں ناں، اس گھر میں رہتے ہی نہیں۔ سارا فساد تو آپ ہی کا پھیلایا ہوا ہے۔'' جواد نے اپنے سامنے اس کے اس اعتماد سے بات کرنے کے انداز کو دل ہی دل میں سراہا۔

''اوہ تو یہ بات ہے۔ اب میں کیا کروں، سب تمہیں ہی پسند کرتے ہیں تو میرا کیا قصور ہے، حالانکہ میں نے کہا بھی تھا کہ گولڈی کی کوئی بھی فیورٹ سہیلی چلے گی۔ اب سب نے تمہیں ووٹ دیئے ہیں تو.....'' جواد اس کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے خاصی معصومیت سے گویا ہوا۔

وہ بھنا کر رہ گئی۔ ''تو پھر ٹھیک ہے اپنا پرپوزل واپس منگوائیں اور گولڈی کی درجنوں فیورٹ سہیلیوں کے لیے ووٹنگ کرا لیں مگر مجھے سکون سے میرے گھر میں رہنے دیں، اوکے؟'' رشی واقعی بھولی ہوئی تھی کہ وہ اس لب و لہجے میں کس سے مخاطب ہے۔ اس کے ہر انداز سے اس کا غصہ اس کی جھنجھلاہٹ اس کا غم چھلک رہا تھا۔

''یہ تو بزرگوں کا معاملہ ہے، بڑے جو کریں گے وہی ٹھیک ہوگا میں کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

''واہ آپ کیوں نہیں کچھ کر سکتے، بڑے اے ایس پی بنے پھرتے ہیں۔ انکار کر دیں ہاں۔'' شام سے وہ جتنا روئی تھی، اب ساری بھڑاس نکال رہی تھی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ آج وہ اور اس کی باتیں دونوں ہی اوٹ پٹانگ ہو رہی ہیں اور وہ ہمیشہ کی مہذب، سلجھی ہوئی سی لڑکی پٹڑی سے اُتر گئی ہے۔

''سوری میں تو انکار نہیں کر سکتا۔ تم میں دم خم ہے تو تم انکار کر دو۔'' جواد کی نظریں اس کے تمتماتے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں اس لیے اس بار وہ گڑبڑا گئی۔

''آپ کا مطلب ہے، میں آپ کے لیے ''ایویں'' بدنام ہو جاؤں، سارے لوگ مجھے برا کہیں، مجھ میں کیڑے نکالیں کہ لڑکی نے خود انکار کر دیا، کوئی پسند ہوگا، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ گولڈی، تمی سے پوچھ سکتے ہیں۔''

جواد بے اختیار ہنسا۔ جوش میں اس نے ہوش نہیں کھویا تھا۔ جواد کے لبوں پر اسی بات کا اطمینان مسکراہٹ بن کر بکھرا تھا۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ مزید چڑ رہی تھی۔ ''جب ویسی کوئی بات نہیں ہے تو پھر شور کس بات کا ہے۔ بس اچھی بچیوں کی طرح ''ایویں'' سر جھکا دو، تمہیں ایجوکیٹ کرنا میرا کام ہے۔ ویسے بی اے کے بعد بھی تو تمہاری شادی ہی ہونی ہے۔''

''آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔ ابھی میں تیار نہیں ہوں اس سلسلے کے لیے۔'' وہ زچ ہوگئی۔ کوئی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا تھا۔

''تو تیاری میں کون سی دیر لگے گی۔ بیوٹیشن ساری تیاری چند ایک گھنٹے میں کر دے گی۔ اور دس منٹ میں قاضی صاحب فارغ کر دیں گے۔'' جواد اس کی بے بسی سے محظوظ ہو کر اسے مزید چھیڑ رہا تھا۔

اس کی بات پر وہ بلش ہوگئی اور ایک دم ہی کھڑی ہو کر بولی۔ ''آپ سب سے کچھ کہنا فضول ہے۔ میں اپنی ماما سے بات کروں گی۔ وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔ وہ ضرور میری بات مان جائیں گی۔''

''وہ اب تمہاری بات نہیں مانیں گی کیونکہ وہ آج شام فون پر اپنی رضامندی دے چکی ہیں۔''

اس نے بے یقینی کے بھرپور تاثر سے دیکھا اور پھر وہ دھپ سے قالین پر بیٹھ گئی بلکہ گھٹنوں میں سر دے کر اونچے سُروں میں رونے بھی لگی۔ جواد نے اسے روتے دیکھ کر سر

ہلایا۔

اگلے ہی چند لمحوں میں وہ اپنے سُروں کی سرگم مدھم کر کے سر اٹھا کر بے اعتباری سے بولی۔ ''ماما ایسا نہیں کر سکتیں، میری رضامندی لیے بنا ہی..... وہ کر ہی نہیں سکتیں، میں مان ہی نہیں سکتی۔''

''سعادت مند بچیوں پر ماؤں کو اعتبار ہوتا ہے اور آپ کی ماما تو جانتی ہیں ناں کہ ان کی بیٹی کا ہمارے گھر کے بغیر گزارہ ہی نہیں ہے تبھی تو انہیں رضامندی دینا پڑی۔''

''نہیں ہو سکتا ناں ایسا۔'' وہ روتے روتے جیسے چیخنا چاہتی تھی مگر جواد پر نظر پڑی تو ضبط کر گئی۔ وہ خاصے سنجیدہ تیوروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''بس اب یہ بھوں بھوں بند کرو، کافی دیر سے برداشت کر رہا ہوں۔ چلو اٹھو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ اچھی لڑکیاں زیادہ دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتیں۔'' جواد کا غصے سے بھرا لہجہ اسے منمنانے پر مجبور کر گیا۔

''خود ہی تو روکا تھا۔'' وہ زمین سے اٹھ کر دوپٹے سے چہرہ رگڑنے لگی۔ ''میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ تمی کو بھیجیں میرے ساتھ۔'' کہتے ہوئے دانستہ اس نے چہرہ دوپٹے میں چھپایا کیونکہ وہ اسے گھور رہا تھا۔

''تم میرے ساتھ ہی جاؤ گی انڈر اسٹینڈ ہری اَپ۔''

اس کی سختی اور رعب اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا ابھی ایک کرارا ہاتھ اس کے گال پر پڑے گا اور چودہ طبق روشن ہو جائیں گے پھر بھی اس کی زبان نہیں رک رہی تھی۔ ''میرے ساتھ زبردستی مت کریں، میں آنٹی سے شکایت کروں گی۔''

دروازے سے نکلتے نکلتے جواد پلٹ کر آیا پھر خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''خبردار! کسی سے کچھ کہا۔ ورنہ..... سیدھی طرح پورچ میں چلو اور جا کر آرام سے گاڑی میں بیٹھو، میں اندر بتا کر آتا ہوں۔''

اس کے اس انداز پر تو وہ لرز ہی اٹھی۔ بہ مشکل اس کا بڑھایا ہوا کی رنگ تھاما۔ ''اُف توبہ! اتنے رُوڈ بندے ہیں یہ۔ خدایا میں کیا کروں؟ تو ہی مجھے اس مصیبت سے بچا۔'' دل ہی دل میں دعا کرتی وہ مرے مرے قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔

''اور سنو!''

جاتے جاتے اس کے قدم رک گئے۔ مجبوراً پلٹ کر دیکھا لہجہ لغزش کھا گیا۔ ''ج.....

''یہ حلیہ کیا ہے تمہارا، دوپٹا سر پر اوڑھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے گلے کا پھندہ بننے کے لیے نہیں۔'' جواد نے دوپٹے کا کونہ پکڑ کر ہلایا تو اس نے فوراً ہی دوپٹا پھیلا کر سر بھی ڈھانپ لیا۔ اس وقت وہ جدید طرز کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ جواد کی نگاہوں نے اسے اندر تک لرزا دیا تھا۔ وہ ایسی ہی بے پروا تھی۔ کسی نے کبھی ٹوکا ہی نہیں تھا۔ وہ کیا کرتی۔ اس کے ٹوکنے پر وہ مزید کبیدہ ہو رہی تھی۔

''جواد! ابھی تو آئے تھے پھر کہاں جا رہے ہو، کبھی تو گھر میں بھی ٹک جایا کرو۔'' کوریڈور کے آخرے سرے سے بھابی جان کی آواز آ رہی تھی۔ ان کی آواز سن کر رشمان کو کچھ حوصلہ ہوا۔

''ان محترمہ کو چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' بھابی جان کے قریب آنے پر اس نے اپنے دوبارہ جانے کی وضاحت دی۔

وہ بھی رشی کو دیکھ کر فکر مند ہو گئیں۔ ''رشی کو ابھی تک کوئی چھوڑنے نہیں گیا، یہ تمی اور سونو کہاں ہیں۔ رشی تم روئی ہو، کیا ہوا بیٹا! تمی نے کچھ کہہ دیا ہے؟''

اس کے لب کھولنے سے پہلے ہی جواد نے مداخلت کی۔ ''وہ دونوں تو معلوم نہیں کہاں ہیں۔ میں گولڈی کے روم میں گیا تو محترمہ رو رہی تھیں۔ مسئلہ پوچھا تو گھر جانے کا تھا۔'' وہ ڈھٹائی سے جھوٹ بول گیا تو رشی ایک بار پھر جھلا گئی۔ جواد اس کے ارادے بھانپتے ہوئے جلدی سے بولا۔ ''ڈونٹ وری بھابی! میں ابھی چھوڑ کر آ رہا ہوں، آنٹی بھی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ چلو جلدی۔''

وہ بھابی کو رنجیدگی سے خدا حافظ کہتی آگے بڑھنے لگی تو بھابی نے جواد کا کان پکڑ کر کھینچا۔ ''اسے تنگ مت کرنا ورنہ۔''

اپنے کان چھڑا کر وہ بھرپور شریر ہنسی ہنسا۔ ''زیادہ نہیں تھوڑا سا تنگ کروں گا۔''

رشمان اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی سوچ رہی تھی بلکہ تلملا رہی تھی کہ اتنا رعب دار ڈیسینٹ سا بندہ کس ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ دل تو چاہا کہ دو چار کھری کھری سنا کر طبیعت اور دل دونوں صاف کر دے مگر اس کی سختی اور رعب نے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ گھر خیریت سے پہنچنا چاہ رہی تھی۔

گاڑی جھٹکے سے رکنے پر وہ اپنی سلگتی سوچوں سے نکلی اور پھر اپنے گھر کی بجائے کسی ریسٹورنٹ کے پاس گاڑی پارک ہوتے دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل ہی نہیں زبان پر بھی تلخی اُتر آئی۔ ''آپ نے یہاں گاڑی کیوں پارک کی ہے۔''

''کھانا کھانے کے لیے، ڈنر ٹائم ہے، چلو اُترو۔'' پہلی بار وہ نرمی سے مخاطب ہوا تھا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔ آپ پہلے مجھے گھر چھوڑیں، ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔ میں نے انہیں بتایا نہیں تھا کہ مجھے دیر ہو جائے گی۔'' رشان نے بھی بہ مشکل اپنے لہجے کی ترشی کم کی تھی۔

''میں نے بتا دیا تھا کہ تم میرے ساتھ ہو۔'' جواد نے اسٹیئرنگ پر بازو رکھتے ہوئے سنجیدہ چہرے مگر شریر نظروں سے دیکھا۔

''وہاٹ؟ آپ.....'' آپ کا دماغ تو صحیح ہے۔ کہتے کہتے وہ رہ گئی۔ مقابل کو غصہ دلانے سے اپنا نقصان ہوتا تھا۔ ''مجھے آپ کی کسی بات پر یقین نہیں ہے۔ آپ گاڑی اسٹارٹ کریں اور یہاں سے چلیں۔ نو بج چکے ہیں میں پہلے کبھی اتنی لیٹ گھر نہیں گئی ہوں۔''

''تم خاموشی سے نیچے اُترو ورنہ.....''

''ورنہ کیا؟ زبردستی ہے کوئی۔'' پھر اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مصلحتاً آرام سے بولنے لگی۔ ''آپ خود ہی تو کہہ رہے تھے کو شریف لڑکیوں کو زیادہ دیر تک گھر سے باہر نہیں رہنا چاہیے اور مجھے ماما کی طرف سے بھی پرمیشن نہیں ہے۔ پلیز، مجھے پہلے گھر چھوڑیں پھر آپ اپنے ڈنر کا پروگرام بنائیے گا۔''

''آنٹی کو معلوم ہے کہ تم ہماری طرف ہو اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں تمہیں ڈراپ کروں گا۔ تم اس بارے میں پریشان مت ہو۔''

''کیا؟ ماما کو کس نے بتایا کہ آپ..... اُف وہ کیا سوچیں گی کہ شاید یہ پرپوزل میری وجہ سے، میرے خدا۔'' اس کی بلند آواز کی بڑبڑاہٹ با آسانی سنی جا سکتی تھی۔

''ہاں تو تمہاری وجہ سے ہی پرپوزل بھیجا گیا ہے ورنہ کیا تمہاری ماما کے لیے بھیجنا چاہیے تھا۔'' اس کی سنجیدہ شرارت پر رشی نے کھلے منہ کے ساتھ اس کا چہرہ تکا۔

''آپ..... آپ بہت فضول ہیں۔'' اس کی بات سمجھ کر اپنی جھینپ مٹانے کو اسے یہی سُوجھا تو وہ اس بار اس کے سامنے کھل کر ہنسا۔

''پھر بھی تمہیں اس فضول بندے کے ساتھ ڈنر کرنا پڑے گا اور.....'' رشان کو اس کی ہنسی اور ادائے دلبری بے موقع لگی۔

مان نہ مان میں تیرا مہمان والی مثل تھی۔ وہ لفٹ کرانے کے موڈ میں نہیں تھی اور یہ حضرت پھیلتے ہی جا رہے تھے۔ ''آئی ایم سوری، میں ہر کسی کے ساتھ اس طرح ہوٹل اور ریسٹورنٹ میں نہیں جاتی ہوں۔ آپ مجھے چھوڑنے جا رہے ہیں یا میں خود چلی جاؤں۔''

رشان نے اس پر سنجیدہ سی نظر ڈال کر سامنے دیکھنا شروع کر دیا۔ دونوں کے درمیان چند لمحوں کا وقفہ آیا۔

جواد اس کے آدھے رخ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے رخ موڑنے پر بولا۔ ''میں ہر کسی نہیں ہوں، میں نے تمہیں پرپوز کیا ہے اور.....''

''ابھی یہ فیصلہ یک طرفہ ہے۔ میں نے فائنل نہیں کیا ہے۔ پلیز آپ مائنڈ مت کریں۔ مجھے غیر متعلقہ لوگوں کے ساتھ اس قسم کی تفریحات کرنا اچھا نہیں لگتا۔'' رشان اب کافی سنبھل چکی تھی۔ اس کی سوجھ بوجھ بھی کام کرنے لگی تھی وہ گولڈی کا چاچو تھا مگر اس کے لیے تو اجنبی تھا۔ وہ اس کے ساتھ اس طرح پہلی آفر پر ہی منہ اٹھا کر چلی جاتی، یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ اس کی ماما تو اس کی چٹنی بلکہ قیمہ بنا دیتیں۔

''غیر متعلقہ لوگوں کے ساتھ آپ گاڑی میں بیٹھ جاتی ہیں؟'' بہت تیکھے تیوروں سے پوچھا گیا بلکہ اس کی اگلی بات نے تو رشان کے حواس ہی اُڑا دیئے۔ ''ٹھیک ہے پھر آپ کو جیسے جانا ہے چلی جائیے۔ میں ڈنر کے لیے اندر جا رہا ہوں۔'' جواد نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا۔

''کیا؟ کیا آپ مجھے اس طرح یہاں چھوڑ رہے ہیں۔ میں کیسے جاؤں گی اکیلی گھر۔ ماما تو ضرور مجھے قتل کر دیں گی۔ اگر چھوڑ کے نہیں آنا تھا تو آپ مجھے لے کر ہی کیوں آئے تھے؟'' وہ واقعی ہراساں تھی۔ ایک طرف ماما کا خوف تھا دوسری طرف یہاں سے اکیلے گھر جانے کا۔

''کیا آپ ہر کسی کے ساتھ اسی طرح بے تکلف ہو جاتی ہیں۔'' جواد نے مزید ترشی سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ کی گرفت میں اپنے بازو کو دیکھا۔ جسے اس نے بے اختیاری میں تھام لیا تھا تاکہ وہ اسے چھوڑ کر چلا نہ جائے۔

رشان نے احساس ہوتے ہی اس کا بازو چھوڑ دیا۔ پھر قدرے منت و خوشامد سے بولی۔ ''پلیز آپ مجھے چھوڑ آئیں ناں، میں اکیلی نہیں جا سکتی گھر اور آپ مجھے ایسی ویسی لڑکی مت سمجھئے۔ آپ سونم کے چاچو ہیں اس لیے میں نے آپ سے بات کر لی ورنہ.....'' خوشامد کرتے کرتے وہ صاف گوئی پر اتر آئی۔

جواد نے اسے اچھی طرح گھورنے کے بعد زوردار طریقے سے اپنی طرف کا دروازہ بند کیا پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے ریورس گیئر میں ڈالی۔ وہ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ رشان کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم تو اسے گولڈی اور تمی سے ہوتا ہی رہتا تھا۔ اب اس کے ساتھ

یہ تھوڑا سا وقت گزار کر اسے اپنے فیصلے پر خود ہی فخر ہوا۔ رشان کو دیکھ کر، سن کر اس نے جیسا محسوس کیا تھا وہ ویسی ہی تھی۔ صاف، کھری، مضبوط کردار کی ایسی پُر اعتماد لڑکی ہی کو وہ اپنی شریکِ سفر دیکھنا چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

''ماما! یہ آپ نے ان سے کیا کہا ہے؟ آپ کو پتا نہیں ہے کہ میں ابھی.....'' گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے پھر سے رونا شروع کر دیا۔

اس کی ماما اس کے رونے اور شور مچانے کی وجہ جانتی تھیں اس لیے مطمئن ہو کر بیٹھی رہیں۔

''ما..... ما آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

''پتا نہیں تم کیا پوچھ رہی ہو، ویسے آج اتنی دیر کیوں ہوئی اور تیمور اندر کیوں نہیں آیا؟''

ایک دم اس کے آنسو تھم گئے۔ جواد کی غلط بیانی پر دل ایک بار پھر تلملایا۔ بہ مشکل بول پائی۔ ''وہ اسے دیر ہو رہی تھی۔ آپ مجھے بتائیں کیا میں آپ کے لیے بہت بڑا بوجھ ہوں جسے آپ فوراً ہی اتار پھینکنا چاہتی ہیں۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم! تم نے ایسا کیوں سمجھا، میں تمہارے ہی لیے تو جی رہی ہوں۔'' اس کی ماما اس بار اٹھ کر اس کے قریب جا بیٹھیں۔

''پھر..... پھر یہ سب، آپ نے سونم کے چاچو کا پرپوزل کیوں ایکسیپٹ کیا ہے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا بھی نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ پلیز ماما آپ انہیں منع کر دیں۔ ابھی مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔ مجھے ابھی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنی ہے۔''

''اُفوہ تم نے تو مجھے دہلا دیا تھا رشی۔ ابھی تمہاری شادی کون کر رہا ہے۔ اچھا پرپوزل ہے، لائق لڑکا ہے، دو تین سال میں تو مجھے تمہاری شادی کرنی ہے ناں! تو سوچا کہ انگیج منٹ ابھی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ ویسے وہ لوگ تو جلد شادی کے لیے اصرار کر رہے ہیں مگر.....''

''دیکھا..... دیکھا میں آپ کے لیے بوجھ ہوں، پاپا ہوتے تو کیا آپ اس طرح سوچتیں۔ آپ نے خود ہی فیصلہ بھی کر لیا۔ اِٹ از ناٹ فیئر ماما، میں فائق بھائی کے پاس چلی جاؤں گی۔'' وہ بچوں کی طرح پیر پٹختی ہوئی ان کے قریب سے اٹھ کر دور چلی گئی۔

''تمہارے بھائی اور بہنوں سے مشورے کے بعد ہی میں نے ہامی بھری ہے۔ رہی تمہاری بات تو تم ابھی بچی ہو، تمہیں اپنے اچھے برے کا کیا پتا۔ میں نے ان سب کے دل اور نظر میں تمہاری چاہت دیکھی ہے، تبھی یہ فیصلہ کیا ہے۔ تم خود بھی تو ان سب کی گرویدہ ہو۔

چھٹی والے دن بھی تمہیں چین نہیں ہوتا۔ وہاں پہنچ جاتی ہو یا وہ آ جاتے ہیں۔'' انہوں نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو..... تو آپ نے یہ سمجھ لیا کہ میری مرضی سے آیا ہے یہ پرپوزل، ماما..... ماما مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ میرے خدا میں ایسی ہوں کیا؟'' وہ کبھی بے یقینی سے اپنی ماما کو دیکھ رہی تھی اور کبھی سر اٹھا کر اوپر۔

سیما امل نے اس کے بچپنے پر سر ہلایا۔ ''رشی! کیا بچپنا ہے یہ۔ میں نے ایک بات کہی ہے کہ وہاں تمہاری ایڈجسٹمنٹ آسانی سے ہو جائے گی۔ تم سب کو اچھی طرح جانتی ہو۔ اس سے بڑھ کر تمہیں اور کیا چاہیے۔ مجھے اپنی بیٹی پر اعتماد ہے اور مجھے معلوم ہے کہ وہ آئندہ کیسے ماحول میں خوش رہے گی اس لیے میں نے انہیں رضامندی دے دی ہے۔''

''مگر میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ آپ آنٹی ثمور کو منع کر دیں، مجھے شادی نہیں کرنی ناں۔ پڑھنے دیں آرام سے مجھے۔''

''بس خاموش، جو میں نے کہہ دیا ہے وہی ہوگا۔ زیادہ شور کرو گی تو واقعی بھیج دوں گی تمہیں فائق کے پاس۔ ساری زندگی ترستی رہنا میرے لیے۔'' سیما امل کی یہ دھمکی ہمیشہ کارگر ہوتی تھی۔

رشان کے اندر جب کوئی ضد سر ابھارنے لگتی وہ خود سے دوری کا ڈراوا دے کر اس کی ضد کچل دیا کرتی تھیں۔ وہ ہر بات برداشت کر سکتی تھی مگر اپنی ماما سے دوری نہیں۔

''ٹھیک ہے آپ کر لیں جو کرنا ہے۔ میں بات نہیں کروں گی کسی سے۔'' وہ اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی پیر پٹختی اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی۔

☆======☆======☆

سیما امل کی رضامندی پاتے ہی انہوں نے تو ایک بار پھر چوکھٹ پکڑ لی۔ ہزاروں وعدے وعید کیے، جلدی شادی پر ان کا اصرار تھا۔ انہیں جواد کی طرف سے خطرہ تھا کہ اب تو شادی کے لیے ہامی بھری ہے کہیں پھر نہ مکر جائے۔ سیما امل اس جلدی پر ششدر تھیں۔ رشی کی شادی وہ اطمینان سے کرنا چاہتی تھیں۔ رشی کے بھائی اور بہنوں کی موجودگی بھی ضروری تھی مگر اس جلدی کے نوٹس پر کہ صرف بیٹی چاہیے اور کچھ نہیں۔ ان کی اس پُرخلوص پیش کش پر وہ کشمکش کے باوجود سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

بیٹے بیٹیوں سے مشورہ کیا۔ وہ پہلے ہی انہیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کا اختیار دے چکے تھے۔ سو اب بھی سب کچھ ان پر چھوڑ دیا تھا۔ البتہ اتنے شارٹ نوٹس پر سب کا اپنی مکمل فیملیز

کے ساتھ آنا ممکن نہیں تھا۔ ان کے بھی کچھ مسائل تھے۔ ایک بہن کی ڈلیوری قریب تھی۔ بھائی کے بچوں کے سیمسٹر بھی انہی دنوں میں تھے۔ چنانچہ صرف بھائی اور ایک بہن ہی اس کی شادی میں شرکت کے لیے آسکتے تھے اور وہ بھی مختصر مدت کے لیے۔ ان کی مجبوریاں جاننے کے بعد بھی بھابی شمور اور اماں جانی کی منت سماجت جاری تھی۔ سو مجبوراً ہامی بھرنا پڑی، سب نے تعاون کی امید دی تھی کہ وہ اپنے آپ کو اکیلا مت سمجھیں۔ اپنے فرض کی ادائیگی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بروقت توفیق دے دی ہے بسم اللہ پڑھیں۔ سو سب کی ڈھارس پر وہ بخوشی تیاری میں مصروف ہوئی تھیں۔

پھر تو وہ تیاری میں ایسی جتیں کہ انہیں نہ رشان کی پُر احتجاج خاموشی کا احساس کرنے کی فرصت مل رہی تھی نہ ہی اسے سمجھانے بجھانے کی۔ وہ ان کے ہر کام کو ناراضگی و خاموشی سے دیکھے جاتی۔ ان کے کسی کام میں ہاتھ بھی نہیں بٹا رہی تھی۔ کبھی کبھار وہ ایک آدھ جملے اسے سمجھانے کی غرض سے کہہ جاتیں تو وہ رونے بیٹھ جاتی۔ وہ اس کی نادانی پر رونے کے سوا کیا کر سکتی تھیں۔

انہیں البتہ جواد اور اس کی فیملی کے حوالے سے خاصا اطمینان اور یقین تھا کہ وہ ان کی نادان و ناسمجھ بیٹی کو بہت چاہت سے رکھیں گے۔ بڑے اطمینان کی بات ان کے لیے یہ بھی تھی ان کے تمام خدشات دور ہو گئے تھے کہ اب رشان ان سے دور ملک سے باہر نہیں جائے گی۔ وہ اب اس سے کسی بھی وقت مل سکتی تھیں۔ تینوں اولادوں کی جدائی کی تڑپ انہیں رشان کو اپنے قریب دیکھنے کی حسرت و یاس دے جاتی تھی اب ان کی حسرت پوری ہو گئی تھی۔

سونم اور تیمور سے تو اس کی شدید ناراضگی چل رہی تھی۔ وہ دونوں بھی کئی بار اسے شاپنگ کے لیے لینے آچکے تھے مگر اس کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔

اب بھی سونم اور تیمور شام سے آئے ہوئے تھے اور اس کی منت سماجت کر رہے تھے کہ وہ ان کے ساتھ چل کر کچھ ضروری چیزوں کی خریداری میں تو ان کی مدد کر دے مگر وہ بھی بضد تھی کہ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اب وہ لوگ خود ہی بھگتیں۔

''پلیز رشی مان جاؤ، آج اگر تم ہمارے ساتھ نہ چلیں تو ہمارا حشر بہت برا ہو گا۔'' تمی نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ گولڈی کی دوستی کی قسمیں پہلے ہی غیر مؤثر ہو چکی تھیں۔

''تمہارا کیوں، حشر تو میرا خراب ہو گا۔ یہ دوستی ہے تم لوگوں کی؟ اپنے سخت گیر چاچو کو میرے پلے باندھ دیا۔ ڈانٹ ڈانٹ کر برا حال کر دیں گے میرا اور میں..... میں تو دو دن میں ہی خرچ ہو جاؤں گی ان کے ہاتھوں دیکھ لینا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ بہت دنوں بعد غبار نکالنے کا

موقع ملا تھا۔

''ہم ڈانٹنے دیں گے تب نا۔ رئیلی چاچو اتنے سخت نہیں ہیں جتنے نظر آتے ہیں اور تمہارے معاملے میں تو انہوں نے اپنے بہت سے ریکارڈ خود ہی توڑ دیئے ہیں۔ ویسے بھی ہم نے چاچو سے پہلے ہی ایک معاہدہ کر لیا ہے کہ وہ نہ تمہیں ڈانٹیں گے اور نہ ہی کبھی ناراض ہوں گے۔ تمہیں میرا یقین نہیں ہے تو تمی بھائی سے پوچھ لو، کیوں تمی بھائی۔'' گولڈی اسے ساتھ لے جانے کے لیے خوشامد پر اُتر آئی تھی۔ اسے یقین دلانے کے لیے تیمور کی تائید بھی چاہی مگر وہ شرارت و بے ایمانی سے ہنس پڑا۔

''جھوٹی گواہی دینا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے، میں جھوٹی گواہی نہیں دے سکتا، ایسا کوئی معاہدہ میری آنکھوں کے سامنے نہیں ہوا۔''

''جھوٹی، کمینی، بے وفا، تم اپنے ڈکٹیٹر چاچو کے لیے مجھ سے فراڈ کر رہی ہو، خبردار آئندہ مجھ سے بات مت کرنا، ہماری دوستی ختم، بس ختم۔'' رشی نے قریب بیٹھی سونم کو پہلے تکیے سے دو چار ضربیں لگائیں اور پھر گولڈی کے بدل جانے پر رونے بیٹھ گئی۔

''تمی بھائی یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔'' سونم نے تمی کو نظروں میں دھمکایا۔

''اور تم..... تم تو بہت اچھا کر رہی ہو نا؟'' رشی روتے روتے چیخی۔

''رشی اب اس رونے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ فیصلہ تو ہو چکا ہے ناں۔'' گولڈی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اسے جھڑک کر رہ گئی۔

''بات مت کرو تم مجھ سے، جھوٹی، فراڈن، مطلبی۔''

''تمہاری دوست تو واقعی بے وفا ہے مگر ہم تو وفادار ہیں، دیکھ لینا جب بھی ضرورت پڑے گی میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا، میرے ہوتے تو وہ تمہیں کچھ کہہ ہی نہیں سکیں گے۔ میں تمہیں ان کے سارے ٹاپ سکریٹ بتا دوں گا۔ پھر تم انہیں ڈانٹا کرنا مگر میری خدمات حاصل کرنے کے لیے تمہیں آج تو ہمارے ساتھ شاپنگ کے لیے چلنا پڑے گا۔''

رشان نے آنسو صاف کرتے ہوئے سر جھٹکا۔

''رشی پلیز! آخر تم کیسے مانو گی، چاچو کا کورٹ مارشل کراؤ گی یا قاضی کی عدالت میں لے جانے کے بعد۔ کہہ رہا ہوں ناں میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں کسی سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فی الحال اٹھو، کیا اپنا ولیمہ میچنگ شوز وغیرہ کے بغیر اٹینڈ کرو گی۔'' تیمور نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑے۔ ''سوچو بغیر شوز کے چلتی دلہن کیسی لگے گی۔ آئیڈیا..... میں سب سے کہہ دوں گا کہ چاچو نے منت مانی تھی کہ ان کی دلہن ننگے پاؤں رہے گی کیونکہ.....''

تیمور کی ادھوری بات پر ہی رشی بے ساختہ ہنس پڑی۔ ''تمی بک بک مت کرو۔'' رشی نے مصنوعی خفگی تلے اپنی ہنسی چھپائی۔

''فکر نہ کرو بچو! میں نے ایک ایک بات ریکارڈ کر لی ہے۔'' گولڈی نے دونوں کو گھورتے ہوئے اپنے بیگ سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ نکال کر اسے نہ صرف دکھایا بلکہ ڈرایا بھی۔

''یعنی کہ تم واقعی اپنے چاچو کی چمچی بن کر آئی ہو۔'' رشی نے اس سے ٹیپ ریکارڈر چھیننا چاہا مگر گولڈی نے بھی پھرتی سے دور ہوتے ہوئے ٹیپ ریکارڈر بیگ میں ٹھونسا اور زپ بند کر کے دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے اسے دھمکایا بھی۔

''اب بتاؤ چل رہی ہو یا چاچو سے جا کر کہہ دوں کہ وہ نخرے کر رہی ہے۔ آپ ہی کے قابو آئے گی۔''

''جاؤ جا کر کہہ دو ابھی ان سے ڈرنے کا زمانہ نہیں آیا۔'' رشی پھر سے اپنے بیڈ پر ٹک کر بیٹھ گئی۔ تمی بھی تالیاں بجاتا اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''واؤ میری ہونے والی چاچی دل خوش کر دیا ہے۔'' پھر سرگوشی کے سے انداز میں اسے خبر دہلر کیا۔ ''مائی ڈیئر سوچ سمجھ کے بولو، چاچو باہر ہی بیٹھے ہیں اور آپ کا والیوم تو ماشاء اللہ چاچو نے کچھ سن لیا ہو تو خیر نہیں ہے۔''

اس کی بات سنتے ہی رشی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ''ک..... کہاں ہیں، یہاں کیوں آئے ہیں۔'' وہ گڑبڑا گئی تھی۔

''یہ تو انہی سے جا کر پوچھو۔'' تمی نے کندھے اچکائے۔

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ سچ بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ کیا وہ ماما کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے ہیں۔'' وہ ہراساں سی پوچھ رہی تھی جب کہ دونوں اس کی حالتِ زار سے محظوظ ہو رہے تھے۔

''ہاں، ظاہر ہے وہیں بیٹھے ہوں گے۔'' گولڈی نے شانے اچکائے۔

''ہائے اب کیا ہو گا۔ گولڈی اگر تم نے انہیں کچھ بتایا تو قسم سے میں تم سے زندگی بھر بات نہیں کروں گی۔ اچھا ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں، پلیز گولڈی تم ماما کو چپکے سے بتا آؤ، میں دوسرے دروازے سے باہر جاتی ہوں۔'' وہ واقعی پریشان ہو رہی تھی۔

''مگر چاچو بھی تو وہیں بیٹھے ہیں ناں۔''

''تو انہیں رہنے دو ماما کے پاس۔''

''انہیں..... انہیں کنہیں۔'' گولڈی نے ایک دم ہی شرارت سے پوچھا تو رشی نے جواباً

دھپ لگا کر اسے دروازے سے باہر دھکیلا۔

پھر جلدی جلدی اپنا حلیہ درست کیا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، بال سمیٹے، جواد کی ہدایت یاد آنے پر دوپٹا بھی پھیلا کر لیا۔ ہونٹوں پر نیچرل کلر کی لپ اسٹک کا ہلکا سا ٹچ دے کر تمی سے پوچھا۔ ''میں ٹھیک لگ رہی ہوں نا تمی۔''

''ہاں، بس گزارہ ہو ہی جائے گا۔'' تمی اس کے کانشش ہونے پر محظوظ ہو رہا تھا۔ گولڈی کو اور اسے نک سک سے تیار ہو کر باہر نکلنے کا خبط تھا۔ جس پر اکثر تمی انہیں سہیلیوں کی طرح چھیڑا بھی کرتا تھا۔ بلکہ ان کا دل جلاتا رہتا تھا کہ ایسی بوگس پرسنیلٹی کی حامل لڑکیاں کسی کو بھی ایمپریس نہیں کر سکتیں۔

''تمی دیکھو، گولڈی تو جا کر ہی بیٹھ گئی ہے۔''

''ہاں رئیلی، اچھا میں اسے دیکھتا ہوں، تم ایسا کرو خاموشی سے جا کر گاڑی میں بیٹھو، میں گولڈی کے ساتھ آتا ہوں۔'' تمی اسے دوسرے دروازے سے بھیج کر خود بھی نکل گیا۔

رشی بہت محتاط ہو کر پچھلے حصے سے گھوم کر پھر اپنے چھوٹے سے پورچ تک پہنچی، باہر خاصا اندھیرا چھا گیا تھا۔ کسی نے لائٹس بھی آن نہیں کی تھیں۔ اس وقت تو اسے اے، ایس، پی سے جان چھڑانے کی پڑی ہوئی تھی اس لیے باہر کی روشنیاں گل ہی رہنے دیں اور پھر کھڑی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے سکون کی سانس لی۔ اسے یہی خطرہ تھا کہ جواد سے سامنا نہ ہو جائے گا اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے اس کا رہا سہا خون بھی خشک نہ ہو جائے اس لیے وہ جلدی میں جانے کا فیصلہ کر گئی تھی۔ وہ ابھی اپنی پریشان سوچوں میں الجھی ہوئی تھی کہ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بھی بڑھنا شروع ہو گئی۔

''تمی..... تم پہلے ہی موجود ہو؟ گولڈی نہیں آئی۔ اسے تو آنے دو۔'' اس نے سیٹ پر ذرا آگے ہو کر تمی کا کندھا ہلایا۔

''وہ ہمارے ساتھ نہیں آ رہی۔'' بدلی ہوئی آواز رشی کو اپنا وہم لگا۔ جسے اس نے اگلے پل جھٹک کر افسوس و ملال کا اظہار شروع کر دیا۔

''کیوں نہیں آ رہی۔ ضرور میری چغلیاں کر رہی ہو گی، اپنے اے ایس پی چاچو سے یہ گولڈی نے کیسے توتے کی طرح آنکھیں پھیری ہیں، کوئی ایسا کرتے ہیں دوستی میں، پلیز تمی، مجھے تھوڑی دیر بعد واپس چھوڑ دینا۔ مجھے کوئی شاپنگ وا پنگ نہیں کرنی۔ میں تو تمہارے چاچو کے خوف سے گھر سے نکل آئی تھی کہ وہ میرے کمرے میں نہ گھس آئیں اور مجھ سے انکوائری شروع کر دیں۔ وہ کیسے گھورتے ہیں، جیسے جان نکال لیں گے۔'' گاڑی گیٹ سے نکل کر پُر

رونق سڑک پر رواں دواں تھی اور رشی اپنی جھونک میں مسلسل بولے جا رہی تھی۔ ''افوہ تمی گاڑی کی لائٹ تو جلاؤ، تمہیں پتا تو ہے مجھے اندھیرے سے الجھن ہوتی ہے۔''

''مگر مجھے اچھا لگ رہا ہے۔''

تمی کی آواز پر اس بار تو اسے مکمل شبہ ہوا کیونکہ خاصی بدلی ہوئی لگی تھی۔ بھاری بھاری سنجیدہ سی۔

''تمہاری آواز کو کیا ہوا۔ تمہیں بھی ڈانٹ تو نہیں پڑی۔ ہائے، میں کیا کروں گی؟ مجھے تو آج تک اپنی ٹیچر سے بھی ڈانٹ نہیں پڑی اور یہ تم لوگوں کے چاچو ڈانٹنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ پولیس والے جو ہیں۔ تم سب کو میں ہی نظر آئی تھی۔ پھنسا دیا پکڑ کے مجھے۔'' اس کی آواز پھر سے بھرا گئی۔ ابھی تک ذہن و دل میں مکمل آمادگی جو نہیں ہوئی تھی۔ ذہن کے کہنے پر ماما کا فیصلہ مان تو رہی تھی مگر دل زندگی کے اس نئے سفر سے خوف زدہ ہو رہا تھا۔ تبھی وہ بات بات پر الجھ جاتی تھی۔

''اور بھی بہت کچھ آتا ہے۔ آگے آ کر بیٹھو تو بتاتا ہوں۔'' گاڑی میں روشنی ہوئی۔ گاڑی سڑک کے ایک طرف رک گئی تھی۔

رشی، جواد کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ آنکھیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

وہ ذرا سا رخ موڑے اس سے کہہ رہا تھا۔ ''سنا نہیں آگے آ کر بیٹھو۔''

''آ..... آپ اُف میرے خدا، اب کیا ہوگا۔'' جواد کو تمی کی جگہ دیکھ کر اس کے چھکے ہی چھوٹ گئے۔ دل تیزی سے دھڑک اٹھا، ہاتھوں اور پیروں میں لرزہ طاری ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ بے سوچے سمجھے بولنے پر خود بھی غصہ آ رہا تھا۔

''کم آن ہری اَپ، کیا تمہارے لیے میں روڈ پر گاڑی کھڑی رکھوں؟'' اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر درشتگی سے کہا گیا۔

وہ منمنانے لگی۔ ''میں..... وہ..... میں کیسے آؤں۔''

''کیوں؟ ٹانگیں نہیں ہیں کیا۔ کچھ دیر پہلے تک تو دوڑ بھاگ رہی تھیں۔'' لٹھ مار جواب ملا تو زچ ہونے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔ مجبوراً اُتر کر فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی جواد نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔

اس نے ڈرتے ڈرتے جواد کو مخاطب کیا۔ ''آئی ایم سوری، میں سمجھی تھی تمی بھائی ہیں۔''

''تو تم سب سے میری شکایتیں کرتی پھرتی ہو، کب ڈانٹا تھا میں نے تمہیں؟'' اس نے

سختی سے پوچھا۔

اب بھی تو ڈانٹ رہے ہیں۔ وہ دل میں سوچ کر رہ گئی کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔ بس گھٹنوں میں سر پھنسا کر رونا شروع کر دیا۔ جسم ہچکیوں سے ہولے ہولے لرزنے لگا۔

جواد کو جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ ''بات سنو میری یہ کیا بے وقوفی ہے سیدھی ہو کر بیٹھو۔''

اس کی ڈپٹ پر آنسوؤں میں مزید تیزی آ گئی۔

''یار کسی طرح اسے چپ کراؤ، آج تو رومانس کا موڈ تھا، سب غارت ہو گیا۔''

جواد کے دل نے جھنجھلاتے ہوئے سرگوشی میں اسے ہی ڈانٹا تو وہ مزید چڑ کر بولا۔

''کیسے چپ کراؤں، لگتا ہے اسے رونے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اسٹوپڈ گرل، شادی قریب ہے۔ منگیتر ساتھ بیٹھا ہے اور محترمہ کچھ کہنے سننے کی بجائے گنگا جمنا بہا رہی ہے۔''

''کیا فائدہ تمہارا ایک لڑکی چپ نہیں کرا سکتے اور دعوے کرتے ہو محبت و چاہت کے۔''

محبت و چاہت اپنی جگہ، یہ بات بات پر رونا دھونا میری برداشت سے باہر ہے۔

اس کے اپنے ذہن و دل میں تکرار جاری تھی۔ اس نے عجیب نظروں سے کھڑی بنی رشان کو دیکھا اور گاڑی کی رفتار مزید بڑھائی۔

''اے ایس پی صاحب چپ کراؤ کیوں اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔ محبت کی ہے تو ناز اٹھانا بھی سیکھو، ڈنڈے کے زور سے دل کی سلطنت پر اپنے نام کا جھنڈا نہیں گاڑ سکتے۔''

دل نے جیسے اسے جھنجھوڑنے کی کوشش کی بلکہ اس کے ساتھ زبردستی کی۔

''او مائی گاڈ، میں کہاں پھنس گیا۔''

یہ پہلے سوچنا تھا۔ دل نے شرارت سے قہقہہ لگایا تو ایک بار پھر جھنجھلا اٹھا۔

''تم تو چپ ہو جاؤ کرتا ہوں کچھ۔''

اپنے دل کو ڈانٹ کر وہ خود پر قابو پانے میں کامیاب ہوا اور پھر کافی نرمی اور اپنائیت سے اسے مخاطب کیا۔ ''رما..... رما رونا بند کرو اور میری بات سنو پلیز۔''

یہ اندازِ تخاطب اور یہ نرمی، رشی کو یقین ہی نہیں آیا، اس نے سر ہی نہیں اٹھایا۔

جواد نے دو تین بار اسے پکارا آخر وہ سختی سے بولنے پر مجبور ہو گیا۔ ''رما میں تم سے مخاطب ہوں۔ کہیں عالم بالا کی سیر کو تو نہیں نکل گئیں۔''

رشان اس کی آدھی بات پر ہی سیدھی ہو گئی۔ جلدی سے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی۔ ''جج..... جی وہ میں آئندہ کسی سے آپ کی شکایت نہیں کروں گی۔ وہ مجھے گولڈی اور تمی

تنگ کرتے ہیں، اکساتے ہیں تو زبان پھسل جاتی ہے، اب میں ان کے چکر میں کبھی نہیں آؤں گی۔ آئی..... آئی پرامس یو، بلیومی، میں ایسی نہیں ہوں۔ وہ مجھے غصہ تھا تو.....'' وہ اپنی صفائی میں جلدی جلدی بول رہی تھی۔

جواد اس کے انداز پر زیرِ لب مسکرایا مگر پھر سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ ''اگر پھر ایسا ہوا تو..... تم نے پھر میری شکایتیں کیں تو۔''

''میں نہیں کروں گی ناں، وعدہ تو کر رہی ہوں اور وعدے تو مرتے دم تک نبھائے جاتے ہیں۔''

''اوہ رئیلی؟'' ذ جواد نے گاڑی سڑک کے کنارے روک کر بے یقینی سے دیکھا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ ''چلو پھر ملاؤ ہاتھ، ایفائے عہد میں۔ اگر تم میرے ساتھ ہمیشہ کو آپریٹو رہو گی تو میں بھی تمہیں نہیں ڈانٹوں گا۔'' اس بار جواد نے چہرے کی مصنوعی سختی کو اتار کر بہت نرمی بلکہ پیار کی حلاوت سے کہا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

رشی نے فوراً ہی اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا۔ وہ ابھی تک اس سے ہراساں تھی اور اس کی نرمی بھی اس سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

جواد نے اس کے ٹھنڈے یخ ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس کی پانیوں سے لبریز جھیل سی آنکھوں میں جھانکا۔ نظریں چار ہوئیں تو دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں بھی مست خراماں محوِ رقص ہو گئیں۔ ایک کے جذبوں کی حدت دوسرے کے دل پر اثر انداز ہوتی ہوئی لہو میں گردش کرتی چہرے پر سمٹ آئیں۔

رشان کے لیے یہ احساس، یہ جذبہ، یہ نرمی و حلاوت بالکل نئی اور انوکھی تھی۔ اس کی گرفت میں لرزتے ہاتھ کی لرزش رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوئے ختم ہو گئی۔ ہر چیز جامد و ساکت محسوس ہونے لگی۔ حتیٰ کہ وقت بھی جیسے تھم گیا تھا۔ کوئی سحر تھا جس نے اسے جکڑ لیا تھا۔ جواد کی آنکھوں کے طلسم نے اسے اسیر کر کے لمحے بھر میں آگہی و محبت کا وہ سبق پڑھایا تھا جسے سمجھنے کے لیے یا تو ایک پل کافی ہوتا ہے یا پھر ایک عمر بھی ناکافی۔ وہ اس کی آنکھوں کے سحر میں جکڑی ہوئی ایک ہی احساس سے مغلوب ہو رہی تھی۔ اس کے ادراک و فہم کا پیامبر جذبہ اسے نئی لذتوں سے آشنا کر رہا تھا۔

اس وقت جواد اس کے لیے رعب و جلال کا مجسم روپ نہیں بلکہ محبت سے پگھلتا مہکتا وہ مرد تھا جس کے اندر اور باہر صرف محبت ہی محبت دیکھی جا سکتی تھی۔ جس کی سانسوں کا حرارت آمیز لمس ایوانِ دل کو نئی روح، نئی زیست سے آشنا کر رہا تھا۔ رشان کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس

کی آنکھیں، اس کی سانسیں، اس کی دھڑکنیں بھی اسی ایقانِ وفا سے لبریز ہوتی جا رہی ہیں۔ اس نئے رشتے کی استواری کے لیے پہلی بار اسے اپنے اندر تڑپ اور لگن محسوس ہوئی تھی۔ ایک نئی امید، احساس کی نئی دولت سے اس کے دل کی خالی دنیا آباد ہو رہی تھی اس لیے اس کی سانس مہکنے لگی تھی۔ روم روم معطر ہو رہا تھا۔ کوئی من چلا تیز ہارن دیتا قریب سے گزرا تو اس کی مداخلت نے انہیں دل کی گلیوں سے دوبارہ اس دنیا کی شاہراہ پر لا پھینکا۔

طلسم ٹوٹا تو رشان پھر سہم گئی کہ نہ جانے اس نے جو محسوس کیا وہ خواب تھا یا سچ مچ اس پر وارد ہوئی کیفیات سچی تھی۔ ''یہ روڈ ہے پلیز گاڑی اسٹارٹ کریں اور مجھے گھر چھوڑیں۔ ماما پریشان ہوں گی کہ.....''

اس کے پھر اسی اندازِ دلبری سے دیکھنے پر رشی خاموش ہو گئی۔ جواد نے بھی گہری سانس کھینچتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑا اور سیدھا ہو کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ گاڑی میں صرف ان کے تنفس کی آواز تھی پھر بھی لگتا تھا دونوں کے مابین سلسلہ کلام جڑا ہے۔ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد جواد نے ہی مہیب خاموشی کو توڑا۔ ''رما ایک بات بتاؤ سچ سچ۔'' رشی کو پہلی بار اس کے لبوں سے اپنے نام کا نیا انداز اچھا لگا۔ جواد نے اسے مخاطب ہی دل کی گہرائیوں سے کیا تھا۔

''جی!'' وہ اب بھی کچھ بے یقینی کی سی کیفیت میں تھی کہ نہ جانے کیا پوچھیں گے۔

''میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہیں کیسا لگتا ہوں۔''

''جی پتا نہیں۔'' وہ پھر سے گڑبڑائی کہ آخر اس سوال کا کیا جواب دے۔

''اس کا کیا مطلب، جی پتا نہیں۔'' لہجے میں مصنوعی خفگی و تیزی بھر کر پھر استفسار ہوا۔

''جی..... وہ میں نے کبھی سوچا نہیں کہ.....''

''کہ..... کیا مطلب؟ ہماری شادی ہونے والی ہے اور تم نے ابھی میرے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ کب سوچو گی، ابھی سوچ کر بتاؤ، میں کیسا لگتا ہوں۔'' جواد نے اسے مشکل میں ڈال دیا۔ چند لمحے پہلے تو وہ اس کے بارے میں تمی کے دھوکے میں اعلان کر چکی تھی۔ اب چند لمحے بعد ہی اس کی کیفیات اس کی سوچیں بدلی تھیں۔ وہ فوراً کیسے کچھ کہہ سکتی تھی، دل ابھی تک اس کی ڈانٹ اور غصے کے زیرِ اثر تھا کہ موصوف نہ جانے اس کے کس جواب کو کس رنگ میں لیں۔

''اچھے ہیں جبھی تو ماما نے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔''

''تمہاری اپنی کوئی رائے نہیں ہے میرے بارے میں۔''

''میری رائے کی کوئی اہمیت ہے کیا؟'' اس کی نرمی سے پوچھے گئے سوال پر بھرائی آواز

میں شکوہ کیا۔ کسی نے اس کی مرضی کا خیال کب کیا تھا۔ ادھر سے صرف جواد کی پسند اور رضامندی کا خیال رکھا گیا تھا اور اپنی طرف ماما نے اپنی سہولت اور اپنا تجربہ دیکھا تھا کہ اس گھر میں رشی خوش رہے گی کیونکہ وہ سب کی چاہت بن کر جا رہی تھی۔

''ہے کیوں نہیں، اور آئندہ دیکھنا کتنی اہمیت ہو گی تمہاری اور میں تو اب بھی پوچھ رہا ہوں تمہاری رائے۔'' جواد نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی پھر مسکراتے ہوئے اسے بولنے پر اکسایا۔ گڑبڑاتے ہوئے بات کو سنبھالنے کی ادا اچھی لگتی تھی۔

''میری رائے آپ کے بارے میں مثبت ہے، تبھی آپ کے ساتھ بیٹھی ہوں ورنہ.....'' اس نے ذہن سے سوچ کر اسے مطمئن کرنے والا جواب دیا۔

''ورنہ میرا سر پھاڑ کر غائب ہو چکی ہوتیں، ہے ناں۔''

''آ..... آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں کہ میں آپ کا سر..... میرے خدا۔ آپ یہ سوچتے رہتے ہیں میرے بارے میں۔'' رشی نے مخصوص بھولپن میں قدرے حیرت سے استفسار کیا۔

''نہیں میں تو اور بھی بہت کچھ سوچتا رہتا ہوں تمہارے بارے میں، کیا سوچتا ہوں؟ یہ جاننے کے لیے چند روز اور انتظار کرنا پڑے گا۔'' جواد کی محبت کی چاشنی سے بھری آواز اور گہری نگاہ رشی کے چہرے پر گلاب بکھیر گئی۔ وہ خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ گاڑی پھر سے کسی ریسٹورنٹ کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔

''مجھے تو گھر جانا ہے، ماما انتظار کر رہی ہوں گی اور وہ تمی، گولڈی بھی گھر پر ہوں گے۔'' اسے دلچسپی سے اپنی جانب دیکھتا پا کر رشی پھر سے گڑبڑائی۔

''رئیلی اس بار آنٹی کو معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ ہو اور تمی، گولڈی کی فکر نہ کرو وہ گھر جا چکے ہیں۔ تمہیں بھی گھر ہی چھوڑنا ہے مگر پہلے آج میرے ساتھ اندر چل کر ڈنر کرو۔''

''آج نہیں پلیز..... میں.....'' وہ ملتجی ہوئی۔

جواد نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''کوئی پلیز ویز نہیں۔ آج تو ماشاءاللہ چہرہ بھی چمک رہا ہے اور کسی کے مشکوک ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم خود زبردستی میری گاڑی میں گھس آئی تھیں۔ اب یہ سزا بھگتو۔'' جواد نے شرارت سے دیکھتے ہوئے اس کے گولڈی کے سامنے اظہارِ خیال کو دہرایا۔

اس روز گولڈی کے سامنے جواد کے ساتھ ڈنر نہ کرنے کا عذر اس نے یہی پیش کیا تھا۔ دل ہی دل میں گولڈی پر ناراض ہوتی وہ جھینپی جھینپی سی اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی۔ جواد کی یہ نرمی، یہ محبت اس کے لیے خوش آئند تھی۔ وہ اسے خود کو سمجھنے کا موقع دے رہا

تھا۔ یہ بات ہی اسے مطمئن کر گئی۔ ویسے بھی اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ ہو چکا تھا تو وہ کب تک احتجاج کرتی۔

☆======☆======☆

جواد کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کی شادی کے دن نزدیک ہوں گے اور اس کی مصروفیات بڑھ جائیں گی۔ شہر کے حالات بھی تسلی بخش نہیں تھے۔ اس طرف سے بھی اس پر ذمے داری تھی۔ پھر کچھ عرصے پہلے ہی چند ایک کیسز ری اوپن کرنے پڑے تھے۔ جن میں اس کی ذاتی دلچسپی تھی اور ''اوپر'' سے آرڈرز بھی تھے۔

آج کل وہ جس کیس کی نئے سرے سے تفتیش کر رہا تھا وہ اس کے اپنے ہی ایک سکول فیلو کا تھا۔ اعتزاز بخاری سکول میں اس کا بے تکلف دوست رہ چکا تھا بعد میں بھی دونوں میں کافی عرصے راہ و رسم رہی تھی مگر وقت اور حالات نے پھر کچھ وقت کے لیے دونوں کو ایک دوسرے سے بے خبر کر دیا تھا۔

اعتزاز کے والد شبیر بخاری آرمی میں تھے اس لیے اعتزاز کو بھی ان کے ساتھ شہروں شہروں اور گاؤں گاؤں، گھومنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ کچھ عرصے پہلے ہی اپنی پوسٹنگ کے بعد اسے معلوم ہوا تھا کہ اعتزاز کا قتل ہو چکا ہے۔ کسی نے اسی کے گھر میں گھس کر اسے قتل کر دیا تھا اور ایک سال چند ماہ پہلے ہونے والے اس سانحے اس حادثے کو شبوتوں اور گواہوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے دہشت گردی کے کھاتے میں ڈال کر اس قتل کی فائل بند کر دی گئی تھی۔

شبیر بخاری اس وقت ریٹائرڈ کرنل تھے۔ وہ اپنے بیٹے کے قاتلوں تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھے اور انہی کی کوششوں سے یہ کیس ری اوپن ہو کر جواد اسامہ تک پہنچا تھا۔ جواد نے بھی اپنے طور پر تفتیش و تحقیق شروع کر دی تھی۔ وہ بھی شبیر بخاری سے متفق تھا کہ اعتزاز کا قتل سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہوا تھا اور جس نے بھی یہ سب کیا تھا وہ اعتزاز کے بہت قریب تھا۔ اعتزاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے ذرائع استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اعتزاز کے قاتلوں تک ضرور پہنچ جائے گا۔ کوئی سراغ لگنے کی دیر تھی۔

جواد کی بے وقت کی اس مصروفیت سے سبھی عاجز آئے ہوئے تھے۔ سب کی دھمکیوں، ناراضگیوں کے باوجود وہ گھر والوں کو مطمئن نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ سب اس سے شادی کے حوالے سے کوئی اہم بات کر رہے ہوتے یا پھر اسے شادی کی شاپنگ کے لیے لے جانے کی کوشش کرتے۔ وہ جانے پر راضی بھی ہو جاتا مگر پھر کسی بھی فون کال پر سب کا پروگرام اور موڈ

خراب کر کے چل دیتا۔

وہ خود چاہ رہا تھا کہ شادی سے پہلے ہی وہ ضروری کام نمٹا لے تا کہ آئندہ دنوں میں وہ آرام اور سکون کے ساتھ اپنی خوشی انجوائے کر سکے۔ وہ خود بھی بے چین و بے قرار تھا۔ گولڈی اور تمی کے آتشِ شوق کو بھڑکاتے ریمارکس اسے بھی بے کل رکھتے تھے کہ رشی مایوں کے جوڑے میں ایسی لگ رہی تھی، ویسی لگ رہی تھی۔ آپ دیکھتے تو پاگل ہو جاتے۔ بظاہر تو وہ ان کی باتیں سن کر انہیں گھور کر رہ جاتا تھا مگر دل میں دیکھنے کی تڑپ بڑھنے لگتی تھی۔

کچھ تو وہ اپنے کام میں مصروف تھا کچھ اس پر رشان سے ملنے پر پابندی بھی عائد تھی۔ تبھی وہ مضطرب رہتا تھا۔ اپنے کام کو دل جمعی سے سرانجام دیتے ہوئے اکثر رشی کی طرف خیال بھٹک جاتا تھا۔ وہ خود ہی اپنی کیفیت پر حیران رہنے لگا تھا۔ اس کے دل میں رشان کی محبت اس قدر تھی کہ اس سے ملنے کے یقین کے باوجود بے کل بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک معصوم سی لڑکی نے اس کے برسوں سے منجمد جذبات کو پگھلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ قطرہ قطرہ بہہ رہا تھا مگر اپنے پگھلتے، بہتے احساسات و جذبات میں بھی اسے نیا ہی سرور مل رہا تھا۔

☆======☆======☆

''کیا چاچو! کتنے بور اور ڈل ہیں آپ، آج مہندی تھی آپ کی اور آپ آج بھی مجرموں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔'' تیمور اور گولڈی اس کے آتے ہی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔

''تمی؟ کیا مطلب فنکشن ختم ہو گیا۔ گیسٹ تو سارے ہی ہیں ابھی۔'' جواد نے تمی اور گولڈی کو حیرت سے دیکھا۔

''جی! آدھا فنکشن تو ختم ہو گیا۔ ہم ہو آئے ہیں اُدھر سے، آپ نے ہماری تیاری بھی نہیں دیکھی۔ آپ شام سے کہاں غائب تھے۔ مما اور اماں جانی کافی فکر مند اور ناراض ہیں آپ سے۔'' گولڈی خاصی ناراضگی سے کہہ رہا تھا۔

''یار سب کو معلوم تو ہے میری ڈیوٹیز کا۔ خیر، میں آ کر بات کرتا ہوں۔ ذرا فریش ہولوں دو منٹ پلیز۔'' گولڈی کا گال پیار سے کھینچتے ہوئے وہ فوراً ہی واش روم کی جانب بڑھا۔

گولڈی، تیمور کو منہ بنا کر دیکھنے لگی۔ چاچو کی عدم موجودگی نے اسے اچھی طرح انجوائے نہیں کرنے دیا تھا۔ اس نے تو بہت چاہا تھا کہ کسی طرح چاچو، رشی کو اس روپ میں

دیکھ لیں مگر چاچو دستیاب نہیں تھے اور مما کی ڈانٹ بھی پڑی تھی۔

دو تین منٹ میں وہ نہا کر آف وائٹ شلوار سوٹ پہن کر برآمد ہوا، پھر گولڈی کو شرارت سے دیکھ کر تمی سے پوچھا۔ ''پھر کیا رہی پروگریس، گولڈی کمپنی ہاری ہے کہ ہرا کے آئی ہے۔''

''چاچو میں وہاں مقابلہ کرنے نہیں گئی تھی اور آپ بھولیے مت وہ میری فرینڈ بھی ہے۔ میں نے تو خوب انجوائے کیا بس ایک افسوس ہے کہ آپ نے اپنی لائف کا اتنا شاندار موقع مس کر دیا۔'' گولڈی کو مسلسل افسوس کھائے جا رہا تھا۔

انہوں نے کہا بھی تھا کہ فنکشن ایک جگہ کر لیتے ہیں۔ اس طرح دولہا اور دلہن کو بھی صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونے کا موقع مل جائے گا مگر سیما امل کی فیملی میں کچھ بزرگ اس طرح رسم کی ادائیگی کے مخالف تھے سو انہیں ماننا پڑا تھا اور اسی بات سے جواد کا دل جلا ہوا، چڑا ہوا تھا۔

''شاندار فنکشن تم لوگوں کے لیے تھا، میرے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب میں آ تو گیا ہوں وقت پر۔''

''ہاں، آپ ہمارے ساتھ تو جا نہیں سکتے تھے۔ اگر آپ ہوتے تو دیکھتے، زبردست ارینجمنٹ تھی اور رشی، چاچو وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ شی از لکنگ ویری پریٹی۔ آپ اگر اسے ابھی دیکھ لیں تو ایسے ہی لے آئیں۔'' گولڈی کی نظروں میں ابھی تک رشی کی دل کش تصویر تھی۔

''تمہاری فرینڈ ہے تعریفیں تو کرو گی۔'' جواد نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے اسے چڑایا۔

''میں جھوٹی تعریف نہیں کر رہی۔ آپ تمی بھائی سے پوچھ لیں۔ عاصمہ پھپھو نے رشی کو پہلے نہیں دیکھا تھا ناں آج دیکھ کر وہ بھی حیران رہ گئیں۔ مما سے کہنے لگیں۔ اسی لیے جواد کہیں اور نہیں مان رہا تھا۔'' وہ ساتھ ہی بیٹھ کر بتانے لگی۔ تمی بھی مسکرائے جا رہا تھا۔

''اسٹوپڈ گرل وہ کسی اور بات پر حیران ہو رہی ہوں گی کہ جواد کو اس کل کی لڑکی میں کیا نظر آیا۔'' جواد گولڈی کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''چاچو یہ بات تو ماننے والی ہے۔ آج وہ واقعی خوبصورت لگ رہی ہے مگر افسوس آپ کے نصیب میں آج اس کا دیدار نہیں لکھا تھا۔'' تمی بھی اس کی ایک طرف آ بیٹھا اور پھر بے تکلفی سے کہا۔

جواد نے مصنوعی غصے سے گھورا۔

''وہ تب سے بک بک کر رہی ہے اسے کچھ نہیں کہا اور مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ یہی آپ کی لاڈلی ہے، میں تو کچھ نہیں ہوں۔'' تمی برا مان کر کھڑا ہو گیا۔

''کوئی بھی میرا لاڈلا نہیں ہے۔ دونوں ہی کب سے میرا دل جلا رہے ہو۔ وہ ایسی لگ رہی ہے، وہ ویسی لگ رہی ہے۔ وہ جیسی بھی لگ رہی ہے میں کیا کروں۔ کیا دیکھ سکتا ہوں میں اسے جو مجھے بتا بتا کر پریشان کر رہے ہو۔''

دونوں نے ایک دم بدلتے جواد کے روپ پر پہلے جواد کو اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں ہی نے کچھ سمجھنے کا اشارہ کیا۔ گولڈی کو تو چاچو کی حالتِ زار پر ترس بھی آیا۔ کئی بار فون کرنے کی کوشش ان کی پہلے ہی ناکام ہو چکی تھی۔ ملنے پر پابندی بھی کب سے عائد تھی۔ رشمان کسی بہانے پر بھی دوبارہ ان کے ساتھ نہیں نکلی تھی۔ اس لیے چاچو کی موجودہ بیزاری کی وجہ سمجھ میں آئی تو اسے کچھ سوجھا۔

''چاچو چلیں اٹھیں، ملنے چلیں۔''

''کس سے؟'' وہ رکھائی سے پوچھنے لگا۔

''رشی سے اور کس سے آپ کو پتا ہے چاچو۔'' جواد بھتیجی کی پیش کش پر متعجب ہوا مگر ظاہر نہ کیا۔

''مجھے کیا پتا۔''

''میرا دل تو پہلے ہی چاہ رہا تھا کہ آپ رشی کو اس روپ میں دیکھیں، آف وائٹ ڈریس اور پھولوں کے زیور میں وہ کسی دلہن سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ مما اگر مجھے نہ ڈانٹ دیتیں تو میں آپ کو فون کرنے والی تھی۔ اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی وہ لوگ ہماری طرف پہنچنے والے ہیں۔ وہاں زیادہ لوگ نہیں ہوں گے، رسم سے پہلے ہم آ جائیں گے۔'' گولڈی نے اس کی آتشِ شوق کو بھڑکاتے ہوئے اسے راستہ بھی دکھایا۔

''یار تم مجھے بے عزت نہ کروا دینا۔'' جواد نے نیم رضامند ہوتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔ تمی حیرت اور دلچسپی سے دونوں کے تاثرات ملاحظہ کر رہا تھا۔

''افوہ چاچو کچھ نہیں ہو گا۔ ہم فوراً واپس آ جائیں گے اور پھر میں آپ کو سب کے سامنے سے تھوڑی لے کر جاؤں گی۔ ڈونٹ وری میں انتظام کر لوں گی۔ اگر آپ کو چلنا ہے تو ورنہ رشی کی فوٹو گرافز اور مووی میں اسے دیکھیے گا اور.....''

''بس زیادہ پریشان نہیں کرو چاچو کو، جا رہے ہیں چاچو، ایسا گولڈن چانس وہ مس

تھوڑی کریں گے۔'' تمی نے بھی اس پلاننگ میں حصہ لیا۔

جواد جو نیم دراز تھا فوراً سیدھا ہو گیا۔ پاس بیٹھی بھتیجی کو فرطِ محبت سے ساتھ لگا کر بھینچا اور پھر اس کی پیشانی چومی۔ ''ایسے ہی تو چاچو نے اپنی جان کا نام گولڈی نہیں رکھا تھا، تم تو ہو ہی گولڈ۔'' جواد بستر سے اُتر کر اپنا تنقیدی جائزہ لینے لگا۔

''میں ذرا ڈریس اپ ہو جاؤں۔''

''نو چاچو! آپ کے پاس اتنا ٹائم ہے؟ دیر ہو جائے گی۔ ڈونٹ مائنڈ اب آپ کو کسی ''پالش'' کی ضرورت نہیں ہے، آپ کو قبول کر لیا گیا ہے۔'' تمی نے بھرپور شرارت سے دیکھ کر چھیڑا تو جواد نے پلٹ کر اس کے گال پر ایک چپت لگائی۔

''زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور کسی کو اس بارے میں ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے ورنہ.....''

''تو کیا میں یہاں رہوں گا؟ میں بھی چل رہا ہوں آپ کے ساتھ۔''

''جی نہیں صرف میں اور چاچو جائیں گے۔'' گولڈی نے اپنی اہمیت جتائی۔

''ہاں ٹھیک ہے تم یہیں میرا روم لاک کر کے بیٹھو، ہم بس جلدی آ جائیں گے۔''

''اور وہ جو آپ کے درجن بھر دوستوں کی کرکٹ ٹیم شام سے اپنا ایمپائر ڈھونڈتی پھر رہی ہے انہیں میں کیا منہ دکھاؤں گا۔'' تمی کو یہاں ٹھہرنا دوبھر لگ رہا تھا۔

''تم کوئی بہانہ کر دینا، کہہ دینا ابھی آیا ہی نہیں ہوں اور سنو بھابی جان یا اماں جانی اور اپنی پھپھو سے بھی کچھ مت کہنا۔ ورنہ تم مجھے جانتے ہو۔'' سائیڈ ٹیبل سے اپنی گھڑی، پرس اور گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اس نے اسے پھر سے تنبیہہ کی۔

''مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اعتبار بھی کریں پہلے کبھی میں نے آپ کے سیکرٹس لیک آؤٹ کیے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر جائیں چاچو۔ او کے بیسٹ آف لک۔'' تمی نے اس کے بستر پر دراز ہوتے ہوئے شرارت و محبت سے کہا تو جواد نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

''تھینکس یور وشز سوئٹ ہارٹ۔'' چاچا بھتیجے میں بے تکلفی اور دوستی بھی تھی۔ تبھی تمی پانچ چھ سال چھوٹا ہونے کے باوجود اپنے چاچو کے ساتھ اکثر دوستوں والی چھیڑ چھاڑ کر جاتا تھا۔

''چاچو اب چلیں بھی آئیڈیا میرا ہے، رسک میں اٹھا رہی ہوں اور محبتیں دوسروں کو مل رہی ہیں۔'' گولڈی کو جلن ہو رہی تھی۔ اسی لیے وہ جواد کو بازو سے کھینچتی ہوئی دوسرے دروازے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ یہ سیڑھیاں اوپر کی منزل سے پیچھے لان کی طرف

جاتی تھیں جہاں آج کل زیادہ آمدورفت نہیں تھی۔ اس وقت بھی وہاں صرف غیر ضروری سامان رکھا تھا۔ اس ہنگامہ خیز وقت میں سب سے بچ کے نکلنا بھی کسی مہم سے کم نہ تھا اور پھر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنا اس سے بھی دشوار ترین۔ گولڈی نے اپنے منصوبے کے مطابق اسے گھر کے اندرونی حصے میں لے جانے کے لیے گیٹ سے اندر قدرے تاریک حصے میں کھڑا کیا۔ ویسے بھی وہاں سے سبھی لوگ رسم کے لیے ان کی طرف جا چکے تھے۔ ملازمین سامان سمیٹتے پھر رہے تھے۔ گھر میں چند ایک افراد سے زیادہ شاید کوئی نہیں تھا اور وہ بھی گولڈی سے اچھی طرح واقف نہیں تھے۔ گولڈی سیدھی رشان کے کمرے میں پہنچی۔ جہاں وہ اپنی کسی کزن سے مہندی لگوانے میں مصروف تھی۔ پیروں کو خوبصورت بیل بوٹوں سے سجا کر مزید خوب صورت بنا دیا گیا تھا اور اب اس کے ہاتھ رنگِ آرزو کے حصار میں تھے۔ گولڈی مزید ستائش بھری نظروں سے سراہتی ہوئی اس کے پاس سلام کر کے بیٹھ گئی۔ رشان اسے اس وقت دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئی۔

''ت..... تم اس وقت یہاں؟ خیریت تو ہے؟'' اس کی بھیگی پلکیں لرز کر رہ گئیں۔

''ہاں تم سے ایک ضروری کام ہے۔''

''ضروری کام؟ فون کر لیتیں، کیا بات ہے۔'' وہ الجھ کر پوچھ رہی تھی۔

''فون پہ ہونے والا نہیں تھا میم۔'' گولڈی کے لب شرارت سے مسکائے۔

''کیا ضروری کام تھا جو تمہیں پھر سے آنا پڑا۔ بتاؤ ناں۔'' رشی کے ذہن و دل میں کئی خدشے سر ابھار رہے تھے۔ وہ مسلسل پریشانی اور الجھن سے گولڈی کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ اور خفیف سی شرارت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو پلیز کچھ دیر کے لیے.....'' گولڈی نے مہندی لگاتی نیلوفر کو جھجکتے ہوئے کہا تو اس کا مہارت سے کون مہندی کی گرفت میں کیے ہاتھ رک گیا۔ وہ سر اٹھا کر قدرے شرارت سے بولی۔

''بات کر لیں، سمجھیں کہ میں یہاں ہوں ہی نہیں۔''

''گولڈی کیا مسئلہ ہے، جو کہنا ہے جلدی کہو، نیلی بھی تمہاری طرح ہی ہے، ڈونٹ وری۔''

گولڈی کو تذبذب میں دیکھ کر نیلی خود ہی کھڑی ہو گئی۔ ''شاید کوئی پرسنل پرابلم ہے جو یہ میرے سامنے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی، نیور مائنڈ میں چلی جاتی ہوں بلکہ کچھ ٹھنڈا گرم لے کر آتی ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے، پلیز آپ بھی رک جائیں۔ رشی بات دراصل یہ ہے کہ ہم.....'' وہ پھر اٹک گئی۔ جس کام کو آسان سمجھ رہی تھی اب بڑا مشکل لگ رہا تھا۔ گھر میں موجود خواتین کا ادھر آنے کا احتمال الگ تھا اور پول کھلنے پر اپنے گھر والوں کی زبردست ڈانٹ کا خوف بھی اب غالب آ رہا تھا۔

''خدا کے لیے کچھ پھوٹو بھی، مجھے پریشانی ہو رہی ہے اور تم۔'' رشی جھنجھلا اٹھی۔ ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے وگرنہ ابھی سامنے بیٹھی گولڈی کو دو ہاتھ لگا کر فوراً بولنے پر مجبور کر دیتی۔

''سب لوگ ہماری طرف چلے گئے ہیں ناں، آنٹی بھی ساتھ ہی ہیں ناں۔'' گولڈی نے ایک بار پھر تسلی کرنا چاہی۔

''ظاہر ہے، کیا بات ہے، تم کھل کر کیوں نہیں بتا رہی ہو۔ سب خیریت سے پہنچ گئے ہیں؟''

''وہ ایکچولی ہم نے۔ میں نے اور تمی نے تمہاری اتنی تعریفیں کی ہیں اتنی تعریفیں کی ہیں کہ وہ تو بے تاب ہو گئے۔ تمہیں اس روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' گولڈی نے ڈرتے ڈرتے بہت تیزی سے بات پوری کی۔

''کون؟'' نیلی نے بے ساختہ پوچھا جب کہ رشی ہنوز حیرت سے اسے تک رہی تھی اور کچھ کچھ بات سمجھ بھی رہی تھی۔

''میرے چاچو اور کون، وہ میرے ساتھ آئے ہیں۔ تم سے ملنا چاہتے ہیں، تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''ممکن نہیں ہے۔'' نیلی نے فوراً انکار کیا۔

''کیسے ممکن نہیں ہے۔ سب تو ہماری طرف گئے ہیں۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا، صرف دو منٹ کی تو بات ہے پلیز مان جائیں دونوں۔''

''رشی! اگر چاہتی ہے تو.....'' نیلی نیم رضامند ہوئی۔

''گولڈی تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ یہ موقع ہے اس طرح کی حرکتیں کرنے کا۔ اپنی شادی پر کرنا یہ سب۔'' رشی بہ یک وقت کئی کیفیات میں مبتلا ہوئی تھی۔ گولڈی پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ جواد کے آنے کا سن کر گھبراہٹ بھی ہونے لگی تھی اور پھر جواد کی یہاں اس وقت آمد کے بارے میں سب کو علم ہو جانے کا خوف بھی تھا۔

''پلیز صرف دو منٹ، وہ بہت اپ سیٹ تھے۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں انہیں لے کر

آئی ہوں۔ میری عزت رکھ لو پلیز، ہم اتنی دور سے آئے ہیں۔ اچھا صرف دیکھ کر چلے جائیں گے تم بے شک بات مت کرنا بس اپنا دیدار کرا دینا۔'' گولڈی منت سماجت سے اس کے گھٹنوں کو چھوتی آخر میں اس کی ٹھوری کو ہلا کر شرارت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہائے نہیں..... مجھ سے سامنا نہیں ہوگا۔ نیلی تم منع کرو نا، ماما کو علم ہوا تو۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔

''کہاں ہیں۔'' نیلی بھی گولڈی کے ساتھ مل گئی پھر دونوں نے پہلے لاؤنج میں کھلنے والا دروازہ احتیاط سے لاک کیا۔ لاؤنج میں بیٹھی خواتین رشتے دار اپنی اپنی داستان چھیڑے بیٹھی تھیں۔ گولڈی دوسرے دروازے سے باہر بھاگی۔

''میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں نیلی۔ تم بھی اس کے ساتھ مل گئی ہو۔''

''کیا کرتی تمہیں پتا تو ہے مجھے پولیس والوں سے ڈر لگتا ہے تعاون نہ کرتی تو لگا دیتے کوئی دفعہ، تمہارے ہونے والے ''وہ'' جو خیر سے اے ایس پی بھی ہیں۔ ویسے یار تُو ہے بڑی لکی۔ بنا کوشش کے ہی ہینڈسم چارمنگ بندہ مل گیا ہے۔ کوئی دیور شیور ہے تیرا۔'' نیلی نے اس کی گھبراہٹ کم کرنے کے لیے اس سے چھیڑ چھاڑ کی۔

''تو تُو بن جا لکی، لے لے ہینڈسم چارمنگ بندہ، کوئی دیور نہیں ہے میرا۔'' رشی نے پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا تو وہ کھلکھلا دی۔

''جو بندہ مہندی کی رات کو ہی بے چین ہو کر تیرے لیے آ گیا ہے۔ جس سے ایک دن بھی صبر نہیں ہوا وہ بھلا مجھے گھاس ڈالے گا۔ یار یہ تیرا مجنوں تجھے ہی مبارک۔'' نیلی نے اسے پھر سے چھیڑا تو وہ آنکھیں دکھا گئی۔ ''بس بس اب زیادہ غصہ نہ کرو، دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے اور مجھے رعب دکھا رہی ہے۔ ویسے تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ تم غصے میں ذرا بھی اچھی نہیں لگتی ہو۔''

''نیلی پلیز! انہیں منع کر دو، مجھے کچھ ہو رہا ہے۔''

''اب جو ہو رہا ہے ہونے دو، میں کچھ نہیں کر سکتی۔'' نیلی اس کے پاس سے اٹھ گئی۔ باہر سے آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

''ہائے نہیں۔'' رشی نے فوراً آنکھیں موند لیں۔ کمر گول تکیے سے ٹکا رکھی تھی۔ پاؤں پسارے وہ رانوں پر دونوں ہاتھ پھیلا کر بیٹھی تھی۔ آہٹ ہوتے ہی اس نے گھٹنوں کو کھڑا کیا اور بے اختیار اپنی پیشانی ان پر ٹکا کر اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی۔ گولڈی نے مصنوعی طور پر گلا کھنکھار کر اپنی آمد کا احساس دلایا۔ جس پر وہ مزید حواس باختہ سی ہو کر لرزنے لگی۔ شرم و حیا

سے اس کی آنکھیں نم اور پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ سانس گھٹتی اور دھڑکنیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ دو نگاہوں کی حرارت اس کے جسم و جاں کو پگھلا رہی تھی۔ جواد بھی مبہوت سا دروازے کے اندر کھڑا تھا۔ جیسے اسے اپنے یہاں ہونے کا یقین نہ ہو۔ گولڈی کی وارننگ پر سنبھلا۔ ''چاچو صرف دو منٹ۔''

''اچھا بابا! تم یہاں سے کھسکو گی تو دو منٹ شروع ہوں گے ناں۔'' جواد کی جھنجھلاتی آواز اس کی سماعت میں اُتر کر اسے سر پر کھڑی آفت کا احساس دلا رہی تھی پھر گولڈی کے جانے کا احساس کر کے رشی نے فوراً ہی سر اٹھا کر اسے مدد کے لیے پکارا۔

''گو..... لڈ..... ی پلیز۔'' مگر گولڈی پیچھے مڑے بغیر بڑی چالاکی سے نیلی کا ہاتھ تھام کر نکل گئی اور جواد اس کے صبیح و ملیح چہرے کی رعنائی کو تکتا رہ گیا۔ اس کے چہرے پر زندگی کو جینے کی امنگ دینے والا ہر احساس ہر رنگ موجود تھا۔ گولڈی نے اس کا جو نقشہ کھینچا تھا۔ وہ اس سے بھی بڑھ کر حسین دکھائی دے رہی تھی۔ سوگوار حسن کی جاذبیت روح کی تراوٹ ثابت ہوئی تھی۔ بھیگی لرزتی پلکیں دل میں پیوست ہو کر انہیں چھو لینے کی خواہش بیدار کر رہی تھیں۔ حنا سے سجی پور پور اس کے جذبات میں ہلچل مچا رہی تھی۔ یہ روپ اس کے لیے سجایا گیا تھا۔ اس لڑکی سے وابستگی کا احساس حیات بخش تھا۔ اپنے اور اس کے مابین بندھے تعلق اور رشتے کے تحت سارے جذبے صرف اپنے نام ہونے کا دل نشیں خیال ہونے کے باوجود وہ خود کو سنبھال کر اسے مخاطب کرنے لگا۔

''رما۔'' جواد کے لہجے کی محبت بھری چاشنی بھی اسے سر اٹھانے پر مجبور نہ کر سکی۔ ''رما میری بات سنو۔''

اس کا سر شرم سے مزید جھک گیا۔ وجود کی لرزش بھی بڑھ گئی۔ نہ دیکھتے ہوئے بھی وہ اسے اپنے سامنے بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل اس کے سامنے دوزانو ہوئے بیٹھا تھا۔

''کیا تم میرے دو منٹ اس طرح ضائع کرو گی۔'' اس بار وہ ذرا جھنجھلایا۔ ''رما! ایک نظر دیکھو میری طرف پلیز۔'' پھر سے اصرار کیا گیا تو رشی نے ڈرتے ڈرتے سر اونچا کیا۔ ایک لمحے کے لیے نگاہ بھی اٹھائی۔ جواد اسے پُر شوق انداز میں دیکھ رہا تھا۔ پلکوں کی جھالر جھلک کر لرزنے لگی۔ ''گولڈی صحیح کہہ رہی تھی۔ تم آج اس دنیا کی تو نہیں لگ رہی ہو۔ کہاں سے آئی ہو۔ کاش میں قاضی اور گواہوں کو بھی ہمراہ لے کر آتا تو تمہیں اسی روپ میں ساتھ لے جاتا۔ مگر افسوس یہ رسم و رواج، کیا کل بھی ایسا ہی روپ سجاؤ گی۔'' جواد کے منہ سے ایسی باتیں سن کر رشی کے دل کی دھڑکن ٹھہرنے لگی تھی۔ محبت کا دل نشین احساس اسے ابھی ملا تھا۔

رشی کو پہلی بار جواد کے جذبوں کی مہک نے مہکایا تھا۔ اس شخص کی محبت کا یقین واعتبار بھی مکمل ابھی ہوا تھا۔ ''یار کچھ تو بولو، تمہاری آواز سننے کو ترس گیا ہوں میں۔''

رشی میں کچھ کہنے کی سکت ہوتی تو کہتی۔

''رما تم میری طرف دیکھتی ہو یا۔'' اس بار دھمکی آمیز انداز میں کہا تو وہ بالکل سیدھی ہو گئی۔ سہم کر اسے دیکھا تو اس کے چہرے اور آنکھوں میں محبت کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر وہ روہانسی ہو گئی۔

''یہ طریقہ ہے کوئی۔ اس طرح ہوتا ہے کیا؟ اگر کسی نے دیکھ لیا تو کتنی بدنامی ہو گی میری۔'' آخر شکوہ اور وسوسے زبان پر آ ہی گئے۔

''ڈونٹ وری کوئی نہیں دیکھے گا۔ اچھا مجھے بتاؤ تم خوش ہو ناں۔''

''یہ اب پوچھنے کی بات ہے۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''اس کا مطلب ہے خوش نہیں ہو۔'' جواد نے اس کی ناراضگی سے لطف اٹھایا۔

''یہ..... یہ کس نے کہا ہے۔'' وہ گڑبڑا کر استفسار کر بیٹھی۔

''اچھا تو خوش ہو۔ تھینک یو۔ تھینک یو سو مچ سوئٹ ہارٹ۔'' جواد نے ذرا آگے ہو کر اس کا حنائی ہاتھ تھاما اور پھر زبردستی اپنے چہرے کے قریب لے جا کر حنا کی مہک اپنی سانسوں میں اتاری روم روم میں بسائی۔ رشی کسمساتی رہ گئی۔

''کہنا تو تم سے بہت کچھ ہے مگر یہ ظالم سماج کچھ کہنے کہاں دے گا۔ اچھا عروس من کل شب زفاف کے خوبصورت لمحات میں ملاقات وصل ہو گی پھر ہمارے درمیان کوئی اور نہ آ سکے گا۔''

گولڈی سرگوشیوں میں پکار رہی تھی آخر وہ اندر آ ہی گئی۔ ''چاچو جلدی چلیں۔ وہاں بھی آپ کو ڈھونڈا جا رہا ہو گا۔''

جواد نے اس کی تھامی کلائی دوبارہ ناک کے قریب لے جا کر گہری سانس کھینچی۔

''چاچو پلیز کم آن۔'' گولڈی اس کا بازو تھام کر لے گئی اور رشان جیسے اس کی محبت کے طلسم میں جکڑ سی گئی تھی۔ وصل کی شب کے درمیان ابھی ایک طویل دن صدی بن کر حائل تھا۔

☆======☆======☆

رات بھر کی ہنگامہ خیزی اور شب بیداری کے بعد بھی جسم و جاں میں تھکن نہیں اُتری تھی۔ رشان کی دید نے مکمل سیرابی تو نہیں دی تھی، البتہ دو گھونٹ کی دید نے صبر و قرار ضرور دے دیا تھا۔ تبھی وہ سب سے آخر میں سونے کے بعد سب سے پہلے اٹھ کر اپنے انفارمر کی

فون کال پر اٹھ کر سب کو سوتا چھوڑ کر نکل آیا تھا۔ زندگی، میں اپنی خوشی اور ذات سے بڑھ کر بہر حال اسے اپنا فرض عزیز تھا۔ اعتزاز بخاری کے سلسلے میں چند اہم باتیں اور ثبوت اس کا انفارمر اسے بتانا اور دکھانا چاہتا تھا۔ اس کے انفارمر نے اسے اعتزاز کے بارے میں بہت سی نئی معلومات کے ساتھ چند ایک ثبوت بھی مہیا کیے تھے۔ اپنے آفس میں بیٹھ کر وہ ان ہی ثبوتوں کو دیکھ کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو ثبوت اسے ملے تھے، اس میں ایک پرانی چیک بک، ایک لاکر نمبر تھا۔ بظاہر یہ کوئی ثبوت نہیں تھے مگر یہ ثبوت بن بھی سکتے تھے، پولیس میں ہونے کے بعد ہر گماں کا امکان اس کی سرشت میں بھی شامل ہو چکا تھا۔ پھر اعتزاز کے بارے میں جو نئی معلومات اسے ملی تھیں وہ بھی خاصی مشکوک تھیں۔ اس کے لیے بینک لاکر تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اعتزاز کے قتل کے کیس میں اس کی دلچسپی اس لیے بھی تھی کہ وہ ان چہروں کو بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ جنہوں نے ایک سال چند ماہ پہلے اس کیس کی فائل بند کروائی تھی۔ وہ یقیناً اعتزاز کے ساتھ چند ایک غیر قانونی کاموں میں ملوث تھے اور امکان یہ بھی تھا کہ وہی لوگ اعتزاز کے قاتل بھی ہو سکتے ہیں۔ بینک لاکر سے حاصل ہونے والی اشیاء نے جواد کو نہ صرف چونکا دیا تھا بلکہ مزید متجسس کر دیا تھا۔ بینک لاکر سے برآمد ہونے والی اشیا میں ایک مکان کی ملکیت کے کاغذات تھے۔ ایک ویڈیو کیسٹ کے ساتھ ایک فوٹو گراف کے چند ٹکڑے بھی ملے تھے۔ یہی دونوں چیزیں شک میں مبتلا کرتی تھیں۔ جواد کی ان چیزوں کو لاکر میں دیکھ کر وقتی رائے یہی تھی کہ اعتزاز بخاری یا تو ان دونوں چیزوں کے ذریعے کسی کو بلیک میل کر رہا تھا یا پھر وہ ان چیزوں کے ذریعے بلیک میل ہوا ہو گا۔ حتمی رائے اور فیصلہ تو وہ ویڈیو کیسٹ دیکھنے کے بعد ہی کر سکتا تھا پھر تصویر کو ترتیب دے کر کوئی خاکہ مرتب ہو سکتا تھا۔ جو اسے قاتلوں تک پہنچاتا۔ اپنے آفس میں بیٹھ کر ابھی وہ ان ثبوت کی رُونمائی کرنا چاہتا تھا کہ تیمور کے فون نے اسے اپنی گمشدگی کا احساس دلایا۔ وہ صبح سے بنا اطلاع کے گھر سے غائب تھا۔ شام پانچ بجے تک اس کی کوئی خیر خبر ہی نہ تھی۔ سب کا فکر مند اور ناراض ہونا ضروری تھا۔

''آپ ہو کہاں اے ایس پی صاحب، موبائل بھی آپ کا آف ہے۔''

''یار مصروفیت تھی، یہیں تھا۔'' تیمور کی ناراضگی پر اس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ فرض کی دبیز چادر سے جھلملاتے جذبات جھانکنے لگے۔ جیسے بادل کی اوٹ سے پونم کا چاند اور آسمان پر بکھرے ستارے جھانک رہے ہیں۔ دن بھر خود سے بے خبری پر اسے تعجب بھی ہو رہا تھا۔ آج وہ آن ڈیوٹی نہیں تھا۔ پھر بھی اس کی اپنے کام سے لگن اسے بے بس

کیے ہوئے تھی۔

''اپنی مصروفیت میں آپ کو یاد تو ہے کہ آج آپ کی شادی ہے۔''

''سچ بتاؤں تمہارا فون آنے سے پہلے مجھے واقعی یاد نہیں تھا۔ ایک گتھی سلجھانے کے چکر میں ہوں۔ آئی ایم سوری یار۔''

''آر یو سوری؟ مطلب شادی کینسل، اماں جانی سے کہہ دوں کہ چاچو نے شادی سے انکار.....''

''اسٹوپڈ، خبردار ایسی بات بھی منہ سے نکالی۔ تم لوگ اپنی تیاری رکھو، میں بس پہنچ جاتا ہوں۔''

''پہنچ ہی جایئے گا کہیں آپ اپنی گتھی سلجھاتے رہیں اور ادھر مجھے قربانی کا بکرا بننا پڑ جائے۔ اماں جانی کا تو آپ کو پتا ہی ہے انہیں اپنا خاندانی وقار کس قدر عزیز ہے۔ آپ کی غیر موجودگی سے آپ کا ہی نقصان ہوگا۔ یاد رکھیے گا۔'' تیمور کی شرارت پر جواد بے اختیار کھلکھلایا۔ ساری سچی خوشی اس کے چہرے پر سمٹ آئی۔ رشان کا عکس آنکھوں میں آٹھہرا۔

''بس بکواس کیے جاؤ گے۔ رما کو علم ہوا کہ دولہا بدل گیا ہے تو وہی تمہاری حجامت بنا دے گی۔''

''اسی لیے تو آپ کو خبردار کر رہا ہوں کہ آپ اسے ایسا موقع ہی مت دیں، جلدی سے گھر پہنچ جائیں ورنہ رئیلی یہاں ایسا ہی کچھ منصوبہ بن رہا ہے۔'' تیمور نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

''او کے، او کے، میں بس پہنچ رہا ہوں، خدا حافظ۔'' فون رکھ کر وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔ تمی کی باتوں سے ہی گھر والوں کی ناراضگی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اٹھتے اٹھتے اس کی نظر پھر سے کیسٹ کے پیکٹ پر پڑی۔ تجسس نے جکڑنے کی کوشش کی۔ فوراً دیکھ لینے پر اکسایا۔ ایسا وہ کر گزرتا اگر گھر سے فون نہ آچکا ہوتا۔ مجبوراً سب چیزیں لاک کیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ رشان سے ملن کی تڑپ اور خوشی نہ ہوتی تو وہ ہر بندش توڑ کر پہلے اپنا فرض نبھاتا۔

گھر پہنچتے ہی سب نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ سوئم اور اماں جانی تو سخت ناراضگی کا مظاہرہ بھی کر چکی تھیں۔ بات تو ناراضگی کی تھی ہی گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ بارات جانے کی تیاریوں میں تھی اور دولہا روپوش تھا۔ بہت مشکل سے اس نے اماں جانی کو ٹھنڈا کیا تھا۔ اللہ اللہ کر کے تو وہ مانی تھیں۔ انہیں ویسے بھی جواد کا نوکری کرنا پسند نہیں تھا۔ دن رات کی آمد و رفت نے انہیں پہلے ہی پریشان کر رکھا تھا اور آج اپنی شادی کے دن بھی اس کا یہ حال

دیکھ کر ان کا وارننگ دینا بجا تھا۔ بہت لاڈ جتانے کے بعد گولڈی نے اسے بخشا تھا۔ اسے اپنی سہیلی کی خوشیاں خطرے میں نظر آ رہی تھیں۔ اسے یقین تھا چاچو اس کی سہیلی کو اسی طرح انتظار کی سولی پر لٹکایا کریں گے۔ بھابی شمور کی مداخلت و حمایت پر اس کی خلاصی ہوئی تھی اور وہ فریش ہونے جا سکا تھا۔ پھر وہ حقیقتاً اپنے سپنوں کی بارات سجائے خوشیوں، امنگوں اور امیدوں بھری بہار قدموں تلے بچھائے اپنی محبت کی پکی ڈور سے باندھ کر رشان کو اپنے آنگن میں لے آیا تھا۔ خوابوں کے حقیقت ہو جانے کے تمام سکھ اس کے چہرے پر بکھرے تھے، رشان کے لیے اس کے دل میں پیدا ہونے والے جذبات فطری اور اچانک تھے۔ گھر والوں کے اصرار کے بعد اس نے اپنے شریک سفر کے بارے میں جب سوچنا شروع کیا تھا تو رشان ہی چھن سے اس کے تصور میں آئی تھی۔ زندگی عطر بیز لگنے لگی تھی رنگ و نور سے روشن ہوتی آنکھیں مزید چمک رہی تھیں۔

رشان کے معصوم جذبوں نے بھی پہلی بار ہی آگہی محبت پائی تھی۔ اس کے تصور نے بھی پہلی بار روپہلوی پیراہن اوڑھا تھا۔ اس کے لیے بھی محبت کو اس طرح پانے اور محسوس کرنے کا عمل بڑا دلکش تھا۔ رشان کو حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا گیا تھا جب کہ جواد یار دوستوں میں کھڑا انتظار کی کلفت اٹھا رہا تھا۔ تبھی اسے ایمرجنسی میں ہیڈ آفس بلایا گیا تھا۔ یقیناً شبیر بخاری کی ہی اپروچ تھی اور شاید انہیں اعتزاز کے لاکر وغیرہ کا بھی علم ہو چکا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اس طرح بلائے جانے پر کچھ جھنجھلاہٹ ہوئی۔ گھنٹوں سے جس صورت کو دیکھنے کے لیے ترس گیا تھا۔ اس سے ملن کی گھڑی قریب آئی تھی تو چیف کا بلاوا رقیب بن گیا تھا۔ مجبوری تھی، اسے جانا ہی تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے فرض کے معاملے میں کوتاہی کرنے والا بندہ نہیں تھا۔ ایک بار پھر اس کے اندر اس کے نرم و نازک روپہلو سے جذبات کی جگہ اس کی فرض شناسی اس کے سامنے تنی کھڑی تھی۔ اسے کہیں جانے کے لیے کمر بستہ دیکھ کر بھابی جان، تیمور کے کمرے میں اس کے پیچھے داخل ہوئیں۔ وہ تیمور کے ذریعے پہلے ہی اپنے کمرے سے اپنے لیے دوسرا لباس منگوا چکا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو تم اس وقت۔'' بھابی جان نے خاصی ناراضگی سے استفسار کیا۔ اماں جانی بھی پیچھے پیچھے آ گئی تھیں گولڈی انہیں ہمراہ لے کر آئی تھی۔

''ارجنٹ کال آئی ہے جانا پڑے گا۔ ڈونٹ وری ابھی آ جاتا ہوں۔'' اماں جانی کو اندر آتے دیکھ کر اس کی آواز مدھم ہو گئی۔ جلدی میں وہ شرٹ اتار کر دوسری پہننے لگا۔

''تم نے چھٹی نہیں لی تھی؟ انہیں معلوم نہیں ہے کہ آج تمہاری شادی ہوئی ہے،

تمہارے علاوہ شہر بھر میں اور کوئی آفیسر نہیں ہے جو ان کے کام کر سکے۔'' اسے اس عجلت میں دیکھ کر ان کا پارہ چڑھنا تو تھا۔

''تم فون کر دو کہ تم ابھی نہیں آ رہے ہو۔'' اماں جانی نے تیمور کے بیڈ پر ٹکتے ہوئے نادر شاہی حکم دیا۔

''جو کام میری ذمے داری ہیں ان کے لیے تو مجھے ہی جواب دہ ہونا ہے نا۔''

''بھاڑ میں جائے تمہارا کام اور افسری، بھر پائے ہم تمہارے شوق سے اب ختم کرو یہ ٹنٹا۔ اپنی ہی خوشی کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں ہے تو کیا فائدہ اس افسری کا۔'' اماں جانی کے تیور مزید بگڑ گئے۔

''کہہ تو رہا ہوں آدھے گھنٹے میں آ جاتا ہوں واپس۔''

''بھلا یہ طور ہے بیاہ رچانے کا، تمہارے یہی چلن رہنے تھے تو بیاہ کے لیے رضا مندی کیوں دی تھی۔ پھرتے بے مہارے، پرائی بچی کو بھی لا کر باندھ دیا کیا سوچے گی۔ چند گھڑیوں کی دلہن کہ میاں صاحب کے پاس آج کی رات ہی فرصت نہیں ہے تو ساری زندگی کیا ہوگی۔'' ان کا غصہ عروج پر تھا۔

''پلیز اماں جانی! میرا جانا اس وقت بہت ضروری ہے، رئیلی میں ابھی آ جاؤں گا۔'' اس نے منت سے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔

''تم نے پہلے کبھی میری مانی ہے جواب مانو گے، میں تمہیں صاف کہے دیتی ہوں اِدھر اُدھر سے کوئی بات نکلی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔'' انہیں اندیشہ تھا کہ جواد کی غیر موجودگی پر رشان کے گھر والے کوئی بات نہ کریں۔

''رشان کو میں سمجھا لوں گا۔ آپ لوگ تو مجھے اور میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں۔'' اماں جانی کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے مسکرا کر کہا اس کی دلکش مسکراہٹ دیکھ کر سب کی جان جل گئی۔ گولڈی بھی منہ پھلائے کھڑی تھی۔ بڑوں کی موجودگی میں کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ تمی بھی لاتعلق سا کونے میں کشن پر بیٹھا تھا۔

''یار تم لوگ تو منہ نہ پھلاؤ۔ گھر میں مہمان بھی ہیں غلط سوچیں گے۔''

سب جانتے تھے وہ نہیں رکے گا۔ بھابی جان نے اپنے بچوں کو موڈ صحیح کرنے کا اشارہ کیا۔ پھر جواد کے ساتھ ہی باہر نکلیں۔ وہ بھی اس کے اس طرح جانے پر حیران ہونے کے ساتھ خفگی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ ان سب کو سمجھانے میں بھی اس کے پانچ سات منٹ لگ گئے۔ وہ باہر نکلنے لگا تو بھابی جان نے اسے ٹوک کر یاد دلایا۔

''رشی سے تو کچھ کہہ جاتے، وہ بھی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

''بھابی جان! میں ابھی آ رہا ہوں رئیلی۔''

''ابھی؟ جانتی ہوں تمہارے وعدوں کو، اپنے کام میں تمہیں رات گزرنے کا احساس کب ہوگا۔''

''آئی پرامس، میں رات گزرنے سے پہلے ہی آ جاؤں گا۔ آج آپ کے سارے اندازے غلط ہو جائیں گے۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔

''خدا کرے۔'' ان سے بھی اپنی ناراضگی چھپائی نہیں جا رہی تھی۔

''آپ تو سمجھتی ہیں بھابی جانی، مجھے بھی کب آج یہ اچھا لگ رہا ہے، لیکن ڈیوٹی از ڈیوٹی، میں مجبور ہوں، لیکن یقین رکھیں آئندہ زندگی میں ان تمام لمحوں کی تلافی کرتا رہوں گا۔'' اس نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر لاڈ سے منایا۔ ''آپ اس سے کہیے گا، وہ میرا انتظار کر سکتی ہے تو کرے اور اگر وہ سونا چاہتی ہے تو سو جائے، میں بالکل بھی مائنڈ نہیں کروں گا۔ آئی نو، انتظار اس کے لیے زیادہ مشکل ہوگا۔'' جواد نے قدرے سنجیدگی سے رشان کے لیے پیغام دیا تو بھابی شمورا سے دیکھ کر رہ گئیں۔ اب وہ اس کی کشمکش سمجھ رہی تھیں۔ اس لیے اس کا کندھا تھپک کر دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔

اسے ارجنٹ کال کسی دوسرے مسئلے کے لیے کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اعتزاز بخاری کے کیس کے سلسلے میں رپورٹ بھی دے دی تھی۔ اس کے نزدیک تو اب یہ کیس حل شدہ ہی تھا۔ اسے جو ثبوت جس انداز میں ملے تھے اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان کا تعلق قاتل یا مقتول سے ضرور ہے۔ وہ اپنے آفس میں مطلوبہ فائل لینے آیا تھا۔ اپنے سیف سے فائل نکالتے ہوئے اس کی نگاہیں پھر سے آج حاصل ہونے والے پیکٹ سے الجھ گئی تھیں۔ ابھی ویسے بھی اسے فائل ہینڈ اوور کرنے کے لیے اپنے ماتحت آفیسر کا انتظار تھا۔ جسے اس نے آفس آ کر بلایا تھا۔ تب تک اس نے سوچا تھا کہ وہ اعتزاز کے لاکر سے ملنے والی ویڈیو کیسٹ ہی دیکھ لے۔ تجسس نے اسے پہلے ہی جکڑ رکھا تھا۔ تو اس نے اپنے ہی آفس میں بیٹھ کر کیسٹ دیکھنا شروع کی۔ پہلا سین ہی کچھ عجیب مگر اپنی جانب کھینچتا ہوا تھا۔ اسکرین پر ایک نسوانی وجود کا مدھم عکس تھا جو پہچاننا مشکل تھا کہ کون ہے۔ اس پیکر کو بہت دور سے مگر پشت سے فوکس کیا گیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اگلا منظر خوبصورت برف پوش وادی کا تھا۔ وادی میں خوبصورت اجلی چمکیلی صبح دھیرے دھیرے اپنے نور کی کرنیں بکھیر رہی تھی اور انہیں کرنوں کو ہمراہ لیے ایک نازک دوشیزہ غیر علاقائی بلکہ غیر ملکی لباس میں ملبوس بڑی مہارت سے اونچی

نیچی راہوں پر قدم جما کر بڑھی چلی جا رہی تھی۔ یہاں بھی مناظر اور پیکر بہت پیچھے اور دور سے فوکس ہوئے لگتے تھے، غیر واضح سے۔ پھر اس دوشیزہ کی سمت ایک اور ہیولا دور سے بڑھتے ہوئے قریب جا رہا تھا۔ دس بارہ منٹ کے دورانیے میں ہی جواد کو لگا کہ یہ کوئی شغلاً یا تفریحاً بنائی گئی فلم ہے۔ جو شاید اعتزاز کی خوش گوار یادوں کا عکس ہے لیکن پھر اچانک ہی دوشیزہ کے قریب آتے ہیولے کا عکس اسکرین پر واضح ہونے لگا اور پھر اس نمایاں ہوتے عکس نے جواد کو چونکا کر رکھ دیا۔ میر سجاول..... اسے تو جواد ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ اعتزاز کا بہت قریبی بلکہ جگری دوست تھا لیکن سننے میں آیا تھا کہ اعتزاز کے قتل سے کافی عرصے پہلے ہی وہ ملک چھوڑ چکا تھا۔ اس معاملے میں میر سجاول کا کچھ تو تعلق تھا تبھی اعتزاز نے یہ کیسٹ اس قدر راز داری سے لاکر میں رکھی تھی۔ رفتہ رفتہ بدلتے منظروں میں بھی اس دوشیزہ کا دھندلا عکس میر سجاول کے ساتھ ساتھ ہی تھا۔ ان دونوں کے درمیان کسی تعلق کو سمجھنے کے لیے کسی پیش بندی کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں کی تنہا قربتیں ہی گواہ تھیں۔ اگلے چند منٹ کی فلم بندی میں دھندلے عکس والی دوشیزہ میر سجاول سے کٹی کٹی ہر سمت تنہا نظر آئی۔ بغیر آواز سائلنس فلم بھی اب دلچسپی بڑھا رہی تھی۔ میر سجاول اب منظر سے ہٹ گیا تھا اور اب اس کی جگہ اعتزاز بخاری نے لے لی تھی۔ دوشیزہ کی سنگت میں اعتزاز بخاری کے چہرے پر الوہی سی چمک تھی۔ جیسے اس کے اردگرد کوئی جذبہ محبت کے رنگ بکھرائے ہوئے ہو۔ لڑکی کے غیر واضح عکس نے جواد کو اس نہج پر سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ شاید اعتزاز کے قاتلوں میں سے یہ لڑکی بھی ہو۔ آہستہ آہستہ دھندلا عکس شفاف ہو رہا تھا۔ اردگرد مناظر پر بھی نکھار محسوس ہو رہا تھا اور پھر اسکرین پر جو چہرہ جگمگا رہا تھا اس نے جواد کی آنکھوں کو ہی نہیں چندھیایا بلکہ ذہن و دل کو سفید دھوئیں سے بھر دیا تھا۔ اسے کچھ بھی صحیح طرح نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کئی بار آنکھیں جھپکیں، سین ریوائنڈ کر کے اسٹل کیا، ایک بار پھر سکرین پر نظر جمائی، ذہن و دل میں پیدا ہونے والے خیالات کو جھٹکتے ہوئے اپنی بصارت کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ کوئی فریب، کوئی وہم، کوئی دھوکا کوئی گمان بھی نہ تھا۔ وہ بالکل ہوش و حواس میں تھا اور اسکرین پر اس کی آنکھوں کے سامنے وہی چہرہ، وہی پیکر جامد و ساکت تھا، اسے تو وہ بنا دیکھے پہچان سکتا تھا۔ یہی تو تھی جس نے جواد جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کے بھی حواسوں پر حکمرانی کی تھی۔ وہ حیران تھا وہ پہلے ان آنکھوں میں مچلتی چالاکی اور فریب کیوں نہ دیکھ سکا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں کیسی بے باکی تھی وہ کیوں نہ سمجھ سکا تھا۔ معصومیت کے لبادے میں لپٹی جفا جو اعتزاز کے اس قدر قریب تھی یہ شدید دھچکا اس کے وجود کی عمارت کو لرزہ گیا۔ بہت ضبط کے بعد اس نے باقی

حصہ دیکھا تھا۔ میر سجاول کے بعد اعتزاز کے ساتھ ہی اس کی حد سے تجاوز کرتی قربتیں اس کی غیرت پر کسی تازیانے کی طرح برسی تھیں۔ وہ جسے بالکل اَن چھوا اور پاکیزہ سمجھ کر اپنی قربتیں بخشنے اور اپنے سچے جذبوں کو اس کے نام کرنے کا حلفیہ اقرار کر چکا تھا اسے کسی اور کی بانہوں میں مچلتے پگھلتے دیکھنے کے بعد نفرت کا لاوا سا اس کے انگ انگ سے ابل پڑا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ خود کو دھوکا دینے والی ہستی کو ابھی جا کر شوٹ کر دے مگر اس کے ہاتھ بھی بندھے تھے اور خود بھی ابھی اس کے ذہن میں کشمکش باقی تھی۔ اس کے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت تو تھا لیکن معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اسے عقل سے کام لینا تھا اور اپنے ضبط کو بھی آزمانا تھا۔ زندگی اچانک اسے جس مقام پر لے آئی تھی وہاں اسے ثابت قدم بھی رہنا تھا۔ یقیناً یہی لڑکی دو دوستوں کے درمیان وجہ تنازع بنی ہوگی۔ جس نے نہ جانے ذاتی یا کسی اور کی ایما پر کسی بڑے فائدے کے لیے دو دوستوں کو بہ یک وقت دھوکا دیا اور..... اور پھر کسی ایک کو بھڑکا کر انتقام کی آگ لگا کر تماشائی بن گئی۔ اس کے ذہن نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔ اب یہ معلوم کرنا رہ جاتا تھا کہ میر سجاول شکار تھا یا شکاری۔ سائیلنس کیسٹ نے بھی کتنی کہانیاں سنا دی تھیں۔ ذہن و دل کو گرفت میں لینے والے احساسات کے طوفان کو اس نے بہ مشکل باہر آنے سے روکا تھا۔ کسی بھی حتمی فیصلے سے پہلے اپنے جذبات، اپنی حرکات کی بندش بہت ضروری تھی۔ جواد نے کچھ دیر تک خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ یہ لڑکی اس سے بھی پہلے شاید قانون کی مجرم ہے اسے آئندہ قانون کے دائرے میں رہ کر ہی ہر قدم اٹھانا ہو گا۔ وہ جب اپنے آفس سے اٹھا تو رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔ صدیوں کی تھکن اس کے وجود میں اُتر کر اسے نڈھال کر رہی تھی۔ اس کے قدموں میں آگے بڑھنے کی سکت جیسے کم ہوتے ہوتے ختم ہو رہی تھی۔ بہت مشکل سے وہ ڈرائیو کر کے گھر پہنچا تھا۔ گھر رات کی سیاہی کے باوجود خوشیوں کے چاند سے جگمگایا ہوا تھا مگر انہی جگمگاہٹوں نے تو اس کے ہر ایک جذبے کو خاکستر کر ڈالا تھا۔ اس کی رگوں میں خون کی جگہ اب نفرت زہر بن کر دوڑ رہی تھی۔ اس کے اٹھتے قدموں میں بھی اپنے عزائم کی طاقت بھرنے لگی تھی۔

☆======☆======☆

رشمان جذبوں اور رسموں کے بوجھ سے سمٹی انتظار کی گجر گزار رہی تھی۔ لمحے تھے کہ کٹ ہی نہیں رہے تھے۔ وقت جیسے تھم گیا تھا۔ آنکھوں میں ملن کی تڑپ، دید کی تمنا کے ساتھ نیند کا خمار بھی ہلکورے لے رہا تھا۔ بڑوں کی نصیحتوں اور سہیلیوں کی چھیڑ چھاڑ نے اسے اس رات کی خوبصورتی کا احساس دلایا تھا۔ اپنے احساسات اور جذبات کی یہ تبدیلی اس کے لیے خوش

کن تھی۔ انتظار کی لذت سے آشنائی کیف آگیں تھی۔ بھابی ثمور کے ذریعے جواد کے پیغام نے اسے جاگتے رہنے پر اکسایا تھا۔ آنکھیں جھپک جھپک کر خود کو بیدار رکھنے کی کوشش کرتے کرتے آخر وہ ہار کر نیم دراز ہوگئی تھی۔ بند آنکھوں میں ایک شبیہہ اُتری تھی اور پھر بہت سے خواب اس کے صحنِ دل میں خودرو پودوں کی طرح اُگنے لگے تھے۔ بلا کی معصومیت نے دلہاپے کو نکھار اور تازگی بخش رکھی تھی۔ روز پنک عروسی لباس کا سارا عکس وجود کے ساتھ چہرے پر بھی جھلملا رہا تھا۔

جواد جب اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بے خبر پڑی تھی۔ اس کا بے خبر پڑا حسن بھی قیامت خیز تھا۔ مقابل کو بے خود کرنے کے ہر ہتھیار سے لیس۔ لمحہ بھر کو تو جواد کو بھی اپنا عزم یاد نہ رہا تھا۔ اس کی چاہت میں دھلا پیکر، عروسی ملبوس میں ملفوف ہو کر بھی اسے ڈگمگانے کی سکت رکھتا تھا۔ جذبوں نے اپنے لیے سجے اس روپ کو دیکھ کر توبہ شکن انگڑائی لی تھی۔ دل بہکنے کے لیے جذبات کی تقلید کرنے جا ہی رہا تھا کہ عقل و خرد نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ کچھ لمحے پہلے بہک جانے والے جذبات شرمندہ و نادم سر نہوڑے دل کے کونے میں دبک کر رہ گئے تھے اور اس کی جگہ پھر سے اس کی نفرت، اس کے عزائم سر ابھار رہے تھے۔ جواد نے آگے قدم بڑھا کر اسے زبردست انداز میں جھنجھوڑ ڈالا۔

وہ جو نیند میں تھی اور آنکھوں میں خوابوں کی خوش رنگ دنیا سمیٹے ہوئے تھی، اپنے خوابوں کے بکھرنے پر ہڑبڑا سی گئی۔ جواد کی کمرے میں موجودگی کا احساس اسے شرم سے گلنار کر گیا۔ اپنی نیند اور بے خبری پر قدرے ملال بھی ہوا۔ ڈرتے ڈرتے پلکوں کی بھاری چلمنیں اٹھا کر اس نے دیکھنے کا حوصلہ کیا مگر جواد پر نظر پڑتے ہی اس کے احساسات جیسے جامد ہو گئے تھے۔ خون رنگ آنکھوں سے نکلتی چنگاریاں اور سختی سے بھنچے ہوئے جبڑے کسی انہونی کا پتا دے رہے تھے۔ ''میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔'' اس نے پلکیں جھپک کر اپنے جاگنے کا یقین کیا۔

''یہاں سے اٹھو اور چینج کر کے آؤ، مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔'' دھیمے لہجے کے باوجود اس کے لفظوں سے چنگھاڑتی نفرت چھپ نہیں رہی تھی۔

رشان بے یقین تھی۔ اب بھی اسے گمان تھا کہ کوئی مذاق ہوگا۔ ابھی وہ محبت کا امرت اس کے کانوں میں انڈیل کر اس کی روح میں سرشاری بھر دے گا۔

''سنا نہیں، اٹھو یہاں سے ذلیل عورت، تمہارا یہ بہروپ مجھے متاثر نہیں کر سکتا، میں تمہارا اصلی روپ دیکھ چکا ہوں۔'' جواد نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر پٹخنے کے سے انداز میں

اسے بیچ سے اتارا۔

حیرت رشان کی آنکھوں میں ہی نہیں وجود و ذہن میں بھی بھر گئی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب جو ابھی اس نے دیکھا، سنا، سہا تھا مذاق نہیں تھا، خواب نہیں تھا بلکہ بھیانک حقیقت تھی۔ جس کی اذیت ایک پل میں ہی اس کی نس نس میں اُتری تھی۔ آج تو وہ میٹھے وعدوں، محبت کے تحفوں اور ایقانِ وفا کی منتظر تھی۔ مگر اسے تو کانٹوں کی چبھن، درد کی سوغات عطا ہو رہی تھی کیوں؟ یہ سوال اس کے اندر تو مچل رہا تھا مگر نوکِ زباں تک لانے کی ہمت اس میں فی الحال تو مفقود تھی۔ جواد نے ایک بار پھر اسے دھکا دینے کے سے انداز میں آگے دھکیلا وہ بے دم ہوئی ٹانگوں پر لڑکھڑاتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ آنکھوں میں اپنی اس تذلیل پر مرچیں سی بھرنے لگی تھیں۔ جواد کا ناقابلِ فہم رویہ و انداز اس کے احساسات کو کچلنے لگا تھا۔ آنسو بھی آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔ صبح ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ اندر کی کھولن اور جلن اسے تلملائے دے رہی تھی۔ اپنی بے بسی پر وہ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس مختصر وقت میں اسے حساب کتاب بھی کرنا تھا اور اپنے گھر کی عزت بھی بچانی تھی۔ کمرے میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے اس نے دو تین بار ڈریسنگ روم کا دروازہ بھی دھڑ دھڑایا۔ اگلے چند لمحوں میں رشان روئی آنکھوں، سادے لباس اور حیرت و غم کی تصویر بنی واپس آئی تو جواد نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔ وہی چہرہ، وہی نقوش، وہی آنکھیں، بس تاثرات کا فرق تھا۔ وہ کس معصومیت سے مظلومیت کا اشتہار بنی اس کے سامنے تھی جب کہ وہ کچھ دیر پہلے اسی چہرے پر مکاری، عیاری کی چھاپ بھی دیکھ چکا تھا۔ نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے جواد نے اس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی۔ جیسے کسی تعفن سے خود کو بچایا ہو۔ اسے واقعی اس چہرے، اس وجود سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

''یہ..... یہ سب کیا ہے، میں نے کوئی جرم کیا ہے یا پھر.....'' بہت وقت سے اس نے حلق سے اپنی آواز کو نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کا اٹکتا بھیگتا لہجہ اس کی کیفیت کا غماز تھا۔

''جرم..... جرم تو تم اپنا خود ہی اگلو گی۔'' جواد نے اسے صوفے پر دھکیلا تو وہ گر سی گئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس ذلیل لڑکی کو اٹھا اٹھا کر پٹخ دے۔ جواد نے اسے سیدھا ہو کر بیٹھنے کی مہلت نہیں دی تھی۔ صوفے کی سیٹ پر پاؤں جما کر وہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر آگے کو جھکتا ہوا زہر خند لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ''اعتزاز بخاری کو کب سے جانتی ہو، کیا تعلق تھا اس سے۔''

''م..... میں کسی کو نہیں..... کون ہے یہ؟'' اس کے انداز اور سوال پر رشان نے اٹک

اٹک کر کہا۔ ذہن میں سوچا کہ شاید کسی نے بدظن کرنے کی کو کسی فرضی نام کا حوالہ دے کر اسے بھڑکایا تھا یا پھر تمی، گولڈی کی کوئی شرارت۔ اگر یہ ان کی شرارت تھی تو اسے بہت مہنگی پڑنے والی تھی۔ جواد کے تنے اعصاب مرنے مارنے کا احساس دلا رہے تھے۔ اس پر نہ جانے کس قسم کا الزام لگا تھا۔ وہ تو یہ نام ہی آج پہلی بار سن رہی تھی۔ کجا اس کی شخصیت سے واسطہ و تعلق۔

''تمہاری یہ اداکاری، تمہاری یہ مکاری، تمہارے عیبوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی نہ ہی تمہاری یہ ادائیں، مجھے خاموش کروا سکتی ہیں۔ شرافت سے بتا دو کہ اعتزاز اور میر سجاول کے ساتھ تعلقات رکھنے میں تمہارا کیا مفاد تھا ورنہ.....'' دانت بھینچ کر جیسے اس نے اپنے غصے و طیش کو جکڑا تھا۔

''آ.....آ.....پ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں کسی کو بھی نہیں جانتی۔ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو آپ کے علاوہ.....'' وہ اپنی صفائی کے لیے بہ مشکل اپنی ہمت جمع کر پائی تھی۔ اگلے ہی لمحے جواد کا زبردست طمانچہ اس کا رخسار ہی نہیں ذہن و دل بھی سلگا گیا۔

''یاد آیا یا پھر یاد دلاؤں۔'' جواد نے جھٹکے سے اس کا چہرہ سیدھا کیا۔

''میں نے کیا کیا ہے، خدا کے لیے مجھے یہ تو بتائیں میرا قصور کیا ہے۔ میں نے کیا گناہ کیا ہے، مجھ سے یہی سلوک کرنا تھا تو یہ بندھن، یہ رشتے باندھے بغیر بھی آپ ایسا کر سکتے تھے۔ آپ اتنے بااختیار تو ہیں پھر آپ نے اپنی محبت کا فریب کیوں دیا، کیوں یہ ڈھونگ رچایا، کیوں خود پر یہ ملمع چڑھایا تھا۔'' آخر اس کی برداشت جواب دے گئی اور وہ ہذیاتی انداز میں چیخنے لگی۔ اس کی چیخیں اب بھی گھٹی ہوئی تھیں۔ اس کے منہ پر ایک اور تھپڑ پڑا۔

''یہاں تمہاری آواز بھی نہیں نکلنی چاہیے ورنہ..... یاد رکھو یہ میرا گھر ہے اور تم سمجھو میری حراست میں ہو۔ تم اور تمہارے ساتھی اب بچ نہیں سکتے۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ شرافت سے بتا دو کس کی خاطر کس کے کہنے پر کام کرتی ہو۔''

''میں نے کیا کیا ہے؟ ماما کو بلائیں آنٹی سے کہیں مجھے گھر جانا ہے، مجھے گھر چھوڑ کر آئیں۔'' سسکیاں لبوں کے اندر ہی دم توڑنے لگی تھیں۔ پھر بھی وہ ہمت سے فریاد کناں تھی۔

''گھر.....؟ اونہہ بھول جاؤ کہ تمہارا کوئی گھر بھی تھا۔ تم نے شاید سنا نہیں تم اب میری حراست میں ہو، جب تک تم سچ سچ نہیں بتا دیتیں تم کسی سے مل بھی نہیں سکتی ہو، تم نے سوچا ہو گا تم آسانی سے میری اور میرے خاندان کی عزت نیلام کر کے چلتی بنو گی تو یہ تمہاری بھول ہے، اگر تم اپنی ماں اور باقی لوگوں کو جیل میں نہیں دیکھنا چاہتیں تو اپنا مقصد اپنی سچائی بتا دو ورنہ دوسری صورت میں تمہیں وہ اذیت دوں گا کہ تم عمر بھر یاد رکھو گی۔'' جواد نے اس کے بال

کھینچ کر اس کا چہرہ تھوڑا اونچا کر کے اپنی تمام تر نفرت و حقارت اس پر انڈیلی۔

''آپ مجھ پر بہتان لگا رہے ہیں، میں کسی کو نہیں جانتی ہوں۔'' وہ اسے یقین دلانے کے لیے پھر سے چیخی۔

''شٹ اَپ۔'' ایک ٹھوکر اس کے پہلو میں رسید کر کے وہ سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے پھنکارتے لہجے میں اسے دھمکانے لگا۔ ''سنو میں تمہیں تھوڑی سی مہلت دے رہا ہوں، اچھی طرح سوچ سمجھ لو، سچ بولو گی تو تمہاری ہی بچت ہو گی ورنہ پھر بعد کے نتائج کی تم خود ذمے دار ہو اور سنو! کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی مت کرنا ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ اس دلدل میں اُترنے سے پہلے تمہیں اس بات کا تو اچھی طرح علم ہو گا ناں کہ قتل کرنے کے جرم میں قانون سزائے موت دیتا ہے۔''

رشان اس کے سنگین لہجے پر خوف زدہ سی اسے دیکھ اور سن رہی تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ قتل، جرم، قانون، کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی دل و ذہن میں آنے والے اذیت ناک لمحوں سے ہراساں ہو کر وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر ہی بے سدھ ہو گئی۔

جواد تنے اعصاب کے ساتھ باتھ روم میں گھس گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آ کر اپنے بیڈ پر نیم دراز ہو کر آنکھیں موندیں مگر ذہن مسلسل سلگ رہا تھا اور دل تڑپ رہا تھا۔ سوچوں کا لامتناہی سلسلہ اس کے اضطراب کو بڑھا رہا تھا۔ یہ سب جو اس نے دیکھا تھا۔ وہ کوئی جھوٹ اور فریب نہیں تھا۔ ایسا ہو سکتا تھا مگر رشان جیسی معصوم لڑکی میں اس قدر پیچ و خم ہوں گے دل نہیں مان رہا تھا لیکن اس وقت اسے اپنے دل سے زیادہ ذہن پر یقین ہونے کا خیال تھا۔ ذہن نے حقائق و ثبوت دیکھ کر اپنی رائے دی تھی۔ ایسا ہو سکتا تھا، ویڈیو کیسٹ میں اپنی بیباکیوں کے مظاہرے کرتی ہستی سو فیصد رشان ہی تھی۔ اپنی عمر کی معصومیت کو خود عریاں کرتی، اپنے حسن کا خراج وصولتی وہی تھی۔ آج کل معاشرے میں اخلاقیات جس تیزی سے تنزل پذیر تھیں، وہاں اس قسم کی باتیں اور مظاہرے اچنبھے کی بات نہیں تھی لیکن سوال تو یہی تھا کہ رشان اس راستے پر کس طرح اور کن کے ساتھ گئی۔ گولڈی اور تمی کے ساتھ اس کی دوستی چند ایک سال پرانی تھی۔ اس عرصے میں اس نے ان تینوں میں کوئی قابلِ گرفت بات نہیں دیکھی تھی۔ مگر رشان پھر بھی کہیں ٹریپ ہوئی تھی۔ شاید اس سب میں زیادہ قصور بدلتے ماحول کا تھا۔ خواہشات، ترجیحات کو بڑھاوا دینے میں زیادہ عمل دخل معاشرے کی رگوں میں پھیلتے سیٹلائٹ چینلز کا زہر تھا جس نے معصوم ذہنوں کی معصومیت کو چاٹ کر انہیں جذباتی فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب ہمارا سسٹم معصوم بچوں کے ہاتھوں سے کتاب چھین کر

ہتھیار تھما چکا ہے تو پھر نوعمر و نوخیز لڑکیوں کو ان کی خواہشات کے جال میں کیوں نہیں جکڑ سکتا۔ یہ بات تو مسلم تھی کہ رشمان کو سوچ سمجھ کر اس ماحول میں کھینچا گیا ہے اس کے پیچھے اور اس کے کھینچنے والا ہاتھ بھی، جواد تک رسائی کی کوشش میں رشمان کو استعمال کر رہا ہے۔ یہ بات ابھی تک الجھن کا باعث تھی کہ رشمان کو استعمال کیا جا رہا ہے یا پھر وہ اپنی رضامندی سے اس سارے کھیل میں مہرہ بنی ہے۔ یہ جاننے کے لیے اسے رشمان کے ساتھ کیسا بھی سلوک کرنا پڑتا وہ کر سکتا تھا۔ اپنی محبت اپنے سچے جذبوں اور جنونِ عشق کی توہین کے احساس کے باوجود اپنے فرض کی ادائیگی کو ایمان داری اور غیر جانب داری سے پورا کرنے کی لگن کے ساتھ اس نے مصمم ارادہ کیا کہ ہر حال میں وہ رشمان سے سچ اگلوا کے رہے گا۔ صبح ہونے میں جو تھوڑا وقت بچا تھا جواد نے وہ بھی سلگتے ہوئے گزار دیا۔ نیند آنکھوں سے جیسے روٹھ گئی تھی۔ اٹھتے ہوئے اس نے بہت سرد نظروں سے صوفے پر پڑے وجود کو دیکھا۔ بکھرے الجھے حلیے میں بے حس و حرکت پڑا ڈھیر کسی بھی انسان کو موم کرنے کے لیے کافی تھا مگر جواد کے پتھریلے ارادوں میں مزید مضبوطی آ گئی۔ اسی معصومیت نے اسے لوٹا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ لوگوں کو پہلی نظر میں پہچان لیتا ہے کہ ان کے اندر کتنا جھوٹ اور کتنا سچ ہے مگر رشمان کے معاملے میں وہ کیسے دھوکا کھا گیا تھا۔ شاید محبت کے اندھے پن میں اس کے جذبوں نے اسے پہلے قدم پر ہی لڑکھڑا کر گرا دیا تھا۔

مؤذن کی سحر انگیز پکار پر وہ ہڑبڑا کر فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ صبح سب کا سامنا کرنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ یہ سوچ ہی اسے پریشان کر رہی تھی کہ وہ کیسے بتائے گا کہ جس ہستی کو وہ اپنی محبتوں کے حصار میں لے کر آئے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ وہ کس قماش کی ہے، اس نے صرف جواد کو ہی نہیں سب کو دھوکا دیا ہے اور اب بھی نہ جانے کس منصوبے کے تحت وہ ان میں شامل ہوئی ہے۔ کیا وہ یہ سب انہیں بتانے کا حوصلہ رکھتا تھا یا پھر وہ سب سہنے کی سکت رکھتے تھے۔ نہیں، اسے یقین تھا کوئی بھی یہ دکھ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ اسے سب کو بتانے سے پہلے رشمان کا اصلی چہرہ دکھانے سے پہلے خود اس سے حساب کتاب کرنا تھا اور اس کے لیے یہاں ٹھہر کر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ رشمان کی موجودگی میں اپنی نفرت اپنا جنون چھپا نہیں سکتا تھا اور نہ ہی ابھی کسی کو کچھ بتانے کے لیے اس کے پاس مناسب الفاظ تھے اور خود کو سب کے سامنے مطمئن و پُرسکون رکھنا اس سے بھی زیادہ کٹھن تھا۔ اس مشکل کا اس کے پاس ایک ہی حل تھا۔ اچھی طرح سوچ کر اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا رشمان سمیت۔ ابھی وہ رشمان کو باقاعدہ حراست میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ ثبوت ملنے کے بعد ہی وہ کارروائی کر سکتا

تھا۔ سو اس کی خفیہ رہائش کا انتظام کرنے کے لیے اس نے ایک جگہ فون کرنے کے بعد گھر والوں کے اطمینان کے لیے چند لائنیں گھسیٹیں اور فون سیٹ کے نیچے کاغذ رکھ کر وہ رشمان کی طرف بڑھا جس کے بکھرے بالوں کی گھٹاؤں نے اسے مزید جلا کر راکھ کر دیا۔ ایک خیال دل میں اُبھرا کہ ان گھٹاؤں کی چھاؤں تلے اعتزاز اور میر سجاول کی شامیں بھی گزری تھیں۔ اس کے انہی بکھرے سیاہ بالوں کو ہاتھوں سے پکڑ کر زبردست جھٹکا دے کر اٹھانے کی کوشش کی، کئی بال ٹوٹ کر اس کی انگلیوں سے بھی لپٹے، تکلیف سے ایک کراہ بلند ہوئی اور اس نے درد کے احساس سے فوراً ہی بوجھل ہوتی آنکھوں کو کھولا، حالات کو سمجھنے کے لیے ذہن پر زور ڈالا۔ اپنے قریب کھڑے ظالم شخص کو دیکھ کر اسے اپنے اوپر ٹوٹنے والی قیامت یاد آئی تو وہ لرزنے لگی۔ آنسو ڈھلک کر تیزی سے گالوں پر پھسلنے لگے۔

''ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اٹھو اور میری باتیں کان کھول کر سنو۔'' جواد کی کرخت آواز نے اس کی سماعت کو ہی نہیں روح کو بھی جیسے زخمی کر دیا تھا۔

''یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔'' آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ اس کے دوبارہ کہنے سے پہلے ہی رشمان نے خود کو بہ دقت سنبھالا اور سیدھی ہو بیٹھی۔ جوڑ جوڑ درد سے دکھ رہا تھا مگر اس کا خوف ہر تکلیف پر حاوی تھا اگر وہ چند گھنٹوں پہلے والا سلوک پھر شروع کر دیتا تو وہ کیسے سہہ پاتی۔ اسے آج تک کسی نے چھوا بھی نہیں تھا۔

''سنو اگر تمہیں اپنی ماں اور بھائی کی عزت کا ذرا سا بھی پاس ہے اور تم ان سب کی نظروں سے گرنا نہیں چاہتیں تو مجھے بتا دو کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور کس کے لیے کیا ہے اگر تم سچ کہو گی تو شاید تمہارے ساتھ کوئی رعایت برتی جا سکے ورنہ مجھے مجبوراً تمہاری ماں اور بھائی کو بھی جا کر اریسٹ کرنا پڑے گا۔''

''آ..... پ ایسا کیوں کر رہے ہیں، بخدا میں نے کوئی جرم نہیں کیا، میں کسی کو بھی نہیں جانتی۔ اس گھر کے علاوہ تو میں کہیں بھی نہیں جاتی تھی۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' رشمان ایک بار پھر سسکیوں سے رونے لگی۔

''شٹ اَپ۔'' جواد نے لب بھینچ کر اپنی آواز کی چنگھاڑ کو روکا اور ساتھ ہی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کے سسکیاں بھرتے منہ کو پکڑ کر بند کرنے کی کوشش کی۔ ''میرے ساتھ ڈراما مت کرو، تم کس قدر شاطر ہو اس کا اندازہ مجھے ہو رہا ہے۔ مگر تمہیں میرے بارے میں صحیح اندازہ نہیں ہو گا۔ میں تو تمہاری ہڈیوں میں سے سچ نکلوا لوں گا، اٹھو یہاں سے یہاں تمہارا کوئی مقام نہیں ہے۔''

بے یقینی سے اٹھتی نگاہیں کرخت و سنجیدہ چہرے پر لمحے بھر کو ٹھہر کر پلٹ گئیں۔ وہاں گزشتہ کیے گئے اقرار محبت اور بخشے گئے ایقان وفا کا شائبہ تک نہ تھا۔ رشان کی دنیا اندھیر ہونے لگی۔ سب کچھ اس طرح ہوگا اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

''سنا نہیں اٹھو، میں اپنے گھر پر کوئی تماشا نہیں چاہتا، تم جیسی بے غیرت لڑکیوں کا جو مقام ہوتا ہے، تمہیں وہیں رکھوں گا اور میری یہ بات یاد رکھو۔ اب تم کوئی کھیل نہیں کھیل سکو گی اگر تم نے مجھ سے چالاکی کرنے کی کوشش کی تو تمہارے باعزت گھرانے کو اسی وقت لاک اپ میں بند کر دوں گا انڈر اسٹینڈ۔'' اس کی رگوں میں برف اتارتا سنگین لہجہ اس کے اندر اٹھتے احتجاجی سوالوں کو بے موت مار گیا۔

''خدا کے لیے ایسا مت کریں۔ میں نے کچھ نہیں کیا، مجھے یہیں رہنے دیں۔ آپ کو یقیناً کسی نے ورغلایا ہے۔ آپ گولڈی، تمی سے پوچھ لیں میرے دن رات ان کے سامنے تھے۔''

''اونہہ انہیں کیا خبر کہ تمہارے معصوم چہرے کے پیچھے کتنا گھناؤنا روپ چھپا ہے۔ وہ تمہارا اصل چہرہ کیسے پہچان سکتے تھے انہیں تو تم نے چارے کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ تم مجھ تک پہنچ سکو۔ انہیں کیا معلوم ہوگا کہ ان سے دوستی کے علاوہ تم نے کس کس کو اپنی اداؤں کے جال میں پھنسایا ہے۔ تم اٹھ رہی ہو یا زبردستی کروں میں تمہارے ساتھ۔'' اس کے بھینچے ہوئے لبوں سے برآمد ہوتی گھٹی گھٹی آواز بھی اس کے اندر ابلتے اشتعال کی غماز تھی اس کے سفاکانہ رویے پر رشان کا دل لہولہو ہو گیا۔ سارے رُو پہلے جذبات تڑپ تڑپ کر دم توڑ گئے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں آ گئی ہے جو بہت بھیانک اور اندھیری تھی۔ جواد کی تنبیہہ پر وہ مُردہ قدموں سے ہی زمین پر کھڑی ہونے کی کوشش کرنے لگی مگر لڑکھڑا گئی اور اسے سہارا دینے والا کوئی ہاتھ نہ تھا وہ خود ہی سنبھلی اور پھر آخری کوشش کے طور پر جواد کے پیچھے ڈریسنگ روم میں گئی۔ جہاں جواد کھڑا اس کی وہ تصویریں پھاڑ رہا تھا جو اس نے گولڈی سے لی تھیں۔ پھر اس نے اسی شدت نفرت بھرے انداز میں تصویروں کے ٹکڑے لے جا کر واش روم میں بہا دیئے۔ حالات کی سنگینی کسی زہریلے ناگ کی طرح اس کے تن بدن میں رینگنے لگی۔ اس قدر شدید نفرت کا احساس رشان کو مارنے کے لیے کافی تھا کچھ کہنے پوچھنے کی ہمت بھی جیسے ختم ہو گئی۔ وہ اس وقت بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔ چادر لینے کے لیے اس نے ہمت کر کے اپنی وارڈ روب کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تبھی جواد کی کڑکتی آواز نے اسے پھر سہما دیا۔ اسے اپنا کوئی قصور کوئی جرم یاد نہیں تھا جو جواد کی بدگمانی کا باعث ہو۔ نہ جانے جواد کو اس کے بارے میں کسی نے اور کیا بتایا تھا جو وہ مجرم کہلائی جا رہی تھی۔

''ابھی تم یہاں سے کچھ بھی نہیں لے جا سکتی ہو۔ اعتراف جرم کے بعد تمہارا سامان تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔''

''میں نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ اس طرح بی ہیو کر رہے ہیں۔ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ میں کس بات کا اعتراف کروں۔ آپ میرا جرم ثابت کر دیں پھر میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں مگر اس طرح۔'' وہ وارڈ روب کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی اور پھر بہت ہمت سے دل میں مچلتے سوال کو آواز دی۔

''ثبوت؟ تم خود اپنے خلاف بہت بڑا ثبوت ہو، جسے تم جھٹلا نہیں سکتیں۔ اب شرافت سے یہاں سے چلو میرے صبر کو نہ آزماؤ، اس سے پہلے کہ سب اٹھ جائیں اور تمہاری اصلیت جان کر انہیں کوئی صدمہ پہنچے۔ میں نہیں چاہتا کہ جس اذیت سے میں گزر رہا ہوں وہ بھی اس سے دو چار ہو جائیں۔ پہلے میں تمہیں تمہارا اصلی چہرہ دکھا دوں پھر انہیں بھی تمہارا گھناؤنا روپ دکھا دوں گا، کم ان ہری اَپ۔'' جواد نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ کر اسے آگے کو دھکیلا تو بے بسی کے شدید احساس تلے دبی آنسو بہاتی ہوئی اپنے پیروں کو گھسیٹنے لگی۔ ایک رات کی بیاہی دلہن جس کے ارمان و خواب سبھی اَن چھوئے تھے۔ اب اجڑی حالت، برہنہ سر لیے لٹی پٹی سی اس کے آگے چل رہی تھی۔ جواد کو اس کا برہنہ سر برا لگا تھا یا پھر واقعی اس کی حالتِ زار پر ترس آ گیا تھا۔ الٹے قدموں اندر گیا اور پھر الماری سے سیاہ اجرک کھینچ کر نکالی۔ پھر لا کر اس کے سر پر ڈال دی۔

''بدقسمتی سے ابھی تم میری منکوحہ ہو، تمہیں تو عزت و ناموس کے معنی بھی معلوم نہیں ہوں گے مگر مجھے اپنی عزت بہت پیاری ہے۔''

رشان کو اس کی اتنی کرم فرمائی ہی غنیمت لگی۔ چادر سے اپنے زخم زخم وجود کو لپیٹے ہوئے اس نے ابل پڑنے والی چیخوں، سسکیوں کو ہاتھ رکھ کر روکنے کی کوشش کی۔ کل جس گھر میں وہ ہزاروں خوشیوں کی تتلیوں کو اپنی مٹھی میں بند کر کے لائی تھی۔ آج ان رنگوں کے انمٹ داغوں کا کرب لے کر یہاں سے نکلنے پر مجبور ہو رہی تھی۔ اس گھر کو اس طرح چھوڑنا اسے کٹھن ہی نہیں عذاب بھی نظر آ رہا تھا۔ سارا گھر خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس وقت کوئی بھی اس کا مددگار نہ تھا۔ صبح کا ملگجا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سڑکیں خالی خالی سی تھیں۔ کوئی اکا دکا گاڑی کی آواز سکوت کو چیر دیتی تھی اور اسی طرح رشان کی کوئی سسکی ماحول میں ارتعاش پیدا کر دیتی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا اس خوف نے اسے نیم مُردہ کر دیا تھا اور اس پر مستزاد جواد کی بے حسی جو مہیب خاموشی کے ساتھ تیزی سے گاڑی منزل کی طرف بڑھا رہا

تھا۔ گاڑی صبر آزما وقت کے کٹنے کے بعد ایک عمارت کے احاطے میں رکی تو رشان کی سانسیں بھی رکنے لگیں۔ باوردی پولیس اہلکار مستعدی سے جواد کی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جواد خود ہی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا پھر اس کی بلند رعب دار آواز رشان کی سماعتوں کو چیرتی ہوئی گونجنے لگی۔ ''انسپکٹر فضہ انصاری سے کہیں، مجھے اہم کام ہے جلدی سے آئیں۔''

اُف میرے خدایا تو یہ سب کوئی خواب، کوئی مذاق نہیں ہے۔ جواد سچ مچ مجھے کسی جیل لے آئے ہیں کیا اب میں پولیس کی حراست میں ہوں۔ میری ماما کو علم ہوگا تو..... نہیں وہ تو خود بھی مر جائیں گی اور مجھے بھی..... رشان کے رہے سہے حواس بھی ساتھ چھوڑ گئے اور وہ وہیں سیٹ پر بے ہوش ہو کر ڈھے سی گئی۔ اپنا انجام، اپنی ذلت ورسوائی، اس سے زیادہ اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

چند لمحوں بعد ہی اونچی لمبی، اپنے عہدے کے رعب پر پوری اُترتی انسپکٹر فضہ انصاری جواد کے سامنے تھی۔

''مس انصاری، آپ کے پاس ایک مہمان لے کر آیا ہوں، تواضع میں کوئی کوتاہی نہیں ہونا چاہیے۔'' جواد کے لہجے کی کرختگی ابھی بھی کم نہ ہوئی تھی۔

''ڈونٹ وری سر، کیس کیا ہے؟''

''آپ کو ساری انفارمیشن مل جائیں گی، فی الحال آپ اسے لے جائیں، رشان باہر آؤ۔''

رشان اپنے ہوش میں ہوتی تو اسے سنتی۔

''سنا نہیں، باہر آؤ کم آن۔'' اس بار جواد نے کھڑکی پر جھک کر پھر اسی انداز میں پکارا۔ رشان کا سر سیٹ سے ڈھلکا ہوا تھا۔ لمحے بھر کو جواد کا دل بے چینی سے دھڑکا چہرے کا رنگ بھی متغیر ہوا لیکن پھر اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال چکا تھا، پیچھے ہٹ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور پھر اسے گھسیٹتے ہوئے باہر نکالا۔ بے حس وحرکت نسوانی وجود دیکھ کر فضہ انصاری بھی قریب آ گئی۔

''سر شاید یہ تو بے ہوش ہو چکی ہے۔''

جواد نے سر ہلانے پر اکتفا کیا اور پھر اسے بازوؤں میں اٹھایا حالانکہ فضہ لیڈی کانسٹیبل کو آواز دے چکی تھی، مگر اس نے منع کر دیا۔

''ڈونٹ وری میں خود اسے پہنچا دیتا ہوں۔ فی الحال یہ میری ذات وحیات کا بار ہے۔''

فضہ نے کافی الجھی نظروں سے اپنے سے عہدے میں بڑے جواد اسامہ کو دیکھا اور ذہن میں کئی سوچیں گڈمڈ ہونے لگی تھیں۔ ابھی وہ کسی قسم کی خیال آرائی نہیں کر سکتی تھی۔ جواد

اس کی تقلید میں نیم تاریک کمرے میں داخل ہوا۔ پھر اسے فرش پر ہی پٹخنے کے سے انداز میں ڈال کر سیدھا ہو کر اس سے مخاطب ہوا۔ ''مس انصاری یہ جیسے ہی ہوش میں آئے مجھے میرے آفس میں فون کر دینا بلکہ میرے موبائل پر۔'' کمرے سے باہر آتے ہوئے اس نے فضہ انصاری کو ہدایت دی۔

''آفس میں؟ آج آپ اپنے گھر پر نہیں ہوں گے؟ آج آپ کے ولیمے کا ریسپشن ہے نا۔'' فضہ انصاری نے دل میں آئی بات فوراً کہی۔

''وہ ریسپشن کینسل ہے۔ فی الحال میرے لیے یہ کیس اہم ہے۔ یہ لڑکی ایک قتل کے معاملے میں ملوث ہے۔ اس لڑکی کو آپ کے پاس لانے کا مقصد یہی ہے کہ ابھی اس کے بارے میں کسی کو بھی علم نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ہی اس لڑکی کی کسی بات پر یقین کرنا ہے۔ ابھی انویسٹی گیشن ہو رہی ہے، پھر اس کے بارے میں آپ کو مزید ہدایت دی جائیں گی۔'' جواد نے اپنے الجھے بکھرے بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے اس بار قدرے اطمینان وتحمل سے بات کی۔

''او کے سر، آپ اعتماد رکھیں۔'' جواباً جواد نے اپنی تھکی تھکی مسکراہٹ کا مظاہرہ کیا اور وہاں سے نکل آیا۔ اس کے ذہن میں پھر سے اعتزاز کے لاکر سے ملنے والی چیزیں گردش کر رہی تھیں۔

☆======☆======☆

''تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔'' بھابی شمور حسب پروگرام انہیں جگانے آئیں تو گولڈی اور تمی کو ان کے دروازے کے پاس کھڑے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''وہ مما ہم رشی سے ملنے.....'' گولڈی ماں کی خشمگیں نگاہوں سے گھبرا کر چپ ہو گئی۔

''ابھی یہاں تم لوگوں کا کوئی کام نہیں ہے، جاؤ یہاں سے۔''

''مما ہمیں چاچو سے بھی کام ہے۔ انہوں نے کل ایک وعدہ کیا تھا مگر رات کو وہ ڈاج دے کر چلے گئے تھے۔'' تمی نے ہمت کر کے کہنے کی کوشش کی لیکن ساتھ ہی ڈرنے کی ایکٹنگ بھی کر رہا تھا۔

''یہ کوئی موقع ہے، اپنا حساب کتاب بعد میں کرنا، ابھی وہ سو رہے ہوں گے مجھے رشی کو جگانا ہے، تم دونوں واپس جاؤ ابھی یہاں جمگھٹا لگ جائے گا۔''

''مما ہم رشی کو جگا لیتے ہیں، آخر وہ ہماری دوست بھی ہے۔'' گولڈی نے منہ کھولا مگر اسے ڈانٹ پڑ گئی۔

''تم جا رہی ہو یا ایک لگاؤں تمہیں۔ اصل میں جواد نے تم دونوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔ آج بات کروں گی اس سے کہ انہیں حد میں رکھے۔ کسی بات کو سمجھتے ہی نہیں اور تیمور تم اب بچے تو نہیں رہے جاؤ جا کر اپنے پاپا کی بات سنو۔'' ماں کی ڈپٹ پر دونوں پیچھے ہٹ گئے تھے مگر واپس نہیں گئے۔ بھابی نے دو تین بار دروازے پر دستک دی۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی کھل گیا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اندر داخل ہو گئیں۔

''اب دیکھنا مما رشی کو منع کر دیں گی کہ گولڈی کو کچھ مت بتانا۔ ویسے تو وہ خود بہت گھنی ہے۔ آج تک مجھے نہیں بتایا کہ چاچو نے کب لائن ماری تھی۔'' گولڈی کا مزاج کچھ زیادہ ہی بگڑا ہوا تھا۔

''رئیلی؟ ڈونٹ وری میرے پاس ایک ٹرک ہے وہ فوراً بتا دے گی کہ چاچو نے اسے کیا گفٹ کیا ہے۔'' تمی اور گولڈی دیوار کے پاس کھڑے تھے۔ دونوں اس وقت بہن بھائی کم اور سہیلیاں زیادہ لگ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ گولڈی مزید گوہر افشانی کرتی ان کی مما کچھ گھبرائی، کچھ بوکھلائی ہوئی سی واپس آتی دکھائی دیں۔

''کیا بات ہے مما، چاچو نہیں ہیں ناں۔'' تمی نے خاصے اطمینان سے استفسار کیا۔

''وہ دونوں ہی نہیں ہیں۔ اماں جانی کیا سوچیں گی کہ..... اور مہمان، جواد کبھی نہیں سدھرے گا۔ اسے ذرا خیال ہی نہیں کہ شادی کے بعد شوہر کی ہر خامی کا الزام بے چاری بیوی پر رکھا جاتا ہے۔ یہاں تو پہلے ہی پسند کی شادی پر ہر کسی کا منہ بنا ہوا ہے۔'' اپنی پریشانی اور گھبراہٹ میں وہ اپنے بچوں کے سامنے وہ سب بھی کہہ گئیں جن سے انہیں بے خبر رکھا گیا تھا۔ گولڈی بھی دونوں کے نہ ہونے پر کچھ فکر مند دکھائی دے رہی تھی۔

''مما آپ ایسے ہی پریشان ہو رہی ہیں، ہو سکتا ہے چاچو یہیں ہوں بیسمنٹ میں نہ چلے گئے ہوں۔ آپ کو معلوم تو ہے انہیں بھی ہمیں تنگ کرنے کی عادت ہے۔'' تمی کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو، تمی دیکھ ذرا آج تو میں اس کی وہ خبر لوں گی کہ.....''

''افوہ مما اس قدر پریشان ہونے والی کیا بات ہے رات کو لیٹ آئے ہوں گے، انہیں معلوم تھا یہاں تو سورج چاچا کے آتے ہی سب انہیں پریشان کرنے آ جائیں گے۔ اچھا آئیں ان کے روم سے میں ان کے موبائل پر رنگ کرتا ہوں۔'' تمی دوبارہ ان کے ساتھ جواد کے کمرے میں داخل ہوا۔ گولڈی نے بچوں کی طرح اِدھر اُدھر پردوں کے پیچھے تاکا جھانکی شروع کر دی۔ بھابی جان بھی اب کچھ تسلی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بیڈ کے قریب

آئیں تو بستر پر ٹوٹی بکھری رشمان کی کانچ کی چوڑیاں دیکھ کر کسی خیال کے آتے ہی مسکرا اٹھیں۔ پھر ان کا رخ ان کے ڈریسنگ روم کی طرف ہوا، جہاں عروسی جوڑے سمیت تمام زیورات اور دیگر سامان پڑا تھا۔ تیمور کی پکار نے انہیں باقی جائزہ لینے سے روکا۔ تیمور ہاتھ میں کاغذ کا پرزہ لیے پریشان سا کھڑا تھا۔ ان کا ماتھا ٹھنکا۔

''ک..... کیا ہے یہ تمی۔''

''چاچو واقعی چلے گئے ہیں، ہم سے ملے بغیر، آنے دیں ذرا۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم۔'' انہیں جیسے یقین نہ آیا۔

''وہی جو اس پُرزے نے اطلاع دی ہے۔''

''رشی بھی ساتھ گئی ہے؟''

''کیا..... کہاں لے گئے ہیں وہ رشی کو اور کیوں؟'' گولڈی نے بے چینی سے تمی کے ہاتھ سے خط چھینا اور پڑھنے لگی۔

''بھابی جان، السلام علیکم!

یہ خط یقین ہے سب سے پہلے آپ ہی پڑھیں گی اس لیے آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔ ارجنٹ کام کی وجہ سے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔ رشمان بھی ساتھ ہی ہے آپ لوگ پریشان مت ہونا۔ فارغ ہوتے ہی آ جاؤں گا۔'' اس مختصر خط نے بھی ان کی تشفی کر دی تھی ورنہ تو نہ جانے کیا کیا خیال ذہن میں آ رہے تھے۔

''آہ..... او خدایا میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ نہ جانے دونوں کدھر چلے گئے ہیں۔ ایسی بھی کیا ایمرجنسی تھی بندہ گھر والوں سے مل ملا کر جاتا ہے اور رشی کا تو سامان بھی جوں کا توں پڑا ہے۔ نہ جانے کیا کرے گا یہ لڑکا۔'' اب انہیں ایک اور فکر لاحق تھی۔

''رشی کو تنگ کریں گے اور کیا کریں گے آپ کے یہ لڑکے۔ میں اسی لیے نہیں چاہتی تھی کہ میری کسی فرینڈ کی شادی چاچو کے ساتھ ہو۔ انہیں اپنی ارجنٹ ڈیوٹیز ہی بھگتانی تھیں تو شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' گولڈی کا موڈ سخت خراب تھا۔ اسے رشمان کی درگت تصور میں ہی نظر آ رہی تھی کہ چاچو کے رعب کے سامنے بھیگی بلی بن کر بیٹھی ہو گی۔

''تم اپنی صحت پر اثر مت لو، جواد کو کیا مجبوری تھی یہ وہی زیادہ بہتر جانتا ہے، کم از کم اتنا تو اسے احساس تھا کہ بیوی کو یہاں چھوڑ کر نہیں گیا ورنہ اس پر بھی تمہیں ہی سب سے زیادہ شکایت ہوتی۔ اچھا ہے، اسی بہانے ان کا ہنی مون بھی ہو جائے گا۔'' بھابی ثمور نے بیٹی کو پیار سے سمجھایا۔

''اونہہ، ہنی مون۔ وہ بھی پہنے ہوئے ایک جوڑے کے ساتھ، چاچو لے جا کر اسے ڈال دیں گے ایک طرف اور خود کسی قاتل کے سراغ میں نکل کھڑے ہوں گے۔ روتی رہے گی بے چاری رشی۔'' گولڈی کو مسلسل رشی کی فکر تھی، اس کی تنہائی کا غم تھا۔ سب سے زیادہ رونا تو اپنے پروگرامز خراب ہونے کا تھا۔ مل کر سیر سپاٹے کرنے تھے، دعوتیں اُڑانی تھیں اور پھر رزلٹ بھی آنے والا تھا۔

''گولڈی اب غم کھانے سے کیا حاصل، آئیں گے تو چاچو سے دو دو ہاتھ کریں گے دونوں، چلو آؤ سو جاؤ، فضول میں اپنی نیند خراب کی۔'' تمی روہانسی ہوتی گولڈی کو بازو سے تھام کر باہر لے گیا۔ بھابی ثمور نے بھی آ کر اماں جانی کو سارا معاملہ بتایا تو وہ بھڑک اٹھیں۔

''اور کتنی من مانی کرے گا یہ لڑکا۔ اسے ہمارا یا ہماری خوشیوں کا کوئی احساس نہیں۔ کیا جواب دیں گے ہم دلہن کے گھر والوں کو ولیمہ کیا دولہا، دلہن کے بغیر ہوگا۔''

''وہ اماں جان اس نے اپنی مجبوری لکھی ہے شاید ابھی فون بھی کرے گا۔'' بھابی ثمور نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''بھاڑ میں جائے مجبوری، بھٹ پڑے وہ سونا جو کانوں کو کھائے، نہیں چاہیے ایسی افسری، غضب خدا کا ایک رات کی دلہن کو صرف دو کپڑوں میں لے کر چلتا بنا، نہ اجازت نہ اطلاع، نہ سلام نہ دعا، آ لینے دو ایسے لتے لوں گی کہ کانوں کے کیڑے جھڑ جائیں گے، آئندہ من مانی کرنا بھول جائے گا۔'' ان کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔

''اماں جانی آپ کا غصہ جائز ہے مگر اس سارے معاملے میں رشی کیا کر سکتی تھی، اسے تو جواد کی ہی بات ماننا پڑی ہوگی۔''

''میں بچی کو تو کوئی الزام نہیں دے رہی، جانتی ہوں اپنے بیٹے کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ کس قدر ضدی اور ہٹ دھرم ہو گیا ہے۔ اپنی افسری کے رعب میں رکھتا ہے سب کو، بہر حال بچی ساتھ خیریت سے واپس آئے تو اسے سمجھا دینا کہ اس کے فضول رعب میں مت آئے، اس گھر میں اپنی اہمیت سمجھے بھی اور سمجھائے بھی۔ یہی دن مرد سے اپنا حق منوانے کے ہوتے ہیں ورنہ ساری عمر خواری میں گزرتی ہے۔'' اماں جانی کا غصہ کچھ کم ہوا تھا تبھی وہ رشان کے لیے اپنے نادر مشورے محفوظ کروا رہی تھیں۔

بھابی ثمور کو ان کی باتوں پر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اماں جانی ایسی ساس تھیں جو ماں بن کر اصلاح کرتی ہیں اور اپنی بہوؤں کے حقوق منوانے کے لیے بیٹوں سے بھی الجھ پڑتی ہیں۔ اماں جانی کی محبتوں کا تجربہ انہیں اچھی طرح تھا۔ انہیں کبھی بھی یہ محسوس

نہیں ہوا تھا کہ اماں جانی کے رویے میں ان کے لیے اپنی بیٹیوں سے کم محبت ہے، تبھی تو وہ اس گھر کے ہر فرد کے سکھ و آرام کے لیے اپنا آپ مٹانے پر تیار تھیں۔

☆======☆======☆

''انکل کیا آپ لوگ اعتزاز کی ایکٹیویٹیز سے آگاہ تھے۔'' اعتزاز کے لاکر سے برآمد ہونے والی اشیا کا کئی بار جائزہ لینے اور سوچ بچار کے بعد جواد نے شبیر بخاری کو اپنے آفس میں بلوایا تھا۔

''کیا کوئی قابلِ اعتراض بات سامنے آئی ہے۔'' شبیر بخاری نے قدرے الجھتے ہوئے استفسار کیا۔

''پتا نہیں یہ بات آپ کے لیے قابلِ اعتراض ہے یا نہیں، بہر حال آپ یہ بتائیں کہ کسی لڑکی کے ساتھ انوالومنٹ کے بارے میں آپ جانتے تھے۔'' جواد کے تاثرات خاصے سنجیدہ تھے۔

''تم جانتے تو ہو لڑکے جوان ہو جائیں تو ان کا انٹرسٹ لڑکیوں میں خود بخود بڑھ جاتا ہے اور اعتزاز کے بارے میں تو تمہیں علم ہے ہی۔'' شبیر بخاری نے جیسے شرمندگی سے اعتراف کیا۔

''اعتزاز کا قتل جس عرصے میں ہوا اس عرصے میں ان کی جن دوستوں کے ساتھ زیادہ اٹیچ منٹ تھی کیا اس بارے میں آپ مجھے کچھ تفصیل بتا سکتے ہیں۔''

''دراصل میں نے اعتزاز کے معاملات میں دخل اندازی بہت پہلے چھوڑ دی تھی۔ بچے جوان ہو جائیں تو والدین کو اپنے بڑھاپے اور کمزوری کا احساس بھی زیادہ ہونے لگتا ہے۔''

''چاہے آپ کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر آپ کے بچے کسی گہری دلدل میں اُتر جائیں۔ انکل کیا اولاد کے جوان ہونے کے ساتھ والدین کے فرائض کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے۔ کیا کبھی بھی آپ کو احساس نہیں ہوا کہ آپ کی چشم پوشی آپ کے بچوں کو آپ ہی کے سامنے اندھے کنویں میں دھکیل سکتی ہے۔'' جواد نے بہ مشکل اپنے جذبات کو قابو کیا۔

''وہ ذی شعور تھا۔ اپنے اچھے برے کو سمجھنے کی صلاحیت تھی اس میں، اس پر اپنی ماں کی نصیحتوں کا اثر نہیں ہوتا تھا وہ میری کیا مانتا۔'' شبیر بخاری قدرے جذباتی ہو کر بولے۔

''اس کا مطلب ہے آپ لوگوں کو حالات سے آگاہی تو تھی آپ ضرور جانتے ہوں گے اس کے حلقہ احباب میں کون کون لوگ تھے اور اس کے ان سے مراسم کس نوعیت کے تھے۔''

جواد کا انداز تفتیشی تھا جس پر وہ کچھ پریشان سے ہوئے۔ ''بیٹا میں بالکل نہیں جانتا کہ

وہ کیسے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ کیا کسی لڑکی کا کوئی معاملہ ہے۔ سنا تو تھا کہ وہ کسی لڑکی سے شادی کر رہا ہے مگر ہم بخدا بالکل بے خبر ہیں۔''

''آپ لوگوں کی یہی بے خبریاں تو آپ جیسے لوگوں کو نقصان میں ڈالتی ہیں۔ اولاد سے غافل ہو کر اسے من مانی کی اجازت دے کر آپ لوگ سمجھتے ہیں آپ سرخرو ہو گئے۔ نبھایئے اپنی اولاد سے محبت کے تقاضے ضرور نبھایئے مگر کم از کم اپنی اولاد کے حلقہ احباب تک تو رسائی رکھا کیجیے۔ آپ لوگوں کی غفلت سے دوسروں کے لیے کتنی مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہے آپ کو۔'' جواد ایک دم جذباتی ہو گیا۔ اس کے جوشیلے لب و لہجے میں اس کے اندر کی آگ بھی نمایاں تھی۔

''جواد بیٹا تم کچھ زیادہ ہی ایموشنل ہو رہے ہو۔ ہمارے حلقے کی مجبوریاں اچھی طرح سمجھتے ہو۔ اولاد کے غلط راہ پر جاتے قدم ہمیں خوشی نہیں دیتے۔ بات صرف اتنی ہے ہم تیزی سے اٹھتے قدموں کو واپس موڑنے کی سکت کھو چکے ہوتے ہیں، یہی ہماری مجبوری ہے۔ کیا تمہیں قاتل کا سراغ مل گیا ہے۔'' وہ نہایت بے بسی سے بولے۔

''ابھی میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔'' جواد کو احساس ہوا تھا کہ اس کا اس قسم کا جذباتی پن ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اپنی ہر طرح سے تسلی کرنے کے بعد ہی اپنے کسی ردِعمل کا اظہار کر سکتا تھا۔ ''جس لڑکی سے وہ شادی کر رہا تھا۔ اس کے لیے آپ کی طرف سے کوئی مخالفت تو نہیں ہوئی تھی۔''

''نہیں، ہم نے تو صرف سنا تھا۔ دیکھنے اور ملنے کی نوبت ہی نہیں آئی تو ہم مخالفت کیا کرتے۔ میں پہلے ہی تمہیں انفارم کر چکا ہوں کہ وہ اپنے بہت سے معاملات میں خود مختار ہو چکا تھا۔ ہمارے پاس بھی کم ہی رہتا تھا۔ وہ جہاں بھی رہتا تھا، بہر حال ہمارا سہارا تھا۔ ہمیں اس سے اتنی امید تو تھی کہ عمر کے آخری دور میں وہ ہمیں تنہا نہیں چھوڑے گا مگر نہ جانے کس بے رحم نے ہماری امید، ہمارا سہارا ہی توڑ دیا۔'' شبیر بخاری اس بار خود پر ضبط نہ رکھ سکے۔

جواد نے لب بھینچ کر انہیں دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

''یہی افسوس تو مجھے بھی ہے کہ اس نے اپنے لیے جو راہ چنی تھی وہ اس کی منزل نہیں تھی۔ اس کے حلقہ احباب میں اچھے لوگ نہیں تھے۔ یقیناً اس کی آستین میں کوئی سانپ تھا۔ جس نے اسے ڈسا تھا۔ بہر حال آپ اتنا تو یقین رکھیں قاتل کہیں بھی ہو زیادہ دیر تک قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ ہمارا مقصد سچائی تک پہنچنا ہے۔ آپ دعا کیجیے تاکہ میں کامیاب ہو سکوں۔''

''یہ کہنے کی بات تو نہیں ہے بیٹا، میں بھی اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ نہیں چاہتا صرف

انصاف چاہتا ہوں تاکہ آئندہ جرم کرنے والے اس قسم کے جرائم کرنے سے پہلے ایک بار ضرور سوچیں کہ ان کا احتساب کبھی بھی ہو سکتا ہے۔ وقت کی گردان کے چہرے نہیں چھپا سکتی۔'' شبیر بخاری نے پھر سے خود کو سمیٹ لیا تھا اور اب کافی پر امید نظر آ رہے تھے۔

جواد نے انہیں تائیدی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ وہ خود بھی تو انصاف کا متقاضی تھا۔

☆======☆======☆

''مس انصاری! کیا رشمان ہوش میں ہے؟'' جواد نے نجی حوالات میں آتے ہی استفسار کیا۔ اس قسم کی خفیہ رہائش گاہیں اکثر پولیس والوں کے کام آتی رہتی تھیں۔ جن ملزموں اور مجرموں کے بارے میں زیادہ احتیاط برتنی ہوتی تھی انہیں اسی قسم کے قید خانوں میں رکھا جاتا تھا۔

''جی سر مگر وہ مسلسل رو رہی ہے۔''

''مس انصاری آپ آنسوؤں سے متاثر ہونے والی ہیں تو نہیں۔''

''ایکچوئلی سر وہ لڑکی کافی انوسینٹ لگی ہے مجھے، اس کے خلاف کیس کیا ہے؟'' فضہ نے بلا جھجک اپنے تاثرات کا اظہار کر کے پوچھا۔

''معصومیت ہی تو بندے کو مار دیتی ہے۔'' جواد نے زیر لب کہا پھر قدرے چونک کر فضہ انصاری کو مخاطب کیا۔ ''اس لڑکی کا اعتزاز بخاری کے کیس سے تعلق ہے۔ ممکن ہے قتل میں بھی ملوث ہو، اس کی معصومیت سے دھوکا مت کھا جانا مس انصاری۔ اس لڑکی کے سلسلے میں آپ کو بہت کیئر فل رہنا ہوگا۔ میرے علاوہ رشمان سے کوئی نہیں مل سکتا۔ انڈر اسٹینڈ۔'' مس انصاری کے ساتھ راہداری عبور کرتے ہوئے وہ کافی سنجیدگی سے مخاطب تھا۔ ''آپ نے اس سے کچھ پوچھا ہے؟ یا اس نے آپ سے کچھ کہا ہے۔'' دروازے کے باہر رک کر اس نے پھر سے استفسار کیا۔

''آپ کا آرڈر نہیں تھا اس لیے میں نے ابھی اس سے کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ ویسے بھی وہ کچھ دیر پہلے ہوش میں آئی ہے اور تب سے شاید اب تک رو رہی ہوگی۔''

''اس کے آنسو حقیقت نہیں ہیں۔ وہ ڈراما کر رہی ہے۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں وہ کسی قسم کی رعایت کے لائق نہیں ہے۔''

''او کے سر۔'' انسپکٹر فضہ انصاری نے بجا آوری کے لیے سر ہلایا پھر مقفل دروازہ کھولا، جس کے پیچھے رشمان مقید تھی۔

''آپ جائیں مس انصاری اسے میں سنبھال لوں گا۔''

فضہ انصاری نے اس کی حد سے بڑھی سنجیدگی و سرد مہری پر اسے ایک نظر دیکھا اور پھر خاموشی سے پلٹ گئی۔ دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا تو سر جھکا کر بیٹھی روتی ہوئی رشان نے لرزتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھنا چاہا۔ مردانہ جوتوں کو دیکھ کر اس کے دل میں دھڑکن پھر سے تیز ہوگئی۔ کچھ دیر پہلے تک جو سارے آنسو بہا چکی تھی، لگتا تھا پھر آنکھوں میں آ گئے ہیں۔ عذاب کی گھڑی پھر اس کے سر پر کھڑی تھی۔ اس کی نگاہ اس کے مضبوط سراپے سے ٹکراتی ہوئی خوب صورت مگر سرد و سپاٹ چہرے پر ٹھہر کر فوراً ہی پلٹ گئی۔ خوف کے مارے اس نے پھر سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔

''میرے خدا مجھے اس عذاب سے بچا، میں ان کے ظلم نہیں سہہ سکتی۔'' وہ اپنی سسکی نہ روک سکی۔

''پھر کیا ارادہ ہے تمہارا کیا چاہتی ہو تم۔'' جواد اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔ رشان اپنے گرد سیاہ چادر کو لپیٹے فرش پر بیٹھی کافی قابلِ رحم لگ رہی تھی مگر جواد کو اس پر رحم نہیں غصہ آ رہا تھا۔ اگر اس کے ہاتھ قانون نے نہ باندھ رکھے ہوتے تو وہ شاید مشتعل ہو کر اسے جان سے مار ڈالتا۔

''م..... میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ خدا کے لیے مجھے گھر لے چلیں۔'' رشان نے سر اٹھا کر گڑگڑاتے ہوئے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''گھر؟ کس کے گھر جاؤ گی، اعتزاز کے گھر، میر سجاول کے یا کوئی اور بھی ہے، تم جیسی لڑکیوں کا گھر تو ہر رات بدلتا ہے، کوئی ایک گھر ہے تو بتاؤ۔'' جواد کی نفرت و بدگمانی نے اس کی روح تک کو فگار کر دیا تھا۔ وہ اس کی نظر میں اس قدر ناقابلِ اعتبار ہو چکی تھی۔ کیوں؟ یہ سوال اس کے وجود کے ہر حصے سے اٹھ رہا تھا۔

''خدا کے لیے اتنا بڑا الزام مت لگائیں مجھ پر، میں..... میں کسی کو نہیں جانتی۔ آپ میرا یقین کریں میں آپ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتی اور خود سے آشنائی کا احساس بھی آپ کا بخشا ہوا ہے ورنہ تو میں..... خدا کے لیے مجھے گھر لے چلیں۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ ماما تو پاگل ہوگئی ہوں گی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بے بسی کے شدید احساس تلے دب کر اس کے قدموں کو چھونے کی کوشش بھی کی جواد نے بری طرح اس کے ہاتھ جھٹکے۔

''تمہاری یہ ایکٹنگ کم از کم مجھے متاثر نہیں کر سکتی۔ شرافت سے بتا دو ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہوگا اور بچیں گے تمہارے گھر والے بھی نہیں۔ تمہارے ہر جرم میں وہ بھی ضرور شریک رہے ہوں گے۔''

''میں کیسے آپ کو یقین دلاؤں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو کیوں یقین نہیں آتا مجھ پر۔''

''کیسے یقین کروں میں تم پر، آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے، ایک بار دھوکا کھانے کے بعد بار بار دھوکا تو نہیں کھا سکتا اونہہ۔''

''کیا دیکھا ہے آپ نے مجھ میں، میں ایسی ہی بری تھی تو شادی کیوں کی تھی مجھ سے۔'' اس بار رشان قدرے چیختے ہوئے بولی تو جواد نے دھاڑ کر اسے چپ کرایا۔

''شٹ اَپ..... میری بدقسمتی تھی جو تم جیسی لڑکی سے میں نے شادی کی ہے مگر میرے لیے تم سے جان چھڑانا زیادہ بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میرے لیے اصل مسئلہ ہے پہلے میں اسے نمٹا لوں پھر تمہیں طلاق دے دوں گا۔ تمہاری اصلیت جاننے کے بعد تو گھر والے بھی تم پر تھوکنے کو ہی کہیں گے۔'' جواد کے لہجے میں سموئی نفرت و حقارت حالات کی سنگینی کا احساس دلا رہی تھی۔ زندگی اسے یہ رخ بھی دکھائے گی اس نے سوچا نہ تھا۔ جواد کے ارادوں نے تو اس کی روح سلب کر لی تھی۔

''اکثر لوگوں کو اپنے عیب نظر نہیں آتے۔ تم جیسے لوگ تو اپنی معصومیت کی آڑ میں ہی سب کچھ چھپا لیتے ہو مگر تم خود کو مجھ سے کیسے چھپا سکتی ہو۔ میں تو تمہیں تمہارا اصلی چہرہ دکھا سکتا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں تم کیسے خود کو جھٹلاتی ہو۔'' جواد جھٹکے سے اٹھا پھر جیب سے اپنا موبائل نکال کر آف کرتے ہوئے اسے کچھ نرمی سے مخاطب کیا۔ ''اب بھی اگر تم تعاون کرو تو میں تمہارے ساتھ رعایت برت سکتا ہوں، مجھے آرام سے بتا دو کہ کب سے تم ان لوگوں کے ساتھ تھیں ان کے لیے تم نے کیا کیا ہے؟ اعتزاز کے قتل میں تمہارے ساتھ کون کون شامل تھا۔ اپنا تماشا سر بازار دیکھنا چاہتی ہو یا مجھے بتاؤ گی۔''

''ق..... قتل..... م..... میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں کسی کو بھی نہیں جانتی۔ م..... میں جھوٹ نہیں بول رہی، آپ ماما..... آنٹی، گولڈی اور تمی سے بھی پوچھ لیں۔ میں کسی کو نہیں جانتی میں نے تو یہ نام بھی پہلی بار سنا ہے، آپ میرا یقین کریں۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' اس کے بلک بلک کر رونے پر وہ ایک دم چیخ اٹھا۔ رشان کا بار بار تردید کرنا اس کے اندر بھڑکتے الاؤ کو مزید دہکا رہا تھا۔ ''مجھے ان سے یا کسی سے بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے حقیقت تم اپنی زبان سے بتاؤ گی انڈر اسٹینڈ۔'' جواد نے اس کے بال پیشانی سے پکڑ کر اسے جھٹکا دیا تو وہ بری طرح کراہ اٹھی۔ اسے اپنی رگوں میں خون منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ اپنی شدید بے بسی پر چیخنا چلانا چاہتی تھی مگر جواد کے ظالمانہ رویے

نے اس کے لب سی دیئے تھے۔ اس کی نہ زبان پر اعتبار کیا جا رہا تھا اور نہ ہی آنسوؤں پر۔

''ٹھیک ہے تم اس طرح زبان نہیں کھولنا چاہتیں تو مجھے دوسرا حربہ آزمانا پڑے گا اور اس سے بھی پہلے میں تمہیں تمہارا اصلی چہرا دکھانا چاہتا ہوں، آؤ۔'' جواد نے اپنے اسی سرد انداز میں اسے اپنے پیچھے آنے کے لیے کہا۔

رشمان کے قدموں میں سکت نہیں تھی۔ پھر بھی اسے آگے بڑھنا تھا۔ وہ اس کے پیچھے جس کمرے میں داخل ہوئی وہاں آفس روم کی سیٹنگ تھی۔ آفس ٹیبل پر البتہ ایک ٹی وی کا اضافہ تھا۔ وہ لرزیدہ وجود کے ساتھ سہمے ہوئے قدم اٹھاتی کمرے کے وسط تک پہنچی۔ فضہ انصاری سے شاید پہلے ہی اس کیس پر بات ہو چکی تھی۔ تبھی وہ اس بار اسے رحم و ہمدردی کی بجائے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جواد نے اپنی شرٹ کے چند ایک بٹن کھول کر اپنے پہلو میں اڑسی ہوئی ویڈیو کیسٹ نکال کر فضہ انصاری کی طرف بڑھائی۔ ''اسے لگائیے'' اور پھر وہ ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''بیٹھو.....'' ٹی وی کے سامنے چند فٹ کے فاصلے پر پڑی کرسیوں میں ایک پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

فضہ انصاری نے ایک نظر روتی ہوئی رشمان پر ڈال کر ویڈیو کیسٹ کو ویڈیو پلیئر میں ڈالا۔ ریموٹ کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے جواد نے اسے گھورتی نظروں سے دیکھا۔ رشمان کی سانس جیسے حلق میں اٹکنے لگی تھی۔ پیاس کی شدت سے ہونٹ بالکل خشک ہو چکے تھے جنہیں وہ زبان کے ساتھ تر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنے حلق سے تھوک نگلتے ہوئے بہت ہمت کر کے اس نے لب وا کیے۔

''یہ..... یہ کیا ہے؟'' ٹی وی اسکرین پر غیر واضح مناظر گردش کر رہے تھے جن سے الجھ کر رشمان نے پوچھا تھا۔

''یہ تمہارے سارے جھوٹوں کا پول ہے۔ جواب کھل رہا ہے۔'' جواد کے سنگدلانہ رویے پر وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ وہ اسے کیا دکھانا چاہتا تھا۔ جواد ریموٹ کنٹرول کے ذریعے غیر واضح مناظر کو تیزی سے گزار رہا تھا۔ رشمان اسکرین کے بجائے رحم طلب نظروں سے جواد کی طرف رخ موڑے ہوئے تھی۔ جس پر اس نے بری طرح جھڑک دیا۔

''تمہاری ادائیں اب کچھ نہیں کر سکتیں، اسکرین کی طرف دیکھو اور کوئی چالاکی کرنے سے پہلے اپنے گھر والوں کے بارے میں ضرور سوچ لینا۔''

رشمان کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے برسنے لگے۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے اسکرین پر نظر جمائی۔ دو ہیولے چلتے پھرتے محسوس ہوئے تھے، دو تین بار آنکھیں صاف کر

کے سامنے دیکھا تو وہ دھک سے رہ گئی۔ اسے اسکرین پر نظر آنے والے منظر پر اور پھر اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔ جواد غیر واضح مناظر کو فارورڈ کر رہا تھا۔ جھرنے کے کنارے وہ پانی میں پاؤں لٹکائے کسی کے ساتھ بہت قریب ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی مسکراہٹ بہت جان دار اور واضح تھی۔ کیمرے کی آنکھ نے بہت مہارت سے اس کے خدوخال کو اُجاگر کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو سامنے دیکھ کر بے اختیار چیخ اٹھی۔

''یہ..... یہ جھوٹ ہے..... یہ میں نہیں ہوں۔ میرا یقین کریں یہ میں نہیں ہوں۔ یہ کوئی سراب ہے، دھوکا ہے۔ پلیز بلیوی یہ میں.....''

رشمان اٹھ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اسے ایک پل میں جواد کے بگڑے رویوں کی وجہ کا ادراک ہو گیا تھا، جواد اس کے چیخنے چلانے اور اپنے قدموں میں بیٹھنے پر غضب ناک ہوا تھا۔ اسکرین پر نظر آنے والا منظر اسٹل کر کے اسے بازوؤں سے پکڑ کر تقریباً اٹھا کر پٹخنے والے انداز میں کرسی پر بٹھایا۔ اس کے ہاتھ کرسی کی ہتھیوں سے جکڑنے کے بعد اس کے منہ پر بھی ٹیپ چپکائی۔ فضہ انصاری اس کا جنونی انداز پہلی بار دیکھ رہی تھی اس لیے حیرت میں مبتلا بیٹھی تھی۔

''آرام سے بیٹھی رہو اور صرف اپنی آنکھیں کھلی رکھ کر اپنے کرتوت دیکھو۔ ورنہ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دیکھ بھی نہیں سکو گی۔'' اس کے باوجود وہ سر پٹخ پٹخ کر نفی کیے جا رہی تھی۔ جواد بہت ضبط و صبر سے ان مناظر کو دوبارہ دیکھ رہا تھا جس میں رشمان اور اعتزاز کی قربتیں حد سے تجاوز کر گئی تھیں۔ رشمان بھی دیکھ کر دم بخود تھی کہ یہ سب کس نے اور کیوں فلم بند کیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنے حواس کھو چکی تھی۔

☆======☆======☆

''سر کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ اعتزاز کے قتل میں یہ لڑکی بھی ملوث ہو گی۔'' فضہ نے رشمان کو اس کے کمرے میں پہنچانے کے بعد سگریٹ پھونکتے جواد کو چائے پیش کرتے ہوئے استفسار کیا۔ دراصل وہ جواد کے رویے سے اپنے ذہن میں پڑی الجھنیں کھولنا چاہتی تھی۔

''میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا مگر اس کا تعلق تو ہے۔ یہ کیسٹ اعتزاز کے لاکر سے ملی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا تو اعتزاز کو کیسٹ کے ذریعے بلیک میل کیا گیا تھا یا پھر اعتزاز سے کیسٹ حاصل کرنے کے لیے اقدام قتل کیا ہو گا۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔ اس لڑکی کی قربتیں یکساں طور پر میر سجاول اور اعتزاز بخاری کے لیے نظر آئی ہیں۔ اعتزاز نے شاید اس حوالے سے بلیک میل کیا ہو تو میر سجاول اور رشمان نے مل کر اسے خاموش کر دیا۔''

''لیکن سر یہ تو صرف قیاس ہے ناں، قتل کی وجوہات کچھ اور بھی ہو سکتی ہیں۔'' فضہ انصاری اس کی بات سے متفق نظر نہیں آ رہی تھی۔

''ہاں یہ بھی ممکن ہے لیکن مجھے یہ فیکٹ لگتا ہے کیونکہ میں اعتزاز کو کافی زیادہ جانتا تھا۔ اسے اپنی ریپوٹیشن کا کبھی خیال نہیں رہا تھا اسی لیے اتنا بڑا دھوکا کھا گیا۔ بہر حال حقیقت زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہے گی۔ مجرم ہمیشہ اپنے جرم کا کوئی نہ کوئی نشان ضرور چھوڑ جاتا ہے جب کہ ہمارے پاس تو کافی کچھ موجود ہے جس کے ذریعے ہم جلد قاتل تک پہنچ جائیں گے۔''

''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ لڑکی کے بارے میں مزید کوئی آرڈر سر۔''

''اس کے لیے وہی آرڈر ہیں۔ کوئی رعایت کوئی اپروچ نہیں چلے گی۔ وہ ہوش میں نہیں آئی تو اسے ہوش میں لائیں مجھے اس سے بات کرنی ہے۔''

فضہ انصاری سر ہلا کر کمرے سے نکل گئی۔

☆======☆======☆

وہ بہت مشکل سے ہوش میں آئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کی زبان سے ایک ہی بات کی تکرار جاری تھی۔ ''وہ میں نہیں ہوں، وہ میں نہیں ہوں۔'' فضہ انصاری نے اس کی بات سننے کے بعد قدرے تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''دیکھو تم کھلی حقیقت پر پردہ کیسے ڈال سکتی ہو۔ مزید تمہارے خلاف بہت سے ثبوت و شواہد ملے ہیں اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گی تو فائدے میں رہو گی ورنہ ہمیں سچ اگلوانا تو آتا ہی ہے۔''

''م..... میں کہہ رہی ہوں ناں، میں وہ نہیں ہوں۔ وہ دھوکا ہے۔ سراب ہے کوئی، میں کسی کو نہیں جانتی پلیز میرا اعتبار.....''

''شٹ اَپ..... اب اگر بکواس کی تو.....'' جواد نے اندر آتے ہوئے اسے سختی سے جھڑکا پھر فضہ انصاری سے مخاطب ہوا۔

''مس انصاری، آپ نے کبھی ایسا چور دیکھا ہے جو رنگے ہاتھوں پکڑا بھی جائے اور پھر بھی اپنے جرم، اپنے گناہ سے انکار کرے۔''

فضہ نے خاموشی سے جواد کی طرف رخ موڑا۔

''نہیں دیکھا نا، مگر آج دیکھ لیں۔ اپنے جرم و گناہ کیا، اپنے وجود سے بھی منکر اس لڑکی کو دیکھیں جو بظاہر تو معصوم نظر آتی ہے لیکن شاید اسی ہتھیار سے اس نے نہ جانے کتنوں کو اسی طرح میٹھی چھری تلے ذبح کیا ہوگا۔ اب اگر اس کے چاہنے والوں کو بھی اس کے سامنے لے

آیا جائے تو یہ یقیناً انہیں بھی پہچاننے سے انکار کر دے گی۔ ایسے لوگوں کو سنبھالنا مجھے اچھی طرح آتا ہے میں آپ کو پھر وارن کر رہا ہوں مس انصاری، اس لڑکی کو کسی قسم کی رعایت نہیں دی جائے گی چاہے اس کا آرڈر کوئی بھی دے انڈر اسٹینڈ۔''

''ج..... جی سر۔'' فضہ انصاری نے اس کے جوشیلے بھڑکتے انداز و لہجے پر فوراً سر ہلایا۔ اسی وقت اس کے لیے کہیں سے ضروری فون آ گیا۔ وہ فون سننے کے لیے باہر چلی گئی۔ جواد کی نظروں اور لہجے کی تپش مزید بڑھ گئی۔

''مجھے تمہاری ایک ڈیڑھ سال پرانی فوٹو گرافز چاہئیں۔''

''م..... میری مگر کیوں؟'' لاکھوں وسوسے ایک دم ناگ کی طرح سرسراتے ہوئے اس کے رگ و پے میں لہرائے، سب سے پہلے اسے یہی خیال آیا کہ کہیں اس کی تصویروں کو بطور اشتہار استعمال نہ کیا جائے اور یہ اشتہار اسے اور اس کے گھر والوں کو رسوا کریں گے۔

''میں تم سے جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔''

''وہ..... آ..... آپ کے پاس تھیں۔'' اس نے آنسوؤں کی زیادتی کی وجہ سے بہتی ناک کو آستین سے صاف کیا، مہندی کی رات اس کے چہرے پر پھولوں کی کھلتی لالی، بانکپن جو تھا اب غائب تھا بلکہ اب تو اس کی اپنی اصلی گلابی رنگت بھی ماند پڑ گئی تھی۔ اب اس کا دل رشان کے لیے دھڑکتا بھی تو اسے قابو کرنا اسے آتا تھا۔

''تم نے دیکھا تھا میں انہیں پھاڑ کر ضائع کر چکا ہوں۔'' اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ ''مجھے اپنی بات بار بار دہرانے کی عادت نہیں، تمہاری فوٹوز کہاں اور کس کے پاس ملیں گی۔'' اس کی برہمی پر رشی سہم کر آنسو صاف کرنے لگی۔

''گھر پر، آئی مین ماما کے گھر پر میرے روم میں میری وارڈ روب کی دراز میں ہوں گی مگر.....''

''گھر کے علاوہ کہیں اور۔'' جواد نے اس کی بات تیزی سے کاٹی۔

''گولڈی کے پاس ہوں گی شاید۔'' رشان نے نظر اٹھا کر جواد کے چہرے پر نگاہ ڈالی وہ خشونت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ نے سب کو میرے بارے میں بتا دیا ہے؟''

''کیا؟''

''کہ میں یہاں قید ہوں، کسی نے میرے بارے میں نہیں پوچھا کہ.....'' وہ بڑی آس و امید لیے ہمت سے پوچھ رہی تھی کہ شاید وہ نرم پڑ کر اسے زندگی کی نوید دے دے۔

''ابھی میں نے انہیں نہیں بتایا لیکن میں ان سے تمہاری اصلیت نہیں چھپاؤں گا۔ میری انوسٹی گیشن پوری ہو جائے پھر میں تمہارے سارے کارنامے دکھاؤں گا۔ بلکہ تمہاری ماں سے بھی ابھی بہت کچھ پوچھنا ہے مجھے۔''

''ما..... ما..... ماما تو مر جائیں گی۔ خدا کے لیے ماما کو کچھ مت بتایئے۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ آئی سویئر ٹو گاڈ رئیلی بلیومی۔'' وہ پھر سے گڑگڑانے لگی۔

''اپنی ماں کا خیال وہ سب کرتے وقت نہیں آیا تھا؟ جب اپنی ماں کو دھوکا دے کر اپنا آپ ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا تب ماں کے مرنے کا نہیں احساس ہوا تھا۔ مجھے تو بڑی بھولی ادائیں دکھائی تھیں انہیں کیسے پھانسا تھا۔'' ایک تیر سا دل میں پیوست ہوا اور وہ بلبلا اٹھی۔

''خدا کے لیے خدا کے لیے مجھ پر ایسا الزام مت لگائیں۔ آپ کو مجھے سزا دینی ہے نا تو دے لیں مگر ماما کو کچھ مت بتائیں، خدا کے لیے ماما۔''

''مت نام لو اپنی گندی زبان سے بار بار خدا کا، مت واسطے دو مجھے اس پاک ہستی کے، میرے اختیار میں ہوتا تو تمہیں ابھی اسی وقت ایسی اذیت بھری موت دیتا کہ آئندہ تم جیسی بے غیرت لڑکیاں اس قسم کی حرکتیں کرنے سے پہلے شرم سے ہی مر جاتیں۔ اب بھی میں ایسا ہی کروں گا مگر پہلے مجھے حقائق سے پردہ اٹھانا ہے۔ اعتزاز کے گھر سے ہو آؤں اور میر سجاول کو ڈھونڈ لوں پھر میں تمہیں سب کے سامنے سزا دوں گا۔ سب کو تمہارا اصلی چہرا دکھاؤں گا۔'' جواد کے سنگین رویے نے اسے تڑپا دیا تھا۔

''مجھے اگر ذرا بھی علم ہو جاتا کہ تمہارا چہرہ، تمہارے کردار کی بدنمائی کا پردہ ہے تو میں پہلے ہی یہ نقاب اتار کر تم جیسی ناگن کا سر کچل دیتا مگر تم نے..... تم نے سب کو ہی نہیں مجھے بھی بہت بڑا دھوکا دیا ہے۔ میں جو تمہاری محبت.....'' جواد دل کی بات لبوں میں دبا کر پھر سے اسے گھورنے لگا۔

''تم اب کتنا بھی رو لو، کتنے بھی آنسو بہا لو، تمہاری یہ مکاری، مگرمچھ کے یہ آنسو مجھے نہیں پگھلا سکتے مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔ آئی ہیٹ یو۔'' جواد کے غصے میں اس کے جذبوں کے ٹوٹتے بکھرتے کانچ کی چبھن بھی تھی۔ وہ کمرے میں موجود کرسی کو ٹھوکر سے الٹتے ہوئے غصے میں کھولتا ہوا باہر نکل گیا۔ رشان پھر سے دوزانو ہو کر بلک بلک کر رونے لگی۔

''میرے خدایا، یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں یہ سب نہیں سہہ سکتی۔ یہ کوئی فریب ہے یا کیا ہے۔ میرے شعور کے پردے شفاف کیوں ہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ میری سزا کا جواز کتنا گھناؤنا ہے۔ میرے گناہ کا منہ بولتا ثبوت کہاں سے آیا۔ وہ میں نہیں ہوں مگر پھر وہ

کیسٹ وہ چہرہ وہ سراپا کیسے، یا خدا تو ہی مجھے بچا لے ورنہ۔'' وہ پھر سے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی تھی۔

☆======☆======☆

''ہیلو..... تیمور۔'' جواد نے بہت کشمکش کے بعد گھر فون کیا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور وہ چاہتا بھی یہی تھا کہ اس کا فون تیمور ریسیو کرے۔

''چاچو آپ!'' تیمور کی نیند سے بوجھل آواز میں حیرت در آئی۔

''میری بات سنو ابھی میرے فون کا کسی کو مت بتانا میرا تم ایک کام کرو، تمہارے پاس یا گولڈی کے پاس رشان کی فوٹو گرافز ہوں گی۔ پلیز انہیں لے کر میرے آفس میں آ جاؤ۔''

''اوہ جناب، آپ یہیں ہیں، پھر ہمیں چکر کیوں دیا۔'' تیمور کی حیرت یقینی تھی۔

''نو..... نہیں میں یہاں تو نہیں ہوں۔'' جواد کو اپنا بہانہ یاد آیا۔

''تو پھر؟ آفس کس کے پاس آؤں۔'' تیمور زیر لب ہنسا۔

''میرا مطلب ہے میں یہاں نہیں تھا، اب ایک ضروری کام سے آیا تھا تو.....''

''تو ضروری کام کا تصویروں سے بھی تعلق ہے؟'' تیمور نے اسے چھیڑا۔

''یار مذاق کا موڈ نہیں ہے میرا، تم سے جو کہہ رہا ہوں وہ کرو، فوراً آفس پہنچو اور پلیز ابھی گولڈی کو بھی نہ بتانا۔ اوکے ہری اپ، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' تیمور کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر جواد نے فون بند کر دیا۔

تیمور نے بھی کندھے اچکا کر کچھ نہ سمجھنے کا تاثر چہرے پر سجاتے ہوئے ریسیور رکھ کر سوچا۔ ''چاچو بھی عجیب ہیں۔ ضروری کام سے گئے تھے۔ ضروری کام سے آئے ہیں۔ رشان ساتھ ہے پھر بھی اس کی تصاویر کی ضرورت پڑ گئی۔ خیر دو دن ہی تو شادی کو ہوئے ہیں۔ وہ ساتھ نہیں ہو گی، اس کی یاد ستا رہی ہو گی۔ چلو تمی بچے چاچو کی مشکل حل کرو۔'' وہ خود سے باتیں کرتا ہوا بہت محتاط ہو کر گولڈی کے کمرے میں داخل ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ گولڈی کے البم سے رشان کی چند ایک تصویریں لے کر سبھی کو سوتا بے خبر چھوڑ کر جواد کے آفس آ پہنچا۔

صبح کے ساڑھے پانچ بجے جواد مکمل بیداری کے ساتھ بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ ''چند گھنٹے اور صبر کر لیتے تو اسٹوڈیو کھلتے ہی آپ کی زوجہ محترمہ کو عروس کے روپ میں پیش کر دیتا۔ چلئے یہ بھی ایسی بری نہیں ہیں۔'' جواد کو اس کی تصویریں دیتے ہوئے تمی نے شرارت سے کہا مگر اس کے چہرے پر پھیلا سرد و سپاٹ تاثر ذرا نہ بدلا۔

''کسی کو بتا کر تو نہیں آئے۔''

''میرے سوا وہاں کوئی اللہ والا بندہ ایسا نہیں ہے جو صبح سویرے اٹھے۔ ویسے چاچو اِف یو ڈونٹ مائنڈ پلیز ایک بات پوچھوں۔'' تیمور کا انداز شرارتی تھا۔

جواد نے اسے بھنویں اچکا کر دیکھا۔

''آپ کو اس رشی کی بچی، او سوری سوری ہماری آنٹی صاحبہ میں کیا نظر آیا۔ اس سے شادی کر کے آپ کچھ زیادہ ہی چینج نہیں ہو گئے۔'' تیمور نے کرسی پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے اپنی بے تکلفی کا اظہار کیا۔

''بس سمجھو کہ نظر کو دھوکا ہوا اور میں پھنس گیا۔'' جواد کے تاثرات ابھی بھی سپاٹ تھے۔

''پھنس گئے؟ کسی نے زبردستی تو نہیں کی تھی آپ کی اپنی شدید خواہش تھی۔ اب ہمیں چکر دے رہے ہیں۔ ویسے چاچو آپ جو ایک دن میں اس کے مالک بن کر اسے لے اُڑے ہیں تو اس بات پر سبھی ناراض ہیں۔ اس کے گھر والے بھی زیادہ خوش نہیں ہیں آپ کی اس حرکت پر۔ لڑی تو یقیناً رشی بھی ہو گی آپ سے، ہے ناں۔'' تیمور نے جمائی روکتے ہوئے اسے چھیڑنے کے ساتھ اطلاع بھی دی۔

''کیوں؟''

''آپ نے اسے ہم سے جدا جو کیا ہے۔ یہ بہت بڑا فاؤل ہے چاچو۔ آپ اپنی ڈیوٹیز کرتے اسے تو ہمارے ساتھ رہنے دیتے۔ وہ خوش تو نہیں ہو گی ہمارے بغیر۔''

''لڑکیاں ماں باپ کو چھوڑ کر خوش رہتی ہیں تو تم سے جدائی کا غم کون منائے گا۔ اچھا مجھے باتوں میں مت لگاؤ مجھے ابھی واپسی کے لیے نکلنا ہے، تم بھی اب گھر بھاگو۔'' جواد نے بہ مشکل اپنے آپ پر قابو پا کر لہجے میں خوش گواریت بھری تھی۔

''آپ کو غصہ نہیں آ رہا چاچو۔''

''کس پر؟'' جواد نے عجلت بھرے انداز میں ہاتھ میں پکڑی تصویریں واپس لفافے میں ڈالیں۔

''کس پر، اپنی ڈیوٹی پر، شادی تو زندگی میں ایک بار ہوتی ہے اور ان حسین دنوں کو تو یادگار بنایا جاتا ہے، ہنی مون منایا جاتا ہے جب کہ آپ شادی کی پہلی رات سے ہی آن ڈیوٹی ہیں اور اب تک شاید ڈیوٹیز ہی نبھا رہے ہیں۔''

''یار بھتیجے میرا اور تمہارا رشتہ کیا ہے۔'' اس کی بے تکلفی پر جواد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

تیمور پہلے تو حیران ہوا پھر چڑ کر جواب دیا۔ ''چاچا اور بھتیجے کا۔''

''تو، یہ باتیں اپنے چاچا سے کرنے کی ہیں، شیم آن یو، اب تم کھسکو یہاں سے۔'' جواد

نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

''اب کوئی جواب نہیں ہے تو مجھے شرم دلائی جا رہی ہے۔ ویل سی یو، گھر تو آئیں گے نا، سارے محاذوں سے میں نے بمباری نہ کروائی تو تیمور نام نہیں۔'' تیمور نے اپنے تئیں اسے بلیک میل کیا۔

''بہت ناراض ہیں سب؟'' جواد کو واقعی پریشانی ہوئی۔

''ارے ایسے ویسے، دادو تو سخت مشتعل ہیں۔ سب کو کتنے جھوٹ بول بول کر مطمئن کیا ہے یہ ہم ہی جانتے ہیں اور گولڈی، الامان الحفیظ۔ اس کا نام تو ناراض ہونے والوں میں ٹاپ آف دی لسٹ ہے آپ نے بھی تو اس کے سارے ارمانوں پر بجلی گرائی ہے۔'' تمی نے اس کی پریشانی سے حظ اٹھایا۔

''آئی ڈونٹ کیئر، میری مجبوری ہی ایسی ہے جب سب کو بتاؤں گا تو سبھی مان جائیں گے۔ اچھا تمی مجھے تم سے رشان کے بارے میں ایک پرسنل بات پوچھنی ہے۔ سیریسلی مجھے بتانا اوکے۔'' جواد نے کچھ توقف سے اپنی بات کہی تو تمی شرارت سے سیٹی بجا کر رہ گیا۔

''مجھ سے..... رشی کے بارے میں؟ مائی گاڈ کیا ابھی تک آپ دونوں نے ایک دوسرے سے اپنے پرسنلز ڈسکس ہی نہیں کیے۔''

''بی سیریس تمی میں تم سے جو پوچھوں گا اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔'' جواد نے اسے سنجیدگی سے گھورا۔

''اوکے باس پوچھیے کیا پوچھنا ہے۔'' وہ سعادت مندی سے میز پر کہنیاں ٹکا کر آگے ہو کر اس کی بات دھیان سے سننے لگا۔

''کیا تم رما کے تمام دوستوں کو جانتے ہو۔''

''ہاں..... گولڈی اور رشی کی تمام فرینڈز کو میں جانتا ہوں۔ میرے ساتھ ہی تو وہ ان کے گھروں میں جاتی ہیں۔'' تمی نے سادگی سے بتایا۔

''میں گرل فرینڈز کی بات نہیں کر رہا، تمہارے علاوہ اس کے جو بھی بوائے فرینڈز تھے کیا تم اور گولڈی بھی ان سے واقف ہو۔''

''وہاٹ؟ بوائے فرینڈز۔'' وہ اپنی جگہ سے حقیقت میں اچھل پڑا۔ ''چاچو آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، یو نو آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا رشی نے کوئی شوشہ چھوڑا ہے۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا عقل تو اس کے پاس ہے ہی نہیں تبھی آپ.....''

''تم جانتے ہو یا نہیں مجھے جواب دو۔'' جواد کی سنجیدگی گہری ہو گئی۔

''بات کیا ہے سوال تو آپ نے بڑا شوہرانہ کیا ہے حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں اس کی ماما کس قدر سخت ہیں۔ وہ ہمارے گھر کے علاوہ کہیں آ جا نہیں سکتی تھی۔ باقی فرینڈز سے بھی اس کی دوستی ہماری وجہ سے نبھی ہے ورنہ..... وہ چاچو کیا شوہر بن کر مرد اتنا شکی ہو جاتا ہے؟ اور یہ آپ نے مجھے اس کا بوائے فرینڈ کس حساب سے کہا ہے۔'' تمی کو یاد آیا تو اس نے خاصی ناراضگی سے پوچھا۔

جواد کو اس کے تیور دیکھ کر خود کو سنبھالنا اور مسکرانا پڑا۔ پھر اسے کندھوں سے تھام کر دوبارہ کرسی پر دھکیلا بھی۔ ''وہ بہت چکر باز لڑکی ہے اس کے چکر سمجھنے کے لیے مجھے اس کے بارے میں انفارمیشن تو ہونی چاہیے۔ بلکہ بحیثیت شوہر مجھے ہی سب کچھ معلوم ہونا چاہیے، ہے ناں۔'' جواد نے مذاق میں بھی اپنے دل کی بات کہی۔

''اور بیویوں کو شوہروں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ چاچو آپ کی لاجک بھی عام شوہروں والی ہی ہے۔'' تمی کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا رشی نے اپنی بے وقوفی میں ضرور چاچو کو کوئی فرضی قصہ گھڑ کر سنایا ہے تبھی وہ اس طرح پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

''بس تم اپنی بکواس شروع کر دو۔ میں مذاق کر رہا تھا۔'' جواد کو تمی کے بگڑے رویے اور جذبات کا احساس ہوا۔ کچھ بھی ہو اس کے بھتیجے، بھتیجی ابھی بہت سی خرافات سے دور تھے۔ ابھی ان سے بچپنا رخصت نہیں ہوا تھا اور یہی بات اس کے لیے اطمینان کا باعث تھی۔

''آپ کے مذاق نے ہی تو مجھے ہرٹ کیا ہے۔ بوائے فرینڈ اور بھائی میں فرق ہوتا ہے۔ رشی اور گولڈی میں میرے لیے کوئی فرق نہیں ہے اور رشی نے بھی مجھ سے دوپٹا لے کر اپنا بھائی بنایا ہے۔ یونو جب میں نے فرسٹ ٹائم شیو کی تھی تو اس نے اپنے ساتھ گولڈی کو بھی ملا کر زبردستی مجھ سے دوپٹے لیے تھے کہ بھائی اپنی پہلی شیو پر بہنوں کو دوپٹے لے کر دیتے ہیں۔ آپ نے اس کے نہ جانے کس جھوٹ پر یقین کر لیا ہے۔ وہ دونوں مجھ سے اپنی کوئی بات نہیں چھپاتی ہیں۔''

جواد پہلے اس کی باتیں سن کر ہنسا اور پھر سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا۔

''تم بہت زیادہ ایموشنل ہو گئے ہو بھتیجے۔ میری ایک بات یاد رکھو رشتے صرف خون کے ہوتے ہیں باقی سب دھوکا ہوتا ہے۔''

''چاچو کچھ رشتے اعتماد کے بھی ہوتے ہیں اور آپ کا اور رشی کا رشتہ تو استوار ہی اعتماد پر ہوا ہے۔ اوکے میں چلتا ہوں۔ ابھی آپ کسی ٹینشن میں ہیں آپ سے گھر پر باتیں ہوں گی جب بھی آئیں سنبھل کر آئیں۔'' تمی کی ناراضگی اس کے انداز سے بھی ظاہر تھی۔

جواد نے الوداعی انداز میں سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دی۔ تمی کی باتیں اس کی سوچوں کو مزید الجھا گئی تھیں۔ اعتزاز کے لاکر سے ملنے والی تصویروں کے ٹکڑوں کو جوڑ کر جو مکمل تصویر بنی تھی وہ رشان ہی کی تھی۔ اس نے اب اعتزاز کے شمالی علاقے میں موجود کاٹیج کی روانگی کا تہیہ کیا تھا۔ اسے امید تھی اعتزاز کے بارے میں کوئی نہ کوئی سراغ وہاں سے ضرور ملے گا یا پھر اسے کیس حل کرنے کا کوئی سرا ہی مل جائے گا۔ اس لیے وہ جلد ہی شمالی علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ نقشے کے مطابق وہ اس علاقے میں پہنچا جہاں اعزاز کا ذاتی کاٹیج تھا جو کہ واقعی بے حد خوبصورت تھا۔ وہ یہاں پورے انتظام کے ساتھ آیا تھا۔ آتے ہی اس نے مقامی پولیس سے رابطہ کر کے ان کی مدد سے حالات کا جائزہ لینے کی خواہش کی تھی۔ وہ سرکاری ریسٹ ہاؤس میں قیام پذیر ہوا تھا۔ ریسٹ ہاؤس سے اعتزاز کے کاٹیج کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تھا اور پھر اعتزاز کے بارے میں مقامی لوگوں کی رائے جاننے کی کوشش کی تھی۔ اعتزاز بخاری کو زیادہ لوگ نہیں جانتے تھے اور جو جانتے تھے ان کی رائے بھی مبہم تھی۔ اعتزاز کے کاٹیج کی دیکھ بھال کرنے والا چوکیدار بھی بدل گیا تھا۔ موجودہ چوکیدار سابقہ چوکیدار کا سالا تھا۔ اعتزاز کا رکھا ہوا چوکیدار بیمار تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔ وہ اس تفریحی مقام سے کافی دور ایک چھوٹے سے گاؤں کا باسی تھا اور اب اپنے گاؤں واپس چلا گیا تھا۔ چوکیدار امیر گل نے پہلے تو اسے کاٹیج میں داخلے کی اجازت ہی نہیں دی تھی لیکن جب جواد نے اسے پولیس کی دھمکی کے ساتھ اپنا تعارف بھی کروایا تو وہ فوراً ہی تعاون کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

''اعتزاز کے بعد یہاں آ کر کوئی رہتا ہے۔'' صاف ستھرے گھر کو دیکھتے ہی جواد نے امیر گل سے سوال کیا۔

''جی..... وہ بیگم صیب کبی کبی (کبھی کبھی) آتا ہے۔ وہ مولک (ملک) سے بار ہوتا ہے آج کل۔'' امیر گل قدرے بوکھلایا ہوا تھا۔

''کون بیگم صاب۔'' جواد آگے بڑھتے بڑھتے پلٹ کر پوچھنے لگا۔

''صاب نے انہیں اپنی کاٹیج بیچ دی تھی۔ انہوں نے ہمیں یہی بتایا ہے بس۔''

ایک خیال سا اس کے ذہن میں کلبلایا تو فوراً جیب سے اس نے رشان کی تصویر نکالی۔

''یہی ہے تمہاری بیگم صاب۔'' جواد نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''جی..... میرے کو صحیح سے معلوم نہیں ہے صاب، میرے کو تو لالہ شیر گل نے تھوڑے عرصے پہلے ادھر بھیجا تھا۔ ام کسی کو پہچانتا نہیں ہے۔''

جواد کو اندازہ تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ''اگر تم کسی کو پہچانتے نہیں ہو تو ادھر تو کوئی چور ڈاکو بھی آ کر کہہ سکتا ہے کہ یہ اس کا گھر ہے۔ کیا تم انہیں مالک مان لو گے۔''

''صاب میں سچ کہتی ہے کہ.....''

''جھوٹ مت بولو۔ تمہیں کس نے منع کیا ہے؟ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرو گے تو مجھے مجبوراً تمہیں اعتزاز کے قتل کے سلسلے میں گرفتار کرنا پڑے گا۔''

''نہیں نہیں صاب، ام اپنے مالک کا قتل کیوں کرے گی اور مالک تو یہاں پر تھی ہی نہیں اپنے شہر گئی ہوئی تھی اودھر کسی خانہ خراب نے انہیں جان سے ماردی ہے۔ خدا قسم ام بے قصور ہے صاب۔'' پولیس کے نام پر وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

''اگر تم بے قصور ہو تو جھوٹ کیوں بول رہے ہو، کیا یہی یہاں آ کر رہتی ہے۔'' جواد کے لہجے کی سختی مزید بڑھ گئی۔

''صاب ام ملازم ہے مالک کے حکم پر سر جھکانی پڑتی ہے۔ انہوں نے کہا کسی کو ان کے بارے میں نہیں بتانا۔''

''اس کا مطلب ہے یہی اس گھر کی مالک ہے اب۔''

''صاب ام کو معاف کر دو ام اپنی نوکری کے واسطے تھوڑی جھوٹ بولتی، ام کو معاف کر دو۔'' امیر گل گڑگڑانے لگا۔ غریب آدمی تھا پولیس تھانے کے چکروں سے بچنا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے تمہیں معاف کر دیں گے مگر تمہیں اب وہ کرنا پڑے گا جو ہم کہیں گے۔'' جواد کے نرم پڑتے رویے پر امیر گل نے اثبات میں گردن ہلائی۔ جواد نے امیر گل سے کہہ کر اس کا سارا کاٹیج کھلوایا اور ہر کمرے کا جائزہ اپنی تیز اور باریک بین نگاہوں سے لیا۔ ویڈیو کیسٹ میں اسی گھر کی عکاسی تھی۔ وہی سیٹنگ تھی۔ یہاں اعتزاز کی کافی اشیاء، اس کے ملبوسات، اس کے شوق کی ہر چیز موجود تھی اور خواتین سے متعلق بھی کافی ساز و سامان تھا۔ وارڈ روبز ملبوسات سے بھری ہوئی تھیں۔ کاسمیٹک، زیورات ہر چیز موجود تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ گھر شادی شدہ جوڑے کے زیر استعمال ہو۔ اعتزاز کے ہی بیڈ روم کی ایک الماری سے کسی رومانہ آفاق کے ساتھ اعتزاز کا نکاح نامہ بھی موصول ہوا تھا اور چند دستاویز کی فوٹو اسٹیٹ بھی ملی تھیں جن میں ایک دستاویز اس کاٹیج کے مالکانہ حقوق رومانہ آفاق کو منتقل کرنے کی بھی تھی۔ جواد کی الجھنیں جیسے سلجھنے لگی تھیں۔ رشمان ہی رومانہ آفاق تھی اور شاید اسی نے اعتزاز کو پھانس کر انجام تک پہنچایا تھا۔ اعتزاز کے کاٹیج میں فون ٹیپ کرنے کے ضروری انتظام کرنے اور امیر گل کو اچھی طرح سمجھانے بجھانے کے بعد وہ بوجھل طبیعت لیے ریسٹ ہاؤس میں واپس آیا۔ اسے کسی طرح

میر سجاول کو گھیرنا تھا۔ امیر گل نے بتایا تھا کہ اکثر کسی صاحب کا فون آتا رہتا ہے۔ وہی رومانہ آفاق کی آمد کی اطلاع بھی دیتا ہے اور کاٹیج کے حوالے سے ہدایات بھی دیتا رہتا ہے۔ کچھ دن قبل ہی اس نے امیر گل کو فون کیا تھا اور کسی بھی دن رومانہ کی آمد کی اطلاع بھی دی تھی۔ جواد کو یقین تھا کہ اب رومانہ تو یہاں نہیں آ سکے گی البتہ میر سجاول کی آمد متوقع تھی۔ میر سجاول کو گھیرنے کے بعد ہی وہ معاملات کی تہہ تک پہنچ سکتا تھا۔

اگلے دو دن میں جواد نے میر سجاول کے بارے میں کافی معلومات اکٹھی کر لی تھیں اور اسے اعتزاز کی زندگی کے آخری دنوں میں میر سجاول کے ساتھ کشیدہ تعلقات کا بھی علم ہو گیا تھا۔ رومانہ یا رشمان دونوں دوستوں کے درمیان کشیدگی کی اصل وجہ تھی۔ رشمان کے لیے جواد کے دل میں نفرت کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رشمان کی اس سے وابستگی و رشتے داری کا مقصد کیا تھا۔ کیا وہ جانتی تھی کہ ایک دن وہ بے نقاب ہو جائے گی۔ اپنے بچاؤ کی ترکیب اس نے پہلے ہی سوچ لی تھی یا پھر جو اس کے ساتھ شریک کار تھا اس کے ذہن کی یہ شاطرانہ چال تھی کہ جواد اپنی اور اپنے خاندان کی عزت کی خاطر اسے بے نقاب نہیں کرے گا مگر ان کی چالیں ان کی سوچیں الٹنے کا مصمم ارادہ جواد کے ذہن میں سما گیا تھا وہ صرف اپنے لیے مجرموں کو کھلی چھٹی نہیں دے سکتا تھا۔ اسے ہر حال میں رشمان اور اس سے وابستہ ہر چہرے کو بے نقاب کرنا تھا۔ اعتزاز کے کاٹیج کے اردگرد مقامی پولیس کے سفید پوش اہلکار تعینات کروانے کے باوجود جواد کو اطمینان حاصل نہ تھا۔ اس کے لیے ایک ایک پل صدی کے برابر گزر رہا تھا۔ اب سے پہلے اس کے اندر ایسی بے کلی نہیں رہی تھی۔ انتظار کی کوفت و جھنجلاہٹ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ امیر گل نے کہا تھا کہ وہ آنے والی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ نہیں آئے گی اسے صرف میر سجاول کا انتظار تھا۔ جو اپنے آنے کی اطلاع دے چکا تھا اور اسی کا انتظار تو صبر آزما بنا ہوا تھا۔ کاٹیج سے کئی ثبوت اس کے خلاف بھی ملے تھے۔ یہاں سے ملنے والا غیر قانونی سامان اس کی سرگرمیاں و مقاصد واضح کرتا تھا۔ تبھی جواد کو ان پر شک نہیں یقین ہو چلا تھا۔

جواد معمول سے ہٹ کر کئی دنوں بعد کاٹیج کی طرف آیا تھا۔ سورج کی نارنجی کرنیں وادی پر حسن لٹا رہی تھیں۔ سارے ماحول پر فسوں پھیلا ہوا تھا۔ پہاڑوں کا یہی حسن، یہی سحر یہاں آنے والوں کو جکڑ لیتا تھا۔ کاٹیج کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے جیسے وہ بھی اس سحر سے مسحور رہا تھا۔ اس کے کبیدہ ہوتے ذہن و دل بلکہ حواسوں پر بھی یہ فضا وقتی طور پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ تبھی تیزی سے اپنی طرف آتے امیر گل کو دیکھ کر وہ راستے میں ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

امیر گل چند لمحوں میں ہی قدرے ناہموار سانس کے ساتھ اسے جو پیغام دے رہا تھا وہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔

''صاب، بیگم صیب ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا ہے۔ ام بڑی مشکل سے آپ کو بتانے آیا ہے۔ وہ ام پر بوت (بہت) ناراض ہے معلوم نہیں کیوں۔''

''وہ اکیلی ہے یا کوئی اور بھی ساتھ ہے۔'' ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ وہ یہاں کیسے آ سکتی ہے۔ اس کے آگے بڑھتے ہوئے ہر قدم میں کچھ لرزش سی تھی۔ رشمان کی یہاں آمد کا سوچ کر اس کے اعصاب کھنچنے لگے تھے۔ سوچیں آکٹوپس کی طرح اسے جکڑنے لگی تھیں۔ امیر گل نے نہ جانے اسے کیا جواب دیا تھا۔ وہ کہاں سن رہا تھا۔ وہ تو اپنے احساسات کے گھیرے میں تھا اگر رشمان یہاں آئی ہے تو اب اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ البتہ اس نے خود کو سنبھالنے اور سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ ابھی اسے اپنے آپ کو اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر حقائق سے پردہ اٹھانا ہے۔ کاٹیج کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے وہ نہ صرف خود کو سنبھال چکا تھا بلکہ خود کو کسی بھی قسم کی صورتِ حال کے لیے تیار بھی کر چکا تھا۔ جواد بے دھڑک کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا مگر اگلے ہی پل اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔

''ارے کہاں گھسے چلے آرہے ہو، کون ہو تم..... امیر گل..... امیر گل۔'' چنگھاڑتی ہوئی نسوانی آواز نے اسے رکنے پر مجبور کیا تھا اور وہ ٹھٹک کر جسے دیکھ رہا تھا وہ کوئی انہونی تھی۔ جس نے اسے چند لمحوں کے لیے گنگ کر دیا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں حد درجہ پھیل گئی تھیں۔ ہونٹ سختی سے آپس میں پیوست ہو چکے تھے اور اس کے دونوں ہاتھ بھی پشت پر بندھے تھے مگر انگلیوں کی اضطراری جنبش اس کی ذہنی و جذباتی کشمکش کی غماز تھیں۔ اس کا ذہن و دل سامنے کھڑی مجسم حقیقت کو ماننے سے انکاری تھا۔

''اے مسٹر کون ہو تم، کس کی اجازت سے اندر آئے ہو۔'' اب وہ بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ لہجے کی اجنبیت، نقوش کے غیر شناسا تاثر نے جواد کو حواسوں میں واپس آنے میں مدد دی۔ ذہن کی انکی مشین بھی حرکت میں آ گئی اور حقیقت کو ماننے لگی۔ وہی چہرہ، وہی نقوش آواز کا تاثر بھی ملتا جلتا تھا جو بدلاؤ تھا بھی تو شاید لہجے میں بس کرختگی و اجنبیت کی وجہ سے تھا۔ دل کے کسی کونے میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ اس کے اس روپ کو دیکھنے کی کوشش و تمنا کے باوجود وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

''یہ اعتزاز بخاری کا کاٹیج ہے اور میں اس کا دوست ہوں۔'' جواد نے بہ مشکل اپنے لہجے کو سنبھالا۔

''مسٹر مجھے آپ کے اس کے دوست ہونے پر کوئی شک نہیں ہے لیکن اب یہ کاٹیج اعتزاز کا نہیں میرا ہے۔ آپ اپنا شک دور کر لیں اور آئندہ بنا اجازت اندر آنے کی کوشش مت کیجیے گا ورنہ.....'' جرأت و دلیری کا عجیب مظاہرہ تھا۔

جواد کا ذہن فوراً فضہ انصاری کی طرف چلا گیا۔ وہ غیر ذمے دار نہیں تھی کہ اس کے حکم اور تنبیہہ کے باوجود ایک لڑکی اس کی گرفت سے نکل کر ایک نئے انداز کے ساتھ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی لیکن ایسا ہوا تو تھا۔ فضہ انصاری کی غیر ذمے داری کا ثبوت اس کے سامنے تھا۔ ''مجھے بھی تمہارے بارے میں کوئی شک نہیں ہے اور واقف تو تم بھی ہو مجھ سے مگر اب انجان بن رہی ہو۔ اس جگہ کی دعوے دار تم بن رہی ہو لیکن جہاں تک میرے علم میں ہے اس گھر کی دعوے دار یہ ہستی ہے۔'' جواد نے اسی گھر سے حاصل شدہ ایک تصویر اپنی جیب سے نکال کر اس کے سامنے لہرائی۔ یہ تصویر ایک عام نقوش کی مالک لڑکی کی تھی۔ جواد کو اس طرف جس بات نے متوجہ کیا تھا وہ اس کے آدھے چہرے پر پھیلے زخموں کے نشانوں نے کیا تھا۔ لڑکی کے چہرے پر ان نشانوں کے علاوہ کرب کی شدت بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اعتزاز کے ذاتی البم کی ایک تصویر کے اندر چھپی اس تصویر نے جواد کے تجسس کو ابھار دیا تھا۔ اعتزاز جیسے حسن پرست انسان کے پاس ایسی تصویر یا تصویر والی سے وابستگی اچنبھے کی بات تھی۔

''کو..... ن ہو تم.....'' رومانہ کے چہرے کے ساتھ آنکھوں کا رنگ بھی متغیر ہوا تھا۔ وہ اس وقت گہرے براؤن رنگ کے لینز لگائے ہوئے تھی جب کہ جواد نے اس کی آنکھوں کا اصل رنگ دیکھا تھا اور وہ ان گہری سیاہ جھیلوں میں ہی تو ڈوبا تھا۔ جواد کو اس کا تغیر کھٹکا تھا۔

''پہلے تم بتاؤ، تمہاری شناخت کیا ہے۔ رشمان امل ہو یا رومانہ آفاق یا کوئی اور نام بھی ہے تمہارا۔''

''شٹ اپ، تم جو کوئی بھی ہو آرام سے یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں پولیس کو فون کروں گی۔ اس طرح میرے گھر میں زبردستی گھسنے کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ امیر گل، امیر گل کہاں مر گئے ہو۔'' اس نے اپنی آواز میں دھمکی کے ساتھ گرج بھی پیدا کی۔

''مجھ پر تمہاری دھمکیاں اثر نہیں کریں گی۔ تم مت بھولو کہ میں تمہاری اصلیت سے واقف ہوں۔''

''اچھا..... کیا، کیا جانتے ہو تم میرے بارے میں، میں بھی تو سنوں۔'' اگلے ہی پل وہ نہ صرف خود کو سنبھال چکی تھی بلکہ تمسخرانہ انداز سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

جواد کا چہرہ اس کے پُراعتماد انداز پر سرخ ہو گیا۔ اپنی اسی کیفیت میں وہ چند قدم بڑھا

کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا اور پھر اس کے بازو کو اپنے ہاتھ کے شکنجے میں جکڑ کر اسے اپنا آپ یاد دلانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی کوشش کے جواب میں ایک زوردار تھپڑ جواد کے رخسار کے ساتھ اس کے وجود میں بھی آگ لگا گیا۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ اس کی قید میں اسیری نہیں کاٹ رہی بلکہ اس کے اختیار کی تمام حدود پار کر کے اپنی خود اعتمادی اور حسن کے غرور کے ساتھ آزادی و بے باکی سے کھڑی ہے۔

''امیر گل..... امیر گل۔'' اس بار امیر گل مجبوراً سامنے آیا تھا۔ ''اس آدمی کو دھکے دے کر باہر نکالو۔ تم نے کس کی اجازت سے اسے اندر گھسنے دیا تھا۔ یاد رکھو آئندہ تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ نکالو اسے باہر۔'' وہ امیر گل پر برس رہی تھی جب کہ امیر گل متغیر سا کبھی جواد کو دیکھ رہا تھا اور کبھی اپنی مالکن کو وہ کشمکش میں تھا کہ کس کے حکم کی تعمیل کرے۔

''میں یہاں سے جاؤں گا، ضرور جاؤں گا لیکن تمہیں اپنے ساتھ لے کر۔''

''وہاٹ.....؟ آر یو میڈ..... تم ہو کون مجھ پر اس طرح حق جتانے والے۔'' جواد نے خود کو قابو میں رکھنے کے لیے بہت ضبط سے کام لیا تھا ورنہ اس کی ایسی جرأت پر اسے رگید کر رکھ دیتا ابھی وہ اس کے سارے رنگ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک جا سکتی ہے۔

''رشان تم جتنے بھی نقاب بدل لو مگر اصلیت تمہیں آخر بتانا پڑے گی ورنہ میں تمہاری ماں سمیت تمہارے سبھی چاہنے والوں کو بھی اریسٹ کروا دوں گا۔''

جواد کی بات کے جواب میں اس کا بلند قہقہہ فضا میں ارتعاش پھیلا گیا۔ ''مسٹر شاید نہیں یقیناً تمہیں کوئی شدید غلط فہمی یہاں تک لے آئی ہے نہ تو میرا نام رش..... م..... ا..... ن ہے اور نہ ہی میری کوئی ماں اس دنیا میں موجود ہے۔ پھر بھی اگر تمہیں میری ماں سے کوئی دشمنی نبھانی ہے تو اگلے جہان جاؤ اور اسے اریسٹ کر لو۔'' ایک اور بے ہنگم سا قہقہہ اس کے حلق سے ابلا تھا۔

جواد خود کو نارمل رکھنے میں دقت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے بے باک قہقہوں اور آواز کے بدلے تاثر نے اسے چونکا دیا تھا۔ ایسی دلیری وہ کسی برتے پر ہی دکھا رہی تھی اس کے پیچھے ضرور کوئی تھا۔ وہ جس طرح اس کی قید سے نکل کر یہاں تک آ گئی تھی اس سے اس کی ''پہنچ'' کا اندازہ اچھی طرح لگایا جا سکتا تھا۔ جواد نے اپنے ذہن کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے اس بار آئی ڈی کارڈ جیب سے نکال کر اس کے سامنے کیا۔ اس نے کارڈ پر نظر ڈال کر مزید چھوٹا سا قہقہہ لگایا اور پھر اطمینان سے بیٹھ کر بولی۔

''اوہ..... تو یہ دھونس، یہ دیدہ دلیری اپنے عہدے کی وجہ سے دکھائی جا رہی تھی۔ خیر بیٹھیے! یہاں کس سلسلے میں آنا ہوا۔''

''سلسلہ تو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ میں اعتزاز کے قتل کی انوسٹی گیشن پرسنلی کر رہا ہوں اور میں آخری بار تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تمہارا اعتزاز کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ تم اسے کب سے جانتی ہو اور اس کے گھر میں کیا کر رہی ہو۔'' جواد نے بہ مشکل خود کو اس کے سامنے بیٹھنے پر آمادہ کرتے ہوئے خاصے ضبط سے اس سے پوچھا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس کی اس شاندار اداکاری پر ایک پل سے پہلے اسے ختم کر ڈالے۔

''ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان کسی تعلق کے بندھنے کے لیے ایک پل ہی کافی ہوتا ہے۔ ایک پل کی شناسائی پر ایک عمر لٹائی ہے۔'' اس کے لبوں پر قاتل مسکراہٹ بکھر گئی۔

جواد مٹھیاں بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے سیدھی طرح جواب دو ورنہ۔''

''ورنہ..... ورنہ کیا..... آفیسر ایک تو تم بلا جواز میرے گھر میں گھس آئے ہو اور مجھے دھمکا کر پریشان کر رہے ہو آخر تم چاہتے کیا ہو۔ جانتے ہو تمہارے اس طرح کے رویے کا انجام بہت برا ہو گا۔'' وہ اس سے نہ تو خائف تھی اور نہ ہی اس کے رعب میں آ رہی تھی۔

جواد کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔ وہ اپنا مکمل انتظام کر کے ہی اس کے مقابل آئی تھی۔ اسے رہ رہ کر فضہ انصاری پر غصہ آ رہا تھا۔

''برے انجام کی پرواہ تمہیں ہونی چاہیے، یہ گھر جہاں تم کھڑی ہو یہ اعتزاز نے کبھی تمہارے نام نہیں کیا تھا۔ میری معلومات کے مطابق یہ عورت ہی اس گھر کی مالک ہے اور میں تصدیق بھی کر چکا ہوں۔'' جواد نے پھر سے بدصورت چہرے والی تصویر اس کے سامنے لہرائی تو وہ جیسے چیخ اٹھی۔

''جھوٹ ہے یہ، یہ میرا گھر ہے۔ اعتزاز بخاری نے مجھ سے شادی کی تھی، میرے پاس سارے ثبوت ہیں۔'' وہ تیزی سے الماری کی طرف بڑھی۔

جواد اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا اور بالکل چوکنا کھڑا تھا۔ اس نے کسی بھی قسم کی حماقت کیے بغیر کاغذات اسے لا کر تھمائے۔ جواد نے اس کے ہاتھوں کی لرزش واضح طور پر محسوس کی تھی۔ اس کے ہاتھ دیکھ کر ذہن میں کچھ کھٹک ہوئی تھی لیکن اس وقت ہر سوچ جھٹک کر رومانہ یا رشان کی اصلیت کا پردہ چاک کرنے کی کوشش میں تھا۔ یہ کاغذات فوٹو اسٹیٹ نہیں تھے لیکن جواد کو اب بھی ان کے اصلی ہونے پر شبہ تھا۔ اس نے جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ ''اونہہ..... تو اعتزاز نے تم سے شادی کر لی تھی اگر ایسا تھا تو تم اس کے قتل کے بعد اس کے گھر کیوں نہیں گئیں۔ اپنا آپ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اپنے شوہر کے قاتلوں کو پکڑوانے کے لیے تم نے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا۔ یہ خاموشی تمہارے جرم کا اعلان کرتی ہے۔''

''اعتزاز تب ہمارے رشتے کو کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کی ہر خواہش کی پابند تھی اور ابھی تک پابند ہوں۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں کس کس کو بتاتی کہ میرا اس سے کیا رشتہ تھا۔ کون یقین کرتا۔'' وہ سنجیدہ ہی نہیں آبدیدہ بھی ہو گئی تھی۔

جواد نے اس بار اسے عجیب نظروں اور تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ دیکھا۔ عورت کے اس روپ سے اس کا واسطہ ہی کب پڑا تھا۔ جو پل پل رنگ بدلتی ہے۔ ''تم اب آنسو بہاؤ یا بین کرو یقین تو اب بھی کوئی نہیں کرے گا۔ رومانہ آفاق..... تمہاری اصلیت ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ کاغذات جعلی ہیں۔ تمہارا اعتزاز سے رشتہ جھوٹا تھا اس سے ہر تعلق فریب تھا۔ اگر تم نے اپنے جرموں کا اعتراف ابھی بھی نہیں کیا تو میں تمہیں سیدھا پھانسی کے تختے پر پہنچا دوں گا۔ اب بھی بتا دو کہ تم نے اعتزاز کا قتل کس کے کہنے پر اور کیوں کیا تھا۔ ہمارے ساتھ تعاون کرو گی تو سزا میں ترمیم ہو جائے گی ورنہ.....''

''شٹ اَپ..... یہ الزام ہے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔'' وہ آگ بگولہ ہو کر چیخی۔

''ابھی چیخ لو پھر تمہیں بولنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ میں یہ کاغذات لے کر جا رہا ہوں۔ اب تم اس گھر سے باہر نہیں جا سکتیں۔ گھر سے باہر پہرا ہے اگر تم نے کسی قسم کی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو وہیں کسی سپاہی کی گولی کا نشانہ بن جاؤ گی۔'' جواد کے سنگین لہجے نے اس کے چہرے کی سرخی کو سپیدی میں بدل دیا تھا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو۔'' اس کے لہجے میں شکستگی تھی۔

''تمہارا یہ اعتراف کہ اعتزاز کے قاتلوں کے ساتھ تم بھی تھیں۔''

''یہ جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''مان جاؤ گی، تم بھی مان جاؤ گی۔ میر سجاول تو مان ہی گیا ہے کہ.....'' جواد نے رک کر اس کے تاثرات بھانپے۔ وہ حیرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھ اور سن رہی تھی۔ جواد نے ایک تکا لگایا تھا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ وہ ایک دم ہی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ جواد اسے اسی حالت میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ ابھی اس کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ سیدھا ریسٹ ہاؤس میں آ کر ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا اگر اس کیس میں اس کی ذات ملوث نہ ہوتی تو شاید وہ اس قدر بے سکون اور مضطرب نہ ہوتا۔ بار بار اپنے جذبات کو قابو کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا لیکن اسے اس مشکل سے نکلنا اور سرخرو ہونا تھا۔ اپنی زندگی کا یہ تماشہ اس کے لیے رنج والم بڑھا رہا تھا۔ رشان کا یہ فریب اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اعصابی تناؤ ذہن کو بھی مفلوج کر رہا تھا۔ ریسٹ ہاؤس میں بیٹھ کر چائے پینے کے دوران بھی بجائے

تسکین کے بے اطمینانی سی اس کے رگ و پے میں اُتر رہی تھی، فضہ انصاری سے اس کی صبح ہی بات ہوئی تھی اور اس نے رشان کی سیریس کنڈیشن کا بتا کر اس سے ہسپتال منتقل کرنے کی اجازت مانگی تھی مگر جواد نے یہ کہہ کر ''اسے مرنے دو'' فون بند کر دیا تھا اور اب وہ اس سے مل کر اس سے باتیں کر کے اس کا نیا روپ دیکھ کر آ رہا تھا۔ اعصاب تو چٹخنے ہی تھے۔ روح میں اضطراب تو پھیلنا ہی تھا۔ فضہ انصاری کے لیے اس کے دل میں غصہ ہی غصہ بھر گیا تھا۔ وہ اس سے باز پُرس کرنے کے لیے اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہوا۔ فضہ انصاری کے کئی پیغامات تھے۔ جواد نے اس کی مجبوری کا رونا سننے کے لیے اور کچھ اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے خود ہی فضہ انصاری کو فون کیا۔

''تھینکس گاڈ، سر شکر ہے آپ نے فون کر لیا۔ میں کب سے ٹرائی کر رہی تھی۔ سر میں آپ کی حکم عدولی کی سزاوار ہوں مگر میں اس لڑکی رشان کو.....'' فون پر رابطہ ہوتے ہی فضہ انصاری جلدی جلدی بولنے لگی۔

جواد کے دل کی دھڑکن مزید تیز ہو گئی، کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں لیکن فون پر وہ اپنے غصے کا بھرپور اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی اس کے لہجے میں غصے کی آمیزش تھی باوجود ضبط کے۔

''کس کی اپروچ تھی، اس کام کے لیے آپ کو کتنا معاوضہ ملا ہے مس انصاری۔''

''سر!..... آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' اس کی آواز میں حیرت واستعجاب کے علاوہ کچھ دکھ بھی تھا۔

''آپ کے پاس سے وہ اتنی آسانی سے خود تو نہیں نکل سکتی تھی۔'' جواد نے غصے سے چیختے ہوئے لہجے میں کہا تو اس بار برملا اپنی حیرت و دکھ کا اظہار کرنے لگی۔

''سر! آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں؟ آپ جانتے ہیں ایمانداری میرا پہلا اصول ہے۔''

''تبھی تو مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسی خاتون آفیسر کی موجودگی میں وہ وہاں سے نکل گئی اور.....''

''سر وہ خود نہیں نکلی ہے اسے میں نے ہاسپٹلائز کیا ہے۔''

''وہاٹ.....'' اس بار جواد کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''سر! میں آپ کو انفارم کر چکی تھی اس کی کنڈیشن اچھی نہیں تھی۔ آج صبح اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تو مجھے مجبوراً اسے ہاسپٹلائز کرنا پڑا۔'' فضہ انصاری اسے کیا بتا رہی تھی یقین اسے اب بھی نہیں آ رہا تھا۔ شاید فضہ اس کے فرار کی کوئی کہانی بنا کر آہستہ آہستہ اسے باخبر کرتی۔ بدگمانی نے اسے مزید الجھا دیا اور بے یقینی نے پھر سے اپنا آپ ظاہر کیا۔ ''تمہارے

کہنے کا مطلب ہے رشمان اس وقت ہسپتال میں ہے۔"

"جی سر اور اب بھی اس کی کنڈیشن سیریس ہے میں آپ کو ہسپتال سے ہی فون کر رہی ہوں۔ گزشتہ روز ہی مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کی....."

"ان باتوں کی وضاحت آ کر ہو گی۔"

"سر آپ کو میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو آپ خود ڈاکٹر سیما سے بات کر لیں۔" جواد کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فضہ انصاری نے رسیور ڈاکٹر سیما کو تھما دیا۔ ڈاکٹر سیما نے مریضہ کے بارے میں جو تفصیلات دیں تو وہ مزید پریشان ہو گیا۔ وہ ابھی رشمان سے مل کر آ رہا تھا اور ایک خبر اسے یہ بھی مل رہی تھی کہ رشمان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے اور وہ ہسپتال میں پڑی ہے۔ وہ کس کا یقین کرے، کس پر اعتبار کرے، اپنی آنکھوں کا کہ فضہ انصاری کے لفظوں کا۔ رشمان وہاں موت و حیات کی کشمکش میں ہے تو ابھی وہ جو اس سے اپنی زندگی کی ساری توانائیوں سمیت ہم کلام تھی وہ کون تھی؟ یہ سوال اس کے اندر باہر چکرا رہا تھا۔ ایک نیا سراب، ایک نیا فریب اس کے لیے الجھاؤ لے کر آیا تھا۔ جواد نے ماتھے کو انگلیوں سے ملتے ہوئے کچھ دیر پہلے اپنے سامنے آنے والی رشمان یا رومانہ آفاق کو نئے سرے سے سوچا۔ وہ ہو بہو رشمان ہی تھی۔ چہرا، قد ویسا ہی، بس ذرا آواز کا تاثر بدلا ہوا تھا اور یہ کوئی قابلِ اعتراض نکتہ نہ تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ حنائی ہاتھ، ہاں وہ ہاتھ رشمان کے نہیں تھے۔ جن ہاتھوں سے اس نے دستاویزات لی تھیں ان میں مہندی کے خوبصورت نقش و نگار تو کیا رنگِ حنا کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ ہاتھ رشمان کے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ بدگمانی کا پردہ چاک ہوا تھا۔ سارے جذبات سارے ارمان اس کی دھڑکنوں میں دھڑکنے لگے تھے۔ اس کی محبت، اس کی چاہت وہ ہستی نہیں تھی جسے اس نے دوسرے روپ میں دیکھا تھا۔ جس کے وجود تو کیا سائے سے بھی اس نے نفرت محسوس کی تھی۔ رشمان سے اپنے رویے پر کئی پچھتاوے درد بن کر لہو میں گردش کرنے لگے تھے۔ اگلے ہی لمحے اس نے فضہ سے دوبارہ رابطہ کیا اور رشمان کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور پھر اس کے عزم و حوصلے مزید جوان ہو گئے۔ پہلے بھی اس نے اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنی ذات کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور اب تو اسے ہر حال میں سرخرو ہونا تھا۔ اس نے رومانہ آفاق کے لیے جو جال بچھایا تھا اس میں وہ جلد ہی پھنس جائے گی۔ رومانہ کا اگلا قدم میر سجاول سے رابطہ تھا اور جواد، میر سجاول تک ہی تو پہنچنا چاہتا تھا۔ جواد کو پورا یقین تھا میر سجاول رومانہ کو یہاں سے نکالنے ضرور آئے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔

رات کے اندھیرے میں رومانہ کسی کے ساتھ نکلنے کی کوشش میں ناکام ہو کر پولیس کے

ہاتھوں گرفتار ہو گئی تھی۔ البتہ میر سجاول تک پہنچنے کے لیے پولیس اہلکاروں کو ابھی تگ و دو کرنا تھی۔ رومانہ بے وقوفی میں فون پر اپنے بہت سے راز افشا کر چکی تھی۔ جواد کے لیے ٹیپ شدہ فون ہی اس گتھی کو سلجھانے کا پیش خیمہ بنے تھے۔ رومانہ آفاق کو وہ واپس شہر لے آیا تھا۔ یہاں آ کر اسے کارروائی مکمل کرنا تھی اس لیے اس نے تفتیش کا نئے سرے سے آغاز کیا تھا۔ رومانہ سے اعترافِ جرم کروانے کے ساتھ اسے ایک معمہ بھی حل کروانا تھا اور وہ معمہ تھا رشمان اور رومانہ کا ہم شکل ہونا۔ رومانہ سیدھی طرح کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں تھی۔ وہ مسلسل ہر بات کو جھٹلا رہی تھی۔ مجبوراً جواد کو اس کے ریمانڈ کا آرڈر لینا پڑا تھا۔

وہ اتنی سخت جان نہیں تھی کہ مسلسل ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی۔ پولیس کی سختیاں سہنا اس کے بس کا روگ کہاں تھا۔ تین دن کی اذیتوں کے بعد آخر وہ چلا اٹھی تھی۔ "میں بتاتی ہوں۔ بتاتی ہوں خدارا مجھے اس طرح اذیت مت دو۔" وہ ٹوٹ کر بکھری تھی۔

فضہ انصاری کے کہنے پر لیڈی کانسٹیبل نے اس کی گھومتی ہوئی کرسی کو ساکت کر دیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد جب وہ سنبھلی تو جواد کے سامنے بیٹھی اعترافِ جرم ریکارڈ کرا رہی تھی۔

"ہاں میں مجرم ہوں۔ میں نے بہت سے جرم کیے ہیں لیکن مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ میر سجاول بھی میرے ساتھ برابر کا شریک ہے بلکہ اس راہ پر میرا ہاتھ تھام کر وہی لے کر آیا ہے۔" ماحول میں گہرا سکوت تھا۔ صرف رومانہ آفاق کی سانسوں اور بولنے کی آواز سکوت میں انتشار پھیلا رہی تھی۔ جواد بظاہر بہت صبر و ضبط سے بیٹھا اسے سننے کے لیے متوجہ تھا لیکن اس کے اندر بہت بے چینی و اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ میز پر ٹیپ ریکارڈر آن تھا۔ مووی کیمرہ بھی رومانہ کو فوکس کیے ہوئے تھا۔ وہ کشمکش میں بول رہی تھی۔ "یہ جو میرا خوبصورت چہرہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ دراصل میرا نہیں ہے۔ یہ ایک پردہ ہے ایک نقاب ہے میری بدنمائی پر ایک سراب ہے ایک فریب ہے۔ میں وہی بدنما چہرے کی مالک ہوں جس کی تصویر آپ نے مجھے دکھائی تھی۔"

جواد اس طرح چونکا جیسے اس نے غلط سنا ہو۔ قریب بیٹھی فضہ انصاری نے بھی بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ بھی تمام صورتِ حال اور سچائی سے آگاہ ہو چکی تھی۔

"آپ کی حیرتیں بجا سہی لیکن یہی حقیقت ہے۔ میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گی، سب کچھ۔"

"مجھے زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ میرے پاپا آفاق ہمدانی کا ملک اور بیرون ملک میں وسیع کاروبار تھا۔ انہوں نے ہمیشہ میرا بہت خیال رکھا۔ میری ہر خواہش پوری کی۔

میری تعلیم و تربیت میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پاپا کی محبت میں بھی مجھے اپنی ماما کی بہت کمی محسوس ہوتی تھی۔ یہ سب باتیں آپ کے لیے کوئی مقصد کوئی مطلب نہیں رکھتی ہوں گی۔ میں وہاں سے بتاتی ہوں جہاں سے میری زندگی نے اس طرح کروٹ لی کہ نہ تو مجھے سنبھلنے کا موقع ملا اور نہ ہی سمجھنے کا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں سینئر کیمرج کے بعد اپنی دوستوں کے ساتھ انہی کے کہنے پر پاکستان کے خوبصورت ترین مقامات کی سیر کے لیے نکلی تھی۔ میری زندگی میں تکلیف، دکھ، کرب جیسے لفظوں کا گزر نہیں تھا لیکن ایک حادثے نے نہ صرف مجھے ان لفظوں کے معنی سمجھا دیئے تھے بلکہ ان لفظوں میں چھپی بے بسی کو بھی مجھ پر واضح کر دیا تھا۔ سیر کے دوران ایک پہاڑی سے پھسلتے ہوئے میرے وجود کے کئی حصوں کے ساتھ میرے چہرے کا آدھا حصہ بھی مسخ ہو گیا تھا۔ میں فطرتاً حسن پسند واقع ہوئی تھی۔ اپنے چہرے کی بدنمائی میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی تو دوسروں کے لیے میں کس قدر ناقابلِ برداشت ہوں گی اس کا احساس مجھے ہر وقت ڈستا رہتا تھا۔ میں زندہ دل زندگی کو صحیح انداز میں جینے والی لڑکی تھی۔ مگر اس حادثے نے مجھ سے جینے کی ہر امنگ چھین لی تھی۔ میں پہلے بھی کچھ زیادہ حسین نہیں تھی میرے چہرے کا آدھا حصہ مسخ ہونے کے بعد اس نے میری رہی سہی کشش بھی مٹا دی تھی۔ پاپا نے میرے علاج کے لیے بہت کوشش کی تھی۔ ملک کے ہر بڑے ڈاکٹر سے رابطہ کر کے میرے چہرے کو اصلی حالت میں لانے پر اصرار کیا تھا۔ یہاں کے کئی ڈاکٹرز نے تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ کچھ میں بھی چڑچڑی ہو گئی تھی۔ ہر بات کے سینکڑوں معنی نکالنے لگی تھی۔ بات بات پر رونے جھگڑنے لگی تھی۔ پاپا کو میری کیفیات نے پریشان کر دیا تھا۔ وہ مجھے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر وقت توجہ دینے کی خاطر وہ اپنا آپ، بزنس بھلا رہے تھے۔ ان کا بزنس عدم توجہ کی وجہ سے خسارے اٹھانے لگا تھا۔ تبھی ان کے کسی دوست نے ان کی پریشانی محسوس کر کے مجھے اپنے گھر، ماحول سے دور بھیجنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں خود بھی اس دنیا سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ جہاں ہر آنکھ میں میرے لیے رحم و ہمدردی بھری ہوتی تھی۔ وہ ہمدردیاں مجھے میری کم رُوئی و بدنمائی کا شدت سے احساس دلاتی تھیں۔ پاپا کی پریشانی اور اپنی اذیت کم کرنے کے لیے میں نے بھی فرار کا راستہ چن لیا تھا اور پھر میں پاپا کے ایک دوست کے شمالی علاقے میں واقع ریسٹ ہاؤس میں منتقل ہو گئی۔ وادی کے حسن اور لوگوں کی لاتعلقی نے میری بیزاری کو رفتہ رفتہ ختم کر دیا تھا۔ میں قدرت کی صناعی دیکھ دیکھ کر بہلنے لگی تھی۔ خدا کی کائنات میں حسن ہی حسن تھا مگر ہر حسن کی فنا بھی تھی۔ یہ سوچ کر دل دکھ سے بھر جاتا تھا پھر بہلنے بھی لگتا تھا۔ اس نے مجھ سے میرے

چہرے کا آدھا حسن چھینا تھا تو مجھے بہت کچھ عطا بھی کیا تھا۔ میرے لیے سب سے بڑھ کر اپنے پاپا کی محبت تھی۔ وہ میرے لیے، میری خاطر جی رہے تھے۔ پاپا کو میری بہت فکر تھی۔ وہ میرے چہرے کو اصلی حالت میں لانے کے لیے بیرون ملک بھی ڈاکٹرز سے رابطے کر چکے تھے۔ انہی کے دکھائے خوابوں نے مجھے زندگی کی طرف پلٹنے اور اس کی خوشیوں کو اپنے لیے محسوس کرنے کی لگن دی تھی۔ مجھ میں جینے کی لگن اس وقت زیادہ بڑھی جب میں نے اعتزاز بخاری کو پہلی بار اس وادی میں دیکھا۔ اس کی مردانہ وجاہت اور دل کش سراپے نے مجھے پہلی نظر میں ہی مسحور کر دیا تھا۔ کوئی کشش تھی جو مجھے اس کی جانب کھینچے لے جا رہی تھی۔ میرے دل میں اس کے قریب جانے کی خواہش دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی لیکن مجھے میری بدنمائی اس کے سامنے جانے سے روک بھی دیتی تھی۔ میں اپنی زندگی سے پھر سے بیزار ہو گئی تھی۔

پاپا ایک بار پھر میری وجہ سے پریشان ہو گئے تھے۔ میری دل جوئی کی خاطر انہوں نے میرے ساتھ وقت گزارنا شروع کر دیا تھا۔ تبھی وہ میرے اضطراب میرے جنون سے واقف ہو گئے تھے۔ میرے علاج کے لیے انہوں نے اس بار سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد بیرون ملک کئی ایک ڈاکٹرز سے رابطے کیے تھے۔ پاپا مجھے پھر سے جینے کی طرف راغب کرتے رہتے لیکن میرے دل میں ایک خیال ایک تمنا ایک جنون سا بسا رہتا کہ زندگی ہو تو صرف اعتزاز بخاری کے ساتھ۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کی لو جلتے دیکھتے ہوئے گزرے ورنہ زندگی نہ ہو۔ میری ناامیدی انتہا پر تھی تبھی اعتزاز بخاری کے ایک قریبی دوست میر سجاول سے سرِ راہ میری ملاقات ہو گئی۔ نہ جانے کیسے میر سجاول کو میری تمنا، میرے جنون کا ادراک ہوا تھا۔ وہ نہ جانے میری طرف کیسے مائل ہوا تھا میں نہیں جانتی تھی۔ میر سجاول، اعتزاز کا قریبی رازداں دوست تھا۔ وہ اعتزاز کے بارے میں بات کرتا تو بے پایاں سکون میرے اندر اُتر جاتا۔ میں نے بارہا میر سجاول سے کہا کہ میں اعتزاز کو بہت قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیا پتا میری محبت کی تپش سے وہ پگھل جائے اور شکل و صورت اس کے لیے ثانوی بن جائے۔ میں اپنے جنون و لگن میں اپنی ظاہری ''کمی'' کو جیسے فراموش کر چکی تھی تبھی میر سجاول نے اعتزاز کی خود پسند و حسن پرست فطرت کے کئی پہلوؤں سے پردہ اٹھا کر مجھے آئینے میں اپنا آپ دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میر سجاول کے لفظوں نے تلوار سے زیادہ تیز گھاؤ میرے دل پر لگایا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ ''سنو رومانہ آفاق! انسان زخمی ہو تو اسے اپنے لیے کسی مسیحا کو ڈھونڈنا چاہیے کسی جلاد کو نہیں۔ تم کیوں اس کی نظروں سے زہر پینا چاہتی ہو۔ وہ حسین چہروں کا پجاری ہے تمہاری کوئی خوبی اسے متاثر نہیں کر سکتی۔''

تب اپنا آپ مجھے پہلے سے بھی برا لگنے لگا تھا۔ مجھے اپنے وجود سے ہی نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ ایسے میں میر سجاول نے مجھے سہارا دینے کی کوشش کی۔ میر سجاول کی دلجوئی نے مجھے سنبھلنے کا موقع دیا تھا۔ وقتی طور پر میں اس کی طرف مائل بھی ہو گئی تھی لیکن دل کی لگی اعتزاز بخاری کو بھولنے نہیں دیتی تھی۔ میری ان کیفیات سے میر سجاول بھی واقف تھا۔ پھر بھی وہ میری بدنمائی کے باوجود میرے ساتھ وقت گزارنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کے ارادے میرے لیے کیا تھے یہ بہت بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ اس وقت میں اس کی دوستی، ہمدردی اور محبت کو دل سے محسوس کر کے شرمندہ بھی ہوتی تھی کہ مجھے وہ میرے وجود سے ہٹ کر صرف انسان سمجھتا ہے۔ جس کے اندر بہت محبت و گداز ہے۔

پاپا کی کوشش سے امریکہ کے ایک ڈاکٹر سے اپائنٹ منٹ ہو گئی تھی۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پاپا نے بتایا تھا کہ میں ایک نئے چہرے کی مالک بن سکتی ہوں۔ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہو جائے گا لیکن یہ حقیقت تھی اور میری زندگی کا نیا رخ۔ میر سجاول نے اس وقت بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ پاپا اپنے بزنس کی وجہ سے میرے ساتھ نہیں گئے تھے لیکن میر سجاول میرے ساتھ امریکہ تک گیا تھا بلکہ ہر قدم پر اس نے میرا ساتھ دیا تھا۔ یہ بات بھی مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئی کہ اس نے میرا اتنا خیال کسی ہمدردی یا انسانیت کے لیے نہیں بلکہ اپنی غرض کے لیے کیا تھا۔ میں امریکہ علاج کے لیے گئی تھی اور میرے ذریعے اس نے ہیروئن اسمگل کی تھی۔ اس وقت تو وہ میرے لیے ایک مسیحا تھا جس کی باتوں کے اثر نے میرے اندر نئی روح پھونک دی تھی۔ میں اس سے بے حد متاثر ہو چکی تھی۔ وہ میرے لیے جو کچھ کر رہا تھا کسی نے اس طرح میرے لیے نہیں کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے علم ہوا تھا کہ اپنے نئے چہرے کے لیے اپنی پسند کا انتخاب اگر میں کرنا چاہوں تو اس کا مجھے اختیار ہے۔ ورنہ ڈاکٹر میرے پہلے چہرے کو بھی بہتر حالت میں بنانے کو تیار تھا۔ میں خود کو خوبصورت ترین دیکھنے کی تمنا رکھتی تھی اور اس خواہش کے پیچھے ہنوز اعتزاز کو پانے کی لگن تھی۔ میں اپنے نئے چہرے کے ساتھ با آسانی اس تک رسائی پا سکتی تھی۔ میر سجاول کا کوئی جاننے والا تھا۔ جس کی کلر لیب میں پاکستانی فیملیز ہی زیادہ تر تصویریں ڈیویلپ ہونے کے لیے دیتے تھے۔ میر سجاول مجھے اس کلر لیب میں لے گیا۔ وہ اس کے مالک سے پہلے ہی بات کر چکا تھا۔ وہ بھاری رقم کے عوض اس بات کے لیے تیار ہوا تھا۔ بس مجھے ہی اپنے لیے کسی ایسے چہرے کو پسند کرنا تھا جو میرے خدوخال رنگت وغیرہ کے ساتھ میل کھا جاتا۔ اس معاملے میں ڈاکٹر نے بھی میری مدد کرنا چاہی تھی مگر مجھے جب خود کو اپنی پسند کے روپ میں دیکھنے کا موقع مل رہا تھا

تو میں وہ موقع کیسے گنوا دیتی، پھر مجھے اس کلر لیب میں اپنا گوہر مقصود مل گیا۔ ایک معصوم لڑکی کی مسکراتی تصویر مجھے بے حد پسند آئی۔ میر سجاول بھی اسے دیکھ کر گنگ ہو گیا تھا۔ میں جانتی تھی یہ مجرمانہ فعل ہے مگر اس وقت میری غرض اور میر سجاول نے میرے اندر اٹھنے والی سوچوں کو وقت سے پہلے ہی مار دیا تھا اور پھر میڈیکل سائنس نے اپنا کرشمہ دکھا کر مجھے ہی نہیں میر سجاول، پاپا بلکہ سبھی کو دنگ کر دیا تھا۔ فلموں میں ایسا دیکھا تھا، اخباروں میں پڑھا بھی تھا لیکن کبھی یقین نہیں کیا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور جب میرے ساتھ ایسا ہوا تو میرا یقین پختہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ اسی دنیا میں ہو رہا تھا اور میں بھی اب اسی دنیا کا حصہ تھی۔ میری دسترس سے کچھ بھی دور نہ تھا۔'' رومانہ آفاق سانس لینے کو رکی تھی۔

جواد کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو گیا۔ ساری کڑیاں ملتی نظر آئیں۔ اس کی محبت، اس کی چاہت، بے قصور سزائیں بھگت رہی تھی۔ اس کی نفرتیں سہہ رہی تھی کس کی خاطر، کس کی وجہ سے؟ صرف اس سامنے بیٹھی ہستی کی وجہ سے جس نے اپنی ایک تمنا، ایک خواہش کی تکمیل کے لیے نہ جانے کسے کسے برباد کیا تھا۔

''تم..... تم جانتی ہو تمہارے اس خود غرضانہ کھیل میں اس لڑکی کو کتنی اذیتیں سہنی پڑی ہیں۔ گناہ تم نے کیے اور سزائیں وہ کاٹ رہی ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے اسے سہاگ کی سیج سے اٹھا کر کانٹوں بھرے عقوبت خانے میں قید کر دیا گیا ہے صرف تمہاری وجہ سے۔'' جواد ذرا جذباتی ہو گیا۔ اس کی نظروں میں رشمان کا بار بار انکار کرنا آ رہا تھا۔ وہ سچی تھی اس لیے تو اب تک جھکی نہیں تھی۔ بس ٹوٹ کر بکھرتی جا رہی تھی۔

''تو کیا؟ تو کیا وہ لڑکی یہیں ہے۔ اسی ملک میں، میرا مطلب ہے آپ اسے کیسے جانتے.....'' رومانہ آفاق اس کی باتیں سن کر اس طرح بوکھلائی جیسے عزرائیل فرشتے نے اسے موت کا پروانہ دیا ہو۔ یک لخت ہی وہ پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔

''ہاں..... وہ یہیں ہے، اسی شہر میں ہے اور میری بیوی ہے لیکن صرف تمہاری وجہ سے وہ.....''

''سر پلیز کنٹرول یور سیلف۔'' فضہ انصاری حقیقتِ حال سے آگاہ ہو چکی تھی اس لیے اس نے جواد کے جذباتی انداز پر اسے ٹوکنا مناسب سمجھا۔

جواد کا اضطراب خون بن کر آنکھوں میں چھلک آیا تھا۔ پچھاوؤں کے سائے اس کے چہرے پر اندھیرا سا پھیلائے ہوئے تھے۔ کوئی بھی جان سکتا تھا وہ اس کشمکش میں رہ کر کتنی اذیتوں سے گزرا ہو گا۔ رومانہ بھی اس کا انداز دیکھ کر سہمی ہوئی تھی۔ قدرے سنبھلتے ہوئے اس

نے اپنا سلسلہ کلام جوڑا۔ ''میرے سارے جرم ہی ناقابلِ معافی ہیں اور شاید یہ جرم تو ہے ہی بہت بڑا کیونکہ میرے اس جرم کا خمیازہ کوئی اور بھگت رہا ہے۔ میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنا بیان پورا کروں۔ شاید پھر مجھے کچھ کہنے کی مہلت نہ ملے۔''

تم باتوں کو طول مت دو، حقائق بیان کرو۔'' فضہ انصاری نے اسے بری طرح جھڑک کر بیان پورا کرنے کے لیے کہا۔ جواد دوبارہ خود کو سنبھال چکا تھا اور اب پھر اس کی جانب متوجہ تھا۔

''میں اپنے آپ سے مجبور تھی۔ اپنی تمناؤں اور خواہشوں کے ہاتھوں بے بس تھی۔ میں اعتزاز کو پانے کی آرزو نہیں چھوڑ سکتی تھی جب کہ میر سجاول مجھے اس تک جانے سے روکنے کی کئی کوششیں کر چکا تھا لیکن پھر وہ جیسے میرے آگے ہار گیا تھا وہی مجھے اعتزاز سے پہلی بار ملانے لے کر گیا لیکن اس سے بھی پہلے اس نے میرے ساتھ کی گئی ہر مہربانی کی قیمت وصول کی تھی۔ میں اعتزاز کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔ مجھے اپنا آپ گنوانے کا کوئی ملال نہیں تھا۔ کیونکہ اعتزاز پہلی ملاقات میں ہی میری جانب ایسا کھنچا تھا کہ پھر مجھے میر سجاول کا خیال تک نہیں رہا تھا۔ اعتزاز کے لیے میری لگن میرے حساب سے سچی تھی تبھی اعتزاز نے چند ایک ملاقاتوں کے بعد ہی مجھے شادی کی آفر کی تھی۔ اس دوران مجھ پر میر سجاول کا اصل روپ بھی واضح ہو گیا تھا۔ میر سجاول بظاہر اعتزاز کا دوست تھا مگر ان میں کچھ بزنس کے تنازعات تھے۔ جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے سرد مہری سے ملتے تھے۔

میر سجاول کو جب میں نے بتایا کہ اعتزاز مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو پہلے تو وہ حیران ہوا۔ پھر اس نے مجھے اعتزاز کے بارے میں بدظن کرنے کے لیے بہت سے فسانے سنائے مگر میری ثابت قدمی میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ اعتزاز کو پا کے کھونا میرے لیے آسان نہ تھا وہ بھی میر سجاول جیسے انسان کے لیے جس نے میری کمزوری اور مجبوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ میری ثابت قدمی دیکھ کر میر سجاول نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اعتزاز سے شادی کر لوں گی تو وہ اعتزاز پر میری سابقہ بدنمائی کے علاوہ اپنے اور میرے تعلقات کو بھی عیاں کر دے گا اور اس کے لیے اس نے بہت سے ثبوت بھی تیار کر رکھے تھے۔ اس وقت میں ہراساں ہو گئی تھی اگر میر سجاول اعتزاز کو کچھ بھی بتا دیتا تو میں اس کی محبت، اس کی چاہت بلکہ اپنی زندگی کھو دیتی اور میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ میر سجاول کسی بڑی ڈیلنگ کے لیے ان دنوں ملک سے باہر جا رہا تھا۔ اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر میں نے اپنے قدم مضبوط کرنا چاہے تھے۔ اعتزاز بخاری کو میں نے اعتماد میں لے کر اپنے آدھے چہرے کی حقیقت سے آگاہ کر کے اس کی مزید محبتیں سمیٹ لی تھیں۔ اس کے لیے

میرے ماضی کی بدنمائی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی مگر میں اس سے، میر سجاول سے اپنے مراسم کا تذکرہ بھی نہ کر سکی۔ پھر اعتزاز اور میں نے چھپ کر شادی کر لی تھی۔ اعتزاز بھی اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا اور میں بھی میر سجاول کی وجہ سے اس شادی کو خفیہ رکھنے میں عافیت سمجھ رہی تھی۔ پھر بھی میر سجاول کو نہ جانے کیسے خبر ہو گئی تھی۔ اس کی وطن واپسی کے بعد میری زندگی میں ایک طوفان اٹھا تھا۔ اعتزاز کو بھی کسی نے میرے اور میر سجاول کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی تھیں جن کی بنا پر اعتزاز نے خاصی برہمی سے مجھ سے باز پرس کی تھی۔ میرے پاس اس کے ہر سوال کے جواب میں جوابی برہمی دکھانے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میرے مکرنے اور اپنی وفا کی یقین دہانی کروانے کے باوجود اعتزاز کا اعتماد مجھ پر سے اٹھ گیا تھا۔ وہ مجھ سے محبت کرتا تھا مگر میری مجبوری سننے اور سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ پھر اس کے پاس کسی نے چند ایسے ثبوت بھجوائے جس کے بعد اس نے مجھے اور میری محبت کو تین حرفوں کی بولی لگا کر نیلام کر دیا۔ میں چیخی چلائی اسے بتایا میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی مگر وہ اپنا فیصلہ سنا کر مجھ سے ہی نہیں ان فضاؤں سے بھی کنارہ کر کے اپنے ماں باپ کے پاس چلا گیا۔ تب ایک بار پھر میر سجاول میرا ہمدرد، میرا غمگسار بن کر سامنے آیا۔ اس نے قسمیں کھائیں کہ اس نے اعتزاز کو کچھ نہیں بتایا وہ تو خود اس بات سے پریشان ہے کہ اعتزاز کے پاس میری اور اس کی ایک ویڈیو کیسٹ بطور ثبوت موجود ہے۔ میر سجاول نے اس وقت بھی میری ذہنی رَو تبدیل کر دی تھی۔ مجھے بھی اعتزاز سے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر اب اعتزاز نے مجھے کھلونا بنانا چاہا تو.....

میر سجاول مجھے اعتزاز سے ایک بار ملنے اور اس کے ساتھ ویڈیو کیسٹ کے بارے میں بات چیت کرنے پر اکساتا رہتا تھا مگر اعتزاز کی نفرت بھری نگاہوں اور اس کے طنز بھرے طعنوں کو سہنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں تھا۔ میں نے اس کی محبت کی انتہا دیکھی تھی لیکن اس کی نفرتوں کی اتھاہ میں خود کو گرانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ پھر میر سجاول کے تقاضوں سے گھبرا کر میں نے اعتزاز سے ملنے کی ہامی بھر لی۔ میر سجاول نے میری ہمت بندھانے کے علاوہ اپنے حوالے سے بھی مجھے دھمکایا تھا۔ میں اپنا یہ روپ اپنے پاپا سے چھپانا چاہتی تھی تبھی میر سجاول کے اشاروں پر چلتی ہوئی اعتزاز کے گھر تک جا پہنچی۔ وہ گھر پر اکیلا تھا لیکن اس نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا۔ وہ میری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ میں زبردستی اس کے گھر میں نہیں گھس سکتی تھی مگر میر سجاول کو مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ میں نے میر سجاول سے جا کر ایک فرضی کہانی گھڑ کر سنائی، جس میں، میں نے اسے بتایا کہ اعتزاز نے ویڈیو کیسٹ دینے سے نہ

صرف انکار کر دیا ہے بلکہ مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی بھی دی ہے۔ میر سجاول نے میری حفاظت کے لیے مجھے جو ریوالور اعتزاز کی طرف جانے سے پہلے دیا تھا وہ مجھ سے لینے کے بعد اطمینان سے رہنے کی تسلی دی تھی لیکن پھر میرے نصیب میں اطمینان کہاں رہا تھا۔

اگلی صبح ہی اعتزاز کے قتل کی خبر اخباروں کے پہلے صفحے پر اجاگر ہو کر میری زندگی کی آخری امنگ بھی توڑ گئی تھی۔ میر سجاول کا شک مجھ پر تھا بلکہ اس نے کہا تھا کہ مجھے دیئے گئے ریوالور میں دو گولیاں کم تھیں۔ میں میر سجاول کے بدلے ہوئے رویے پر شاکڈ ہونے کے ساتھ پریشان بھی تھی۔ میں نے اسے حقیقت بتا دی تھی مگر وہ میرا اعتبار نہیں کر رہا تھا۔ پاپا کو بھی تمام باتوں کا علم ہو چکا تھا۔ وہ یہ صدمہ سہار نہیں سکے تھے۔ پہلا اٹیک ہی جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ میری دنیا مکمل اندھیری ہو چکی تھی اور مجھے میر سجاول کے آسیب نے بھی جینے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ میر سجاول نے مجھے سختی سے متنبہ کیا تھا کہ میں بھول کر بھی کبھی اعتزاز اور اپنے رشتے و تعلق کو کسی پر ظاہر نہ کروں اور جتنی جلدی ہو سکے ملک چھوڑ دوں۔ میں بے گناہ تھی میں نے اعتزاز کو قتل نہیں کیا تھا۔ میں اسے مار ہی نہیں سکتی تھی۔ میں نے اس سے محبت کی تھی۔ محبت تو زندگی دیتی ہے موت نہیں۔'' وہ اس بار سسکیوں کی بجائے ہچکیوں سے رونے لگی۔

فضہ انصاری، جواد اور عملے کے دو تین مزید اہلکار دم سادھے اس کا بیان سن رہے تھے۔

کچھ توقف کے بعد وہ خود کو سنبھال کر پھر سے گویا ہوئی۔ ''اور ملک چھوڑنے کے بعد میں اسی رستے پر چلی جس پر مجھے میر سجاول لے کر چلا۔ اس نے مجھے اپنے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنا لیا ہے یا پھر کوئی کھلونا سمجھ لیا ہے۔ اب بھی وہ یہاں ایک بڑی ڈیل کے لیے آیا ہے۔ وہ یہاں سے سب کچھ سمیٹ کر لے جانے کے لیے آیا ہے لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ اس بار اس کے راستے میں قانون کی دیوار کھڑی ہوگی۔ جو اسے آنے تو دے گی واپس جانے نہیں دے گی۔ آفیسر اسے چھوڑنا نہیں، وہ میرا تمہارا، اس ملک کا ہی نہیں پوری انسانیت کا دشمن ہے۔'' وہ اپنا بیان پورا کر کے شدت سے رونے لگی تھی۔

جواد اس پر ایک نگاہ پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ رومانہ آفاق کا اعترافِ جرم ہی کافی نہیں تھا ابھی تو اسے میر سجاول سے بہت کچھ اگلوانا اور اس کے خلاف مزید ثبوت اکٹھے کرنے کا مرحلہ تھا۔ وہ جانتا تھا وہ اکیلا نہیں تھا اس کے پیچھے بہت سے ہاتھ اسے سنبھالنے کے لیے بڑھنے والے تھے اور ان ہاتھوں کی پہنچ سے پہلے ہی اسے میر سجاول کو انجام تک پہنچانا تھا۔

رشان کے لیے اس کے مردہ جذبات پھر سے جی اٹھے تھے۔ اس کے خزاں ہوتے ارمان نویدِ بہار سے مہکنے لگے تھے۔ رشان کے ساتھ اپنے رویوں کا اسے ملال ضرور تھا مگر

اسے اس بات کی تسلی تھی کہ اس نے جو کچھ کیا تھا اپنے فرض سے مجبور ہو کر حقائق کو سامنے رکھ کر شواہد کی روشنی میں کیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا ایسا ہی کرتا مگر اس تسلی کے باوجود وہ رشان کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا۔ ہسپتال کے کمرے میں بیڈ پر پڑے بے ہوش لاغر وجود کو دور سے دیکھنے کے بعد وہ پلٹنے لگا تو اس کے ساتھ آئی فضہ انصاری نے حیرت سے استفسار کیا۔

''سر..... آپ ابھی بھی رشان سے نہیں ملیں گے؟''

''نہیں..... میں اسے ابھی فیس نہیں کر سکتا۔ پلیز مس انصاری آپ اس کا خیال رکھنا بلکہ اس کی برین واشنگ بھی کرنا۔ ایکچولی ابھی میر سجاول کا ریمانڈ لینا ہے اس سے پہلے میں رما آئی مین رشان کو بہتر حالت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ ری کور ہو جائے تو۔'' جواد کی دلی کیفیات اس کے بے ربط لہجے میں عیاں تھیں۔

''کیا رشان سے آپ کی شادی کے بارے میں آپ کے گھر والے نہیں جانتے۔'' فضہ انصاری نے اپنی الجھن مٹانا چاہی۔

''جانتے ہیں، سبھی جانتے ہیں۔ ہماری ارینج میرج ہوئی ہے لیکن گھر والے اس صورتِ حال سے واقف نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رما میرے ساتھ دوسرے شہر میں ہنی مون پر ہے۔ مس انصاری آپ کو اب بھی کیئر فل رہنا ہے۔ میں اور میری فیملی رما کے حوالے سے کوئی بھی میڈیا افیئر برداشت نہیں کر سکتے بلکہ ابھی میری فیملی کے کسی ممبر کو رما کی ایسی کنڈیشن کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ میں پہلے اس سلسلے میں رما سے بات کروں گا پھر ہی گھر والوں کو فیس کر سکوں گا۔ اس سے پہلے پلیز۔'' وہ ہسپتال کی حدود سے باہر اپنی گاڑی کے قریب چند ثانیے رک کر فضہ انصاری سے درخواست کر رہا تھا۔

فضہ انصاری نے مؤدبانہ سر ہلانے کے بعد اسے تسلی بھی دی۔ ''ڈونٹ وری سر، رشان بھی ضرور آپ کی مجبوری سمجھ جائیں گی۔ میں اسے سمجھاؤں گی۔ ہمیں جو سامنے واضح نظر آتا ہے ہم اسے ہی تو سچ سمجھتے ہیں۔'' فضہ انصاری کی بات سے جواد کے بوجھل دل کا ذرا سا بوجھ کم ہوا تھا۔ پھر جواد نے دن رات ایک کر کے میر سجاول کے خلاف تمام ثبوت و شواہد اکٹھے کر کے اس سے اعترافِ جرم بھی کروایا تھا۔ وہ ایک جرائم پیشہ تنظیم کا رکن تھا۔ اس کا سرغنہ کون تھا۔ یہ بہت طویل عمل تھا۔ جواد کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا کہ اعتزاز کے قاتل کو اس نے پکڑ لیا تھا۔ اس کے باقی جرائم بھی ثابت ہو چکے تھے اور اب عدالت کا کام تھا انہیں سزا دینا۔ جواد کو شبیر بخاری کی مکمل سپورٹ حاصل تھی اور انہوں نے بھی یاد دہانی کروائی تھی کہ ان مجرموں

کے ساتھ کسی قسم کی نہ تو رعایت کی جائے گی اور نہ ہی کسی کو اس کا موقع دیا جائے گا۔

کیس کورٹ میں داخل کرانے کے بعد وہ رشان کے پاس آیا تھا۔ رشان کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔ البتہ وہ زرد ولاغر اسی طرح تھی۔

جواد ایک نظر میں تو اسے پہچان ہی نہیں سکا تھا۔ اس کے حسن کی ساری گلابیاں زردیوں میں بدلی ہوئی تھیں۔ فضہ انصاری اسے تمام حقیقت سے آگاہ کر چکی تھی۔ پھر بھی اس کے اندر بہت ملال تھا۔ جواد نے اس پر شک ہی نہیں کیا تھا اس کے کردار پر کیچڑ بھی اچھالا تھا۔ اب اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ ملال، وہ کرب آنسو بن کر آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ نرس جواد کو دیکھتے ہی اس کے کمرے سے نکل گئی تو جواد اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ رشان نے نیچے منہ کر کے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کی۔

''ڈاکٹر کہہ رہی ہے اب تم ٹھیک ہو، گھر جا سکتی ہو۔ چلیں گھر۔'' جواد نے نارمل انداز میں اسے مخاطب کیا۔

وہ ایک دم سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ ''گھر..... کیا میرا بھی کوئی گھر ہے۔ کیا آپ کو یقین آ گیا کہ..... میں بے گناہ ہوں۔'' وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔

''رما اگرچہ میں غلط نہیں تھا۔ پھر بھی میں تم سے شرمندہ ہوں۔ وہ ویڈیو کیسٹ کوئی بھی دیکھتا وہ یہی سمجھتا تم ہی ہو۔ حقیقت تو بعد میں ہی معلوم ہوئی۔ میرا تم سے جو رشتہ تھا وہ سب دیکھ کر میرا ضبط ٹوٹنا تو لازمی تھا ناں پھر بھی۔'' جواد نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

رشان نے بہ دقت اٹھ کر بیٹھتے ہوئے نحیف آواز میں بھی اسے اپنی بات سے چونکا دیا۔

''میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا اور اس کا حق بھی نہیں ہے مجھے۔ البتہ قانون و شرع نے آپ کو ہر قسم کا سلوک کرنے کا اختیار ہی نہیں حق بھی دے رکھا ہے۔ اب بھی میں آپ کے اختیار میں ہوں جو چاہے سلوک کریں۔''

جواد نے اس کے بیگانے لہجے پر تڑپ کر اس کا سرد ہاتھ تھام لیا۔ جو اس کی گرفت میں بھی لرز رہا تھا۔ ''پلیز رما ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ ی..... ذرا انصاف سے سوچو اگر تم میری جگہ پر ہوتیں تو کیا یہی سب کچھ نہ کرتیں.....؟ میں مجبور تھا میں جو دیکھ رہا تھا میرے لیے وہی سچ تھا۔''

''اور گھر والوں نے؟ انہوں نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ میں بری تھی، غلط تھی، میرا کردار خراب تھا اور میری ماما..... وہ کیا زندہ رہی ہوں گی۔'' وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ ساتھ ہی کچھ بول بھی رہی تھی۔

جواد کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ ''رما پلیز بلیو می۔ گھر میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ میں اب تک گھر گیا ہی نہیں ہوں۔ میں فارغ ہو کر تمہارے پاس ہی آیا ہوں۔ تمہیں لینے، چلو، اپنے گھر چلو پھر اس کے بعد جو چاہو سزا دے لینا۔ ایک بار تو گھر چلو پلیز۔''

رشان کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن جواد کے لہجے میں جو سچ تھا وہ یقین کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ویسے بھی اسے گھر تو جانا ہی تھا۔ تب ہی اسے معلوم ہوتا کہ اس کا مقام کیا ہے اور منزل کہاں ہے۔ ڈاکٹر تو پہلے ہی اسے ڈسچارج کر چکی تھی۔ سامان اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ اپنی چادر اوڑھ کر شکستہ چال اور لرزتے قدموں کا سہارا لے کر اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کرنے لگی۔ گھر کی طرف سفر کرتے ہوئے ہر چہرہ، ہر بات، ذہن میں اُجاگر ہو کر اسے تڑپانے لگی تھی۔ جواد نے اسے روتے دیکھ کر لب بھینچ کر اس کی جانب ٹشو پیپر کی موٹی سی تہہ بڑھائی۔

''رما پلیز چپ ہو جاؤ۔ تمہارے آنسو میرے لیے کسی اذیت سے کم نہیں ہیں۔ میں کہہ رہا ہوں ناں میں خود گھر والوں کے سامنے اپنے ہر جرم، ہر غلطی کا نہ صرف اعتراف کروں گا بلکہ میں نے اپنے لیے سزا بھی تجویز کر لی ہے۔ تمہیں اذیت دینے کے بعد مجھے بھی سکون سے رہنے کا حق نہیں ہے اور تمہاری تو حالت ہی میرے برتاؤ کی ترجمان ہے کسی کو بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔''

جواد کی سنجیدگی پر اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف رخ موڑ کر دیکھا۔ وہ دل جوئی کرنے میں بھی بالکل اناڑی تھا۔ اس کی باتوں سے روحوں سے کسی کو زخم لگیں یا راحت ملے وہ اس بات کا اندازہ کب کرتا تھا۔ رشان نے رخ پھیر کر سامنے دیکھا۔ اس کے ہونٹ جیسے سل گئے تھے۔ کچھ کہنے کی چاہ لبوں کے اندر ہی گھٹ گئی تھی۔ ایک خوف سا ابھی تک اس کے حواسوں پر طاری تھا۔ ابھی تک اسے لگتا تھا وہ کسی خواب کے گمان میں ہے آنکھ کھلے گی تو یا تو سب ٹھیک ہوگا یا پھر وہ کرچی کرچی ہو کر بکھر جائے گی۔ اس کے خیالات بالکل الجھے ہوئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کس طرح اپنے احساسات و جذبات کو قابو میں رکھے۔ کیسے ہر زبان کے سوال کو اَن سنا کرے، کیسے ہر آنکھ کی بات سے نظر چرائے۔

جواد کی گاڑی گھر کے پورچ میں رکی ہوئی تھی اور وہ اسے اُترنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ گاڑی سے اُتر کر وہ راہداری تک پہنچے تھے کہ ان کی آمد کا شور بلند ہوا تھا۔ سبھی بے اختیار ہو کر باہر دوڑے چلے آ رہے تھے۔ خوشی اور گرم جوشی آوازوں سے صاف عیاں تھی اور پھر سبھی آوازیں

ایک دم تھم سی گئیں۔ وہ جو سامنے دیکھ رہے تھے اس منظر نے انہیں گنگ کر دیا تھا۔ لمحے بھر کو لگا تھا کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر انہیں ساکت کر دیا ہو۔ بھابی ثمور سب سے پہلے حیرت سے چونکیں۔ ان کی سوچوں کے برعکس نکھری نکھری خوش وخرم خوبصورت رشی کی جگہ کمزور، زرد، حلقے زدہ رشی کھڑی تھی یا کوئی اور تھی۔ فی الحال تو وہ ان سے پہچانی بھی نہیں جا رہی تھی۔

تمی اور سونم بھی حیرت سے ایک نظر جواد پر ڈال رہے تھے اور ایک رشان پر، جواد نظریں چرا گیا۔ رشان بھی سب کی محبتوں کو ترسی ہوئی تھی۔ آنسو بھری آنکھوں سے سب کو ساکت کھڑی تکے جا رہی تھی۔ ثمور بھابی کی قوتِ گویائی سب سے پہلے واپس آئی۔

''یہ..... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ اسے کیا ہوا۔'' ایک سوال رشان سے تھا تو دوسرا جواد سے۔ ساتھ ہی انہوں نے بڑھ کر رشان کو اپنی بانہوں کے حصار میں جکڑ لیا۔ محبت کے حصار میں جاتے ہی وہ باوجود ضبط کے خود کو سنبھال نہ سکی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے ساتھ جو ہوا تھا وہ سب فراموش کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ کرب کی جن بھٹیوں میں سلگ کر وہ آ رہی تھی۔ ان کی تپش سے بننے والے آبلے بھابی جان کی نرم نرم تھپکیوں سے پھوٹ کر بہہ نکلے تھے۔ بھابی ثمور نے گلے سے چمٹی رشی کے کندھے کے اوپر سے شرمندہ سر جھکائے کھڑے جواد کو دیکھ کر پھر سے استفسار کیا۔ ''جواد میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا ہوا ہے اسے یہ اتنا کیوں رو رہی ہے۔ تم لوگوں نے تو اپنی کوئی خیر خبر ہی نہیں دی اور اب اس کی حالت.....'' ان کے استفسار میں خود بخود سختی گھل گئی تھی۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پلیز اسے چپ کروائیں۔ اسے اندر لے جائیں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔'' جواد نے بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے نارمل رویہ اپنایا۔

''آپ ہی نے کچھ کہا ہوگا اسے۔ اس لیے یہ ایسی ہو رہی ہے۔ مجھے پتا تھا آپ اس کا خیال نہیں رکھ سکتے۔ شادی کیوں کی تھی آپ نے اس کے ساتھ۔'' گولڈی قریب آ کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔ رشی کو اس طرح دیکھ کر سب سے زیادہ صدمہ اسے ہی پہنچا تھا۔ وہ تو ہنستی مسکراتی رشی کے منتظر تھے اور وہ کس حال میں واپس آئی تھی۔ جواد کو بھتیجی کے سہیلی کے لیے جذبات کا اندازہ تھا اس لیے کچھ کہے بغیر بچوں کی طرح لڑتی گولڈی کو بازوؤں میں سمیٹا۔

''میں تم سب کا قصوروار ہوں لیکن پہلے مجھے کچھ بتانے تو دو۔ بھابی جانی اسے اماں جانی کے پاس لے چلیں۔ ان کے سامنے ہی ساری باتیں ہو جائیں تو اچھا ہے۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر رشی کے آنسو بھی جیسے تھم گئے۔ اس نے بھابی ثمور سے الگ ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھنا

چاہا مگر وہ سب سے پہلے اندر بڑھ گیا تھا۔ مجبوراً سبھی کو اس کے پیچھے جانا پڑا۔ رشی اور جواد کی آمد کا شور سن کر وہ بھی جلدی میں بستر سے اُترنے لگیں۔ ابھی چپل ہی پاؤں میں پہنی تھی کہ اپنے سامنے کھڑے جواد کو پہلے حیرت سے دیکھا اور پھر اسے بے نقط سنانے لگیں۔

''آ گئے ہو، جی بھر گیا، مل گئی فرصت، یاد آ گئی گھر کی۔ سب کہتے تھے شادی کر دو لڑکے کی، خود ہی گھر میں ٹک کر بیٹھے گا، مجھے کیا خبر تھی دو بول پڑھواتے ہی تمہاری خصلت اور بگڑ جائے گی۔ چندا یہ شادی تمہیں گھر میں ٹکانے کے لیے کی گئی تھی۔ گھر سے بھگانے کے لیے نہیں۔'' اماں جان بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں۔

''اماں جانی میں ایک اہم کام نمٹانے گیا تھا تفریح کے لیے نہیں گیا تھا۔'' جواد نے دبے دبے لفظوں میں کہنے کی کوشش کی۔

''بھاڑ میں گئے تمہارے کام، تمہیں تو خاندان، برداری کی ساکھ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ زبان ہلائی اور چھوٹ گئے۔ تمہاری وجہ سے کیسی کیسی باتیں سننے کو ملی ہیں۔ سارے کہتے رہے کہ اچھی بیٹے کی پسند لے کر آئی ہو جو پہلی رات ہی.....''

''اماں جانی پلیز پہلے کچھ دیکھ، سن تو لیں۔'' بھابی ثمور نے اندر داخل ہوتے ہی مداخلت کر کے انہیں مزید کہنے سے روکا۔

''میں کیا غلط کہہ رہی ہوں۔ تم نے نہیں سنا کہ.....'' بات کرتے کرتے ان کی نظر رشان پر پڑی تو وہ بھونچکا رہ گئیں۔ ''ہائیں..... یہ اس کا کیا کر لائے ہو۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی بچی تو۔'' اماں جانی کا اظہار و پیش قدمی بے ساختہ تھی۔ آگے بڑھ کر انہوں نے اپنے ناتواں بازوؤں میں جیسے اسے چھپا لیا۔

رشان پھر سے بے اختیار ہو گئی۔

''بتاتے کیوں نہیں۔ تم ہی کچھ بتاؤ بچی جھگڑا کیا ہے اس نے تمہارے ساتھ۔ ڈرو نہیں یہ تمہیں اس گھر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ساتھ لے جا کر ڈال دیا ہوگا ایک طرف اور پھر بھول گیا ہوگا عادت ہے اس کی۔ ایک دھن سوار ہو جائے تو آگا پیچھا یاد نہیں رہتا۔'' اماں جانی اسے بچوں کی طرح پچکار کر بولنے پر اکسا رہی تھیں مگر وہ لب سیے ان کی محبت کی گرمی کو محسوس کرتے ہوئے روئے جا رہی تھی اس نے کب سوچا تھا کہ اب وہ ان مہربان چہروں، ان محبتوں، شفقتوں کو دیکھ اور محسوس کر سکے گی۔ ''تم ہی کچھ منہ سے پھوٹو۔ کیا منہ میں گھنگھنیاں ڈالے کھڑے ہو۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے اور تمہارے یہ لچھن پرائی بیٹی کا کیا حشر کر دیا میں اس کی ماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ وہ غریب تو بیٹی کی خوشی کے لیے دوبارہ پوچھنے بھی نہیں

آئی کہ اس کی بیٹی کہاں ہے۔'' اماں جانی کے لتے لینے پر وہ جھنجھلا اٹھا۔ پہلے ہی پریشان تھا۔ اب انہیں سمجھانے کی فکر بھی تھی۔

''اماں جانی آپ لوگ مجھے کچھ بتانے کا موقع تو دیں۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے آرام کرنے دیں۔ رما تم روم میں جا کر ریسٹ کرو، میں تم سے آ کر بات کرتا ہوں۔''

بھابی جان نے کچھ بھانپتے ہوئے رشی کو جانے سے روک لیا۔ ''ٹھہرو رشی تم ابھی یہیں رہو۔ جواد تمہیں جو کہنا اور بتانا ہے اس کے سامنے بتاؤ۔ مجھے تو تم پر اب اعتبار ہی نہیں رہا۔''

بھابی ثمور کی بے رخی پر اس نے زچ ہو کر سبھی پر نگاہ ڈالی۔ سب کی آنکھوں اور چہرے پر ایک ہی تاثر تھا۔ بھابی ثمور نے پہلے اماں جانی کو ان کے بستر پر بٹھایا پھر رشان کو بھی ان کے پہلو میں بیٹھ کر کرسی سنبھالی۔ جواد پہلے ہی دوسری کرسی پر ٹک چکا تھا۔ البتہ گولڈی اور تمی گہری سنجیدگی چہرے پر لیے ہنوز الماری سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

''دراصل رشان کو اس رات اپنے ساتھ لے جانا میری مجبوری تھی۔ اس وقت اگر میں آپ لوگوں کو کچھ بتاتا تو بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتیں اور جن کی تلافی ساری عمر نہ ہو پاتی۔'' جواد نے نظر اٹھا کر خود پر قابو پاتی آنسو پونچھتی رشان کو دیکھا جو اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھی۔

''ایسا کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا جس کے بوجھ سے تم ہمیں بچانا چاہتے تھے اور تم نے اس کے نیچے ہماری بچی کو دبنے دیا۔'' بھابی ثمور کے جذبات بھی اس وقت جواد کے لیے برہم سے تھے۔

''آپ وجوہات سن لیں گی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔'' اور پھر جواد نے تمام واقعات اور ساری صورتِ حال آہستہ آہستہ بتا دی۔ کوئی بھی یقین کرنے کو تیار نہ تھا لیکن رشان کی حالت اس کے آنسو ساری حقیقت عیاں کر رہے تھے۔

''تم نے سوچا بھی کیسے کہ رشی ایسی ہو سکتی ہے۔'' بھابی ثمور نے ابھی بھی برہمی کا اظہار کیا۔

''چاچو اسی لیے آپ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ رشی کے بوائے فرینڈز کو جانتے ہو۔'' تمی بھی صدمے سے نکل کر خاصی ناراضگی سے پوچھ رہا تھا۔

گولڈی تو سارا ماجرا سنتے ہی رشی سے لپٹ کر بیٹھ گئی تھی اور اب پھر سے دونوں رونا شروع ہو گئیں۔

''میں جانتا ہوں، رشان کو میں نے بہت اذیتیں دی ہیں لیکن میں نے جان بوجھ کر تو

ایسا نہیں کیا تھا۔ آپ لوگ خود سوچیں اگر آپ لوگوں کو اس معاملے کے بارے میں ثبوت کے ساتھ بتایا جاتا تو آپ لوگوں کا کیا ردِعمل ہوتا۔ پھر بھی مجھے لگتا ہے میں رشان کا گناہ گار ہوں۔ اس کے لیے مجھے برداشت کرنا آسان نہیں ہوگا اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر رشان آپ لوگوں کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں اور اگر یہ اپنی ماما کے پاس جانا چاہے تو بھی پلیز اسے کوئی بھی یہاں رہنے پر مجبور نہ کرے۔'' سبھی اس کی بات سن کر ٹھٹک گئے۔

رشی نے بھی شاکی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''یہ تم کیا اول فول بک رہے ہو، دماغ تو نہیں پھر گیا تمہارا۔ یہ اچھی رہی خود ہی جرم کرو خود ہی سزا بھی سنا دو۔ اپنی من مانی کرنی تھی تو ہم سے دکھڑے کیوں روئے۔'' اماں جانی پھر سے شروع تھیں اور اس بار وہ سننے پر مجبور تھا۔ اپنی بات اس نے کی ہی غلط انداز میں تھی۔ اپنی صفائی دینے کی خاطر بولا۔

''اماں جانی، میں تو رما..... رشان کی خاطر کہہ رہا ہوں۔ وہ مجھے اتنی آسانی سے معاف تو نہیں کر سکتی۔ مجھے دیکھ دیکھ کر اسے اپنی تکلیف یاد آئے گی۔ اس لیے میں گھر سے جانا.....''

''خبردار جو تم نے گھر سے جانے کی بات کی۔ تمہیں کیا معلوم اس کے دل میں کیا ہے، کیا نہیں۔ ایسا ہی ملال ہے تو اپنے سلوک سے اپنی محبت سے تلافی کرو یہ کیا کہ اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہو۔ بڑی بہادری کا کام کرو گے ناں۔'' ثمور بھابی فوراً ہی ڈپٹ کر بولیں تو اماں جانی بھی تائید کرنے لگیں۔

''بہو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ پہلے کم باتیں نہیں سنی ہیں ہم نے جواب ہماری مزید جگ ہنسائی کراؤ گے۔ جو مسئلے مسائل ہیں یہیں بیٹھ کر حل کرو۔ بھگوڑوں کی طرح بھاگتے پھرو گے تو کس کا دل صاف ہوگا۔ جو معافیاں تلافیاں کرنی ہیں، یہیں آپس میں بیٹھ کر کر لو۔ ویسے بھی عورت کا دل بڑا کشادہ ہوتا ہے۔ مرد کی سو خطائیں بھی بخش دیتی ہے۔ یہ بھی تمہاری بھول کو معاف کرنے کا ظرف رکھتی ہوگی کیوں بچی..... تم بھی اس کی مجبوری کو جان ہی گئی ہو۔ اس کے کسی غلط رویے کو دل میں مت رکھو۔'' اماں جانی نے اسے اپنے پہلو سے لگا کر چوما اور پھر سمجھایا بھی۔ وہ بس سر ہلانے لگی۔ اماں جانی کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ ''شاباش جیتی رہو بیٹی۔ ثمور اسے کمرے میں لے جاؤ بچی آرام کرے اور تم کہاں نکلے جا رہے ہو میری بات کان کھول کر سنو۔'' جواد کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر اماں جانی نے اسے ڈپٹ کر بلایا۔

تمی اور گولڈی کے چہروں پر اس عرصے میں پہلی بار مسکراہٹ رینگی۔

''میں تمہیں ایک ہفتے کا وقت دے رہی ہوں۔ آپس کی کدورت مٹانے اور رنجشیں دور کرنے کے لیے یہ وقت کم نہیں ہے۔ آٹھویں دن تم دونوں کی دعوتِ ولیمہ کا انتظام کروں گی تب تک..... سمجھے!'' اماں جانی نے اسے جس انداز میں سب کے سامنے وارننگ دی تھی تو وہ کچھ کھسیا سا گیا تھا۔ کان کھجاتا ہوا وہ ان کے کمرے سے نکلا۔

رشمان کو گولڈی اپنے کمرے میں لے گئی۔ تمی بھی وہیں موجود تھا۔ بھابی جان نے انہیں سختی سے منع کیا تھا کہ رشی سے کچھ نہ پوچھیں۔ اس لیے وہ خود پر جبر کر کے اس سے شادی کے دن کی باتیں کر رہے تھے۔ وہ دن اس کے لیے یادگار ضرور تھا مگر تلخ تجربات کے ساتھ۔ تمی اس کی مہندی کے دن کی البم اٹھا لایا تھا۔ تصویریں دیکھتے اور دکھاتے ہوئے تبصرہ بھی کر رہا تھا مگر رشمان کی عدم دلچسپی ہنوز برقرار تھی۔ اس عرصے میں وہ بہت بدل گئی تھی۔ اس کے جذبات واحساسات سبھی کچھ متغیر ہوئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔

''چاچو آپ کو الاؤڈ نہیں ہے یہاں۔'' تمی کی آواز پر رشی اپنے احساسات سے چونکی۔ وہ کیا کر سکتی تھی۔ حقائق کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد جواد کے لیے دل میں کوئی منفی جذبہ تو نہیں تھا۔ بس ایک شکوہ، ایک ملال سا تھا جسے وہ شاید جواد پر ہی عیاں کرتی۔ وہ گولڈی کے کمرے کے دروازے پر کھڑا اندر آنے کی کوشش میں تھا اور دونوں بہن بھائی اسے آنے نہیں دے رہے تھے۔ آخر وہ زبردستی اندر چلا آیا۔

''چاچو اب آپ کی کوئی زبردستی نہیں چلے گی۔ رشی اتنی آسانی سے آپ کو معاف نہیں کرے گی۔'' گولڈی نے اپنا استحقاق جتایا۔ ''جب تک کہ ہم نہیں چاہیں گے۔'' ساتھ ہی جانے کا اشارہ کیا۔

''تم لوگ کب تک نہیں چاہو گے۔'' جواد نے رشی کے سامنے بیٹھتے ہوئے مڑ کر پوچھا۔

''جب تک رشی نہیں چاہے گی۔'' گولڈی نے فوراً جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے مجھے پہلے پوچھنے تو دو کہ یہ کب تک چاہیں گی۔ اس لیے تم دونوں یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔''

''آپ پھر اسے ڈرائیں، دھمکائیں گے ہے ناں۔'' گولڈی متفکر ہوئی۔

''یار تم لوگوں نے جلاد سمجھا ہوا ہے مجھے۔'' وہ قدرے جھنجلایا۔

''رشی کے ساتھ تو آپ نے جلادوں سے بھی بڑھ کر سلوک کیا ہے اس کی کنڈیشن.....''

''گولڈی پلیز.....'' رشی نے پہلی بار مداخلت کی اور گولڈی کو مزید کہنے سے روکنے کے

لیے آنکھوں کا اشارہ بھی کیا۔

جواد فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تمی بھی البم بند کر کے ماحول کی سنجیدگی کو محسوس کرنے لگا۔

''او کے تم لوگوں کو میری باتوں کا یقین نہیں ہے تو..... شاید مجھے چلے ہی جانا چاہیے۔''

''چاچو، آئی ایم سوری۔ چاچو آپ کو پتا ہے میں شاکڈ ہوں اب تک۔ پلیز چاچو ہمیں اور تنگ نہیں کرنا ورنہ.....'' گولڈی روتی ہوئی اس سے آ لپٹی تو جواد نے اسے محبت سے اپنے بازوؤں میں بھینچا۔

''آئی سویئر میں نے تم لوگوں کو تنگ کرنے کی کوئی پلاننگ نہیں کی۔ بس قسمت۔ اچھا اب چپ ہو جاؤ اور مجھے کسی اور کو منانے کا موقع بھی تو دو۔ یار کیا میں اچھا لگوں گا تم لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو مناتا ہوا۔''

گولڈی روتے روتے ہنس پڑی۔ پھر چپ بیٹھی رشمان سے مخاطب ہوئی۔ ''رشی اتنی آسانی سے مت ماننا بلکہ چاچو کو کوئی سزا دیے بغیر تو بالکل معافی مت دینا۔''

''بالکل اور اب ڈرنا بھی مت ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' تمی بھی تائیداً گولڈی کے ساتھ تھا۔

''تم لوگ یہاں سے نکلو گے تو کچھ عمل ہو گا ناں۔'' جواد نے انہیں نکال کر کمرہ مقفل کیا اور پھر اس کے سامنے آ بیٹھا۔ اس بار کرسی اس کے بیڈ سے مزید قریب کھسکا لی تھی۔ ''آئی نو تم مجھے معاف کر چکی ہو لیکن پھر بھی مجھ سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہو۔ اگر تمہیں آئندہ میرے ساتھ خوش رہنا ہے تو تمہارے دل میں جو کچھ بھی ہے ابھی کہہ دو۔ اگر تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں تب بھی کہہ دو رئیلی مجھے برا نہیں لگے گا۔''

رشمان نے جھکا ہوا سر ایک دم اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ اس سے کیا سننا چاہ رہی تھی اور وہ کیا سنا رہا تھا۔ ''میں نے آپ سے کچھ کہا ہے جو..... جو آپ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔'' رشی نے ٹوٹے لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

''تو کچھ کہو ناں، مجھ سے لڑو، مجھے الزام دو، میں نے تمہیں غلط سمجھا، تمہیں اذیت دی، تمہیں مارا اور.....''

''آپ نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا تھا۔ آپ نے کسی اور کے دھوکے میں مجھے..... پلیز ان باتوں کو مت دہرائیں۔'' رشی نے آنکھیں موند کر سر جھٹکا۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں میری مجبوری کا احساس ہے۔ تمہیں یقین ہے میں نے

دانستہ تمہارے ساتھ.....''

''خدا کے لیے وہ سب کچھ میں بھولنا چاہتی ہوں۔ وہ دن، وہ پل، سب کچھ۔'' وہ پھر سے آبدیدہ ہوگئی۔

جواد نے کچھ مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ ''وہ دن کیسے بھلایا جا سکتا ہے اسی دن کا تو یہ سلسلہ ہے جو میں تمہارے سامنے ہاتھ باندھے بیٹھا ہوں ورنہ کسی کی مجال تھی کہ اے، ایس پی جواد اسامہ کو اس طرح ہاتھ باندھنے پر مجبور کرے۔''

جواباً وہ اسے دیکھے گئی۔ کتنے عرصے بعد اس کا یہ روپ دیکھنے کو ملا تھا۔

''ویل کوئی سزا سوچی ہے میرے لیے یا ادھر بھی دل سمندر ہے۔'' جواد اس کی آنکھوں میں پھیلتے اپنے عکس کو دیکھ کر مزید اطمینان سے گویا ہو۔ ''چلو میں اپنی سزا خود ہی تجویز کر دیتا ہوں۔ اماں جانی نے ہماری ولیمے کی دعوت آٹھ دن بعد رکھی ہے تو سات دن تک میں تم سے دوری کا کرب سہہ کر دیکھتا ہوں، ہے تو صبر آزما کام مگر سزا بھی یہ بہت کڑی ہے۔ ساتویں دن آپ اپنے بیڈ روم کو رونق بخش کر غریب کے حال پر رحم ضرور کر دینا ورنہ واقعی میں مارا جاؤں گا۔ پھر نہ کہنا ابھی حالِ دل کہا نہ تھا۔ ابھی کچھ تم سے سنا نہ تھا۔'' اس کی بات سمجھنے کے بعد رشمان کا چہرہ زرد گلابی سا ہوا۔ جواد نے اسے دلچسپی سے دیکھا۔ ''اس طرح شرماؤ گی تو مجھے بغاوت کرنی پڑ جائے گی۔ اس لیے پلیز سنڈے تک شرمانا بھی مت ورنہ.....''

''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں سب لوگوں میں واپس آ گئی ہوں۔ سب کی اور آپ کی محبتیں میرے لیے ہیں مین تو.....'' رشی ایک دم رونے لگی تھی۔

جواد نے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹا۔ ''پاگل ہو بالکل۔ کہہ تو رہا تھا جو کچھ دل میں ہے کہہ دو۔ مجھ سے جو بھی شکایت ہے کرو۔ میں تمہاری ہر شکایت دور کروں گا۔'' جواد نے اس بار بہت نرمی مگر سنجیدگی سے اسے اکسایا۔

رشمان بس مسکرا کر رہ گئی۔ اندر آتی بھابی ثمور کے دل میں ڈھیروں اطمینان بھر گیا۔ جن گرہوں کو کھولنے کی وہ مدد دینے آئی تھیں وہ پہلے ہی کھل چکی تھیں۔

☆======ختم شد======☆